دائرۃ المعارف

یعنی

معارف، اعظم گڈھ،

کی

سولہویں جلد

از

جولائی سنہ ۱۹۲۵ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف، دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد شانزدہم جولائی سنہ ۱۹۲۵ء، دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

بہ ترتیب حروف تہجی

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	جناب قاضی احمد میاں صاحب جوناگڈھی	۱۵، ۲۹۲
۲	جناب حافظ احمد علی صاحب ناظم رامپور اسٹیٹ لائبریری	۳۲۲
۳	مولوی الف دین صاحب	۳۸۰
۴	پروفیسر جمیل الرحمن صاحب ایم اے عثمانیہ کالج	۳۰، ۱۱۵
۵	مولوی سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین	۱۲۰
۶	جناب سردار محمد صاحب ایم اس سی آئی ای ایس	۹۰
۷	مولانا سید سلیمان صاحب ندوی	۲، ۶۴، ۱۶۴، ۲۸۲، ۸۸، ۲۸۲، ۲۶۶، ۲۳۹، ۲۰، ۲۴، ۳۱۱، ۳۲۲، ۲۲۶، ۴۲، ۴۱۰، ۴۶۴،
	" " " "	
۸	مولوی عبد الباسط صاحب بچھرایونی،	۲۰۷، ۲۳۸، ۴۴۵
۹	مولانا عبد السلام صاحب ندوی،	۳۹۵
۱۰	پروفیسر میمنی عبد العزیز صاحب،	۱۲۷، ۲۸۲، ۳۴۸
۱۱	جناب نظم حیدر صاحب	۴۵۰

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبر شمار
۱۲	مولوی محفوظ الحق ایم اے لکچرر پریسیڈنسی کالج کلکتہ	۴۵
۱۳	مولوی سید مقبول احمد صاحب ایم آر اے ایس	۱۵۱
۱۴	جناب حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ	۴۲۱
۱۵	مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی	۳۰۷
۱۶	مولوی سید نور الہدیٰ صاحب ندوی	۳۶۶
۱۷	مولوی سید ہاشم صاحب ندوی	۳۳۶
۱۸	جناب محمد یوسف صاحب سلیم شروانی	۲۴۹
	شعراء	
۱	اطہر، جناب اطہر ہاپوڑی وکیل جے پور	۶۵
۲	تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ صاحب بی اے امرتسر	۴۶۳
۳	شبلی، علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ	۶۳، ۲۰۷
۴	عزیز، جناب عزیز صاحب لکھنوی	۱۴۹

فہرست مضامین

جلد شانزدہم جولائی ۱۹۲۵ء - دسمبر ۱۹۲۵ء

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۰

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جولائی سنہ ۲۵ء

قیمت: پانچروپیہ سالانہ مع محصول

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف مین چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

کتبخانہ دار المصنفین اعظم گڑھ

علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ ...... ہے، سعہ

ایضاً حصہ دوم، طبع اوّل قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان للعہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد ہے

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اوّل عہ قسم دوم ے،

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، ہے،

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات، بعہ،

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور انکا فلسفہ بعہ

سیرۃ النعمان، امام ابو حنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل ...... بعہ

سوانح مولنا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ، بعہ

رسائل شبلی، مولنا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، عہ،

مقالات شبلی، مولنا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ

بیان خسرو، خسرو کے حالات زندگی، اور انکی شاعری پر ریویو ...... ۸،

شعر العجم حصہ اوّل، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و قدما کا دور ...... ے،

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور ۸،

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور ۸،

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو ے،

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ ...... ۶،

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی مین ریویو ...... ۸،

موازنہ انیس و دبیر، میر انیس کی شاعری کا ریویو ہے،

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت ...... ۶،

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع، بعہ، عہ

علم الکلام، مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ اسکی عہد بعہد کی ترقیان اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس ...... ۶،

الکلام، مولنا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جسمین عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ مین ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس، قیمت ...... ۶،

قصیدہ امرتسر، امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلماء مین مولنا نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا نہایت رنگین و اعلیٰ مطبع نامی کانپور

کلیات، مولنا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل، کے نامون سے چھپے تھے، یہ سب یکجا کر دیئے گئے ہین ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت ۶

کلیات شبلی اردو، ۸

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۃ والذاریات، ...... ۶،

تفسیر سورۃ اللہب، ...... ۴،

تفسیر سورۃ والتین، ...... ۴،

تفسیر سورۃ والکوثر، ...... ۴،

تفسیر سورۃ القیامۃ، ...... ۴،

تفسیر سورۃ عبس، ...... ۴،

تفسیر سورۃ والمرسلات، ...... ۴،

مجلد شانزدہم	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۵ء	عدد اول

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

آج سے معارف کی سولھوین جلد کا آغاز ہے، اور اسکی عمر کا دسوان سال شروع ہوتا ہے، ہندوستان مین جہان ہر نئے سال پر رسالے پیدا ہوتے ہین، اور ختم سال پر مرجاتے ہین، معارف جیسے خشک اور بے مزہ رسالہ کی اتنی زندگی بھی بجائے خود داد طلب ہو، بعض معاصرین نے تصریحًا یا کنایۃً معارف کی اس مستقل زندگی کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ بعض ریاستون کی امداد کے سہارے زندہ ہے، لیکن ہم یہ باعلان کہنا چاہتے ہین کہ ریاستون سے جو امدادین ملتی ہین وہ دار المصنفین اور سیرت کو ملتی ہین، معارف سے اونکا کوئی تعلق نہین، دار المصنفین کا ہر صیغہ کا آمد و صرف علحدہ ہے، معارف بحمد اللہ کہ اپنے پاؤن پر آپ کھڑا ہے، اور تمام مصارف کا وہ خود ذمہ دار ہے، یہانتک کہ مضامین کا معاوضہ بھی خود ادا کرتا ہے، اور ہم کو یہ کہنے مین بھی تامل نہین کہ ادھر چند برسون سے اس کا ہر سال خریدارونکی تعداد کے لحاظ سے دوسرے سال سے زیادہ ہمت افزا ہوتا ہے، والحمد للہ علی ذلک،

آریون نے اپنی قوم مین جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے ایک نیا سامان یہ فراہم کیا ہے، کہ ہندوستان کی گذشتہ تاریخ مین جن ہندو راجاؤن نے مسلمان بادشاہون کے مقابلہ مین زیادہ شجاعانہ کارنامے دکھائے ہین، اور زیادہ جوش سے مسلمانون سے لڑے ہین، ان کا جشن منایا جائے، اُن کے اخبارات ہر سال اونکی ولادت کی تاریخ مین اونکے نام کے خاص نمبر نکالین، اون کے اوصاف اور محامد ولولہ انگیز تقریرون مین بیان کئے جائین، اس طرح قوم مین مسلمانون کے خلاف لڑنے اور مارنے کے جذبات بھڑکائے جائین،

اس کے ردعمل کے طور پر یقیناً بعض عام مسلمانون مین یہ انتقامی خواہش پیدا ہوتی ہوگی کہ وہ بھی اون مسلمان بادشاہون کا جشن منائین، سالانہ عرس کرین، اونکے فضائل اور مناقب کا ترانہ گائین، اور ان کو ہر طرح معصوم ٹھہرائین جنھون نے ہندؤن کے مقابلہ مین فتح و کامیابی حاصل کی ہو، اونکو تہ تیغ کیا ہو، اونکو قتل و غارت کیا ہو، تاکہ مسلمانون مین ہندؤن کے مقابلہ مین جوش اور ہمت پیدا ہو، لیکن اس باہمی مقابلہ مین دونون قومین ایک دوسرے کے مردہ دشمنون کو بیدار کرنے کے لیے اسطرح بیتاب ہین کہ وہ یہ بھول گئی ہین کہ آج دونون کا کوئی تیسرا زندہ دشمن بھی موجود ہے یا نہین؟

مسلمان ہندؤن کو توڑ دینا چاہتے ہین، ہندو مسلمانون کو چور چور کردینا چاہتے ہین، مگر یہ کوئی نہین دیکھتا کہ جس "خاکی کشتی" پر جس کا نام ہندوستان ہے دونون سوار ہین، اوسکے تختون مین اندر اندر سوراخ کون کر رہا ہے، اس جنگ مین خواہ مسلمان جیتین یا ہندو، مگر بہر حال اوس جیت سے ہندوستانی کی جیت نہین ہوسکتی، ہندو اگر ہندوستان کی آنکھین ہین تو مسلمان دل ہین، چشم و دل کی اس باہمی جنگ آزمائی کو دیکھکر جن مین سے ہر ایک اس خرابی کا الزام دوسرے پر تھوپنے کی فکر مین ہے ہندوستان "درد" کے لہجہ مین گویا ہے،

دل یہ کہے کہ آنکھون نے ہم کو کیا خراب — آنکھین کہین کہ دل ہی نے ہم کو ڈوبا دیا
بگڑا کسی کا کچھ نہین اے درد عشق مین — دونون کی ضد نے ہم کو بلا مین پھنسا دیا

عید اضحیٰ کا موقع دونون قومون کی نزاع باہمی کا موسم بہار ہے، دلی مین رسم ہے کہ قربانی کی گایون کو ہار پھول پہنا کر مذبح ایک خاص راستہ سے جلوس کے ساتھ لے جاتے ہین، جہان کہتے ہین کہ ہندوؤن کی آبادی زیادہ ہے، ہندو کوشان ہین کہ اس راستہ سے گایون کا یہ جلوس نہ گذرے، اور مسلمان

معترض ہین، کہ چونکہ یہ ان کا قدیم راستہ ہے، اسلئے کسی کو ان کے روکنے کا حق نہین، گذشتہ سال اسی موقعہ پر ایک خونین ہنگامہ کی روداد گذر چکی ہے، آہمسا (ترک تشدد) پر اعتقاد رکھنے والے ہندو بھائیون کو ہم کچھ نہین کہہ سکتے، لیکن مذہب پر جان دینے والے مسلمانون سے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہین کہ کیا جانورون کو اس طرح ہار پھول پہنا کر اور آراستہ کرکے قربانی کے لئے لے جانا انکی شریعت اور مذہب مین جائز ہے، شہر کے علما سے پوچھو کہ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا اس طرح کرنا بت پرستانہ رسوم کی تقلید تو نہین ہے، یہ خود "دشمن" شرک ہندون کی بھینٹ کی نقل تو نہین ہے؟

"بھینٹ" اور "قربانی" مین بڑا فرق ہے، خدا قربانی کے متعلق فرماتا ہے:۔

لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماءُھا ولکن	خدا کو قربانی کے ان جانورون کا گوشت اور خون نہین
ینالہ التقوی منکم (حج)	پہنچے گا، لیکن تمھاری پرہیزگاری اس تک پہنچیگی،

مشرکین کا خیال تھا اور ہے کہ اس بھینٹ کا خون دیوتاؤن کو بھاتا ہے اور لطف دیتا ہے، لیکن مسلمانون کے خدا نے اسکو صرف قربانی کرنے والون کی پاکی، پرہیزگاری اور تقوی کا ذریعہ بنایا ہے،

وَیَذکرُوا اسمَ اللّٰہِ فی ایّامٍ معلوماتٍ علی	اور تا کہ ان خاص دنون مین خدا کا نام اس شکر مین
ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا	لین کہ اس نے ان کو پلے جانورون کی روزی دی تو
واطعموا البائس الفقیر (حج)	اس مین سے خود کھاؤ، اور بھوکے غریبون کو کھلاؤ

تو اس رسم دینی کے ادا کرنے مین ہم کو جس چیز کا سب سے پہلے خیال کرنا چاہئے وہ نیکی پرہیزگاری شکرگذاری اور غریبون کی اعانت ہے،

مسلمانون کی واحد تعلیمی درسگاہ (مدرسۃ العلوم علی گڈھ) کی پنجاہ سالہ عمر کی خوشی مین جشن پنجاہ سالہ

منائے جانے کا آیندہ دسمبر مین اعلان ہوا ہے، یہ رسم بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منائی جائیگی اور اسی کے ساتھ قوم کی پچاس سال کے تعلیمی، سیاسی، اقتصادی جد و جہد پر بھی تبصرہ کیا جائے گا، ارکانِ علی گڈھ کو تعلیمی اور وہ بھی انگریزی تعلیم کے تبصرہ کا تو پورا حق ہے، مگر سیاسی و اقتصادی تبصرہ شاید ان کے لئے موزون نہ ہو، کہ اس کے لیے انھون نے کبھی کچھ نہین کیا ہے، تو جو سبق قوم کو انھون نے پڑھائے نہین انکے امتحان کا اونکو کیا حق ہے!

مناسب ہے کہ اسی کے ساتھ کالج کے ان شاندار قومی علمی تعلیمی، سیاسی، اقتصادی خدمات پر بھی تبصرہ کیا جائے جو پچاس سال مین، دسکے "سپوت فرزندون" نے انجام دیئے ہین، سپوت فرزندون سے ہماری مراد وہ ناسعادتمند اور سرکش اولادین نہین ہین، جو علی گڈھ کی حکومت سے باغی ہو گئے ہین، ورنہ اگر اونکے خدمات بھی شامل کر لیے جائین، تو ان کے تسلیم کر لینے مین کسکو تامل ہو گا، لیکن ایک طرف اونکے خدمات کو اپنے مفاخر مین داخل کرنا، اور دوسری طرف اونکو سیہ کار اور گم کردہ راہ کہنا آئینِ انصاف نہ ہوگا، اگر اس موقع پر جب مسلمانون کی آل پارٹیز کانفرنس ہو رہی ہے، تو علی گڈھ جوبلی کے وقت فرزندانِ کالج کی بھی "آل پارٹیز کانفرنس" منعقد ہو، اور سب ملکر ہماری تعلیمی گتھیون کو سلجھانے مین متفق و متحد نظر آئین،

علی گڈھ تحریک کی جو اصلی دقت ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اہل حل و عقد ایک ساتھ تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، التمدنی، اور ہر قسم کی کوششون کا اپنی چہار دیواری کے دائرہ کو مرکز بنانا چاہتے ہین، اور یہ متضاد عناصر کبھی یکجا نہین ہو سکتے، اگر اربابِ علی گڈھ صرف تعلیمی تحریک کو اپنا مخصوص مرکزِ عمل قرار دے لین، اور جہانگیری کا خواب نہ دیکھین، تو ان کے حق مین اور مسلمانون کے حق مین بھی یہ مفید اور نفع بخش ہو،

اور مختلف عناصر کے تصادم کا خطرہ بھی جاتا رہے،

ہم نے دیکھا ہے کہ ایسے شاہانہ موقعون پر بڑی بڑی اہم تبدیلیان جو عام حالات مین ناجائز سمجھی جاتی ہین، وہ باعلان کردی جاتی ہین تقسیم بنگال جیسی طے شدہ حقیقت کی ترمیم کے لئے دہلی کا شاہانہ دربار کا موقع مناسب سمجھا گیا، اور بلاپس وپیش اوسکی تنسیخ کردیگئی، آج سے پچاس سال پہلے جو تعلیمی نصب العین اور طریقۂ کار علی گڈہ مین قرار دیاگیا تھا، اگر آج پچاس برس کے بعد حالات کے تغیر سے "ہماری طے شدہ تعلیمی پالیسی" مین ترمیم وتنسیخ کی ضرورت ہے تو اس کے اعلان کا یہ پنجاہ سالہ جوبلی بہترین موقع ہے،

ہم نے بار بار لکھا ہے اور پھر لکھتے ہین کہ اس فرقہ مین بہترین شخصیت صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب کی ہے، ہم کو معلوم ہوا ہے کہ صاحبزادہ صاحب کے خیالات مین بہت کچھ انقلاب ہوا ہے، ہم کو توقع ہے کہ ان کے اس انقلاب سے اس تحریک مین بھی انقلاب پیدا ہوگا اب ضرورت ہے کہ ہماری تعلیمی مسجد کا قبلہ مغرب سے مشرق کو بدل جائے، اور آستانۂ حکومت کے بجائے آستانۂ ملت کو اپنا سجدہ گاہ بنایا جائے، اور یونیورسٹی سے عہدہ داران سرکاری کے بجائے خادمان قومی پیدا ہون،

یارب این آرزوے من چہ خوش است　　　　تو بدین آرزو مرا برسان،

مطبع معارف سے دارالمصنفین کی دو نئی کتابین سیر الانصار جلد دوم اور شعر الہند جلد اول چھپکر تیار ہوگئی ہین، سیرۃ عائشہ کا پہلا اڈیشن ختم ہوگیا تھا، دوسرا اڈیشن بھی مطبع سے آگیا ہے، مولانا کی بہترین تصنیف الفاروق جسکے بازاری نسخے اب تک مل رہے تھے، بڑے اہتمام سے اوسکی طباعت ہمارے مطبع مین جاری ہے، مولانا کی اردو نظمون کا مکمل مجموعہ جس مین سیاسی، تعلیمی، تاریخی، اخلاقی ہر قسم کی نظمین ہین چھپکر تیار ہے،

مقالات

شغل تکفیر

از مولانا سید سلیمان ندوی،

مدت کے بعد علمائے **بریلی** نے جنکو فتنۂ ارتداد کی سازش کے بدولت مسلمانون کے سامنے سر اٹھانے کا موقع ملا، اپنے قدیم زنگ آلود ہتھیار یعنی مسلمانون کی تکفیر کے استعمال کی فرصت ہاتھ آئی، ہم کیا کہین کہ ہم توان کے نزدیک موروثی طور سے کابرًا عن کابرٍ کافر چلے آتے ہین، سب سے زیادہ جنکے سینے اون کے تیر ستم سے چھلنی ہین وہ علمائے **ندوہ** ہین، اس باب مین علمائے **دیوبند** بھی ہمسے پیچھے ہین، ہمنے سنا ہے کہ شاید ۶۹ رسالے علمائے ندوہ کی تکفیر اور تفسیق مین انکی طرف سے لکھے گئے ہین، جنکے نامون کا "حادثۂ جانکاہ برمولوی لطف اللہ" و "تکفیر علما الحرمین"، "اہل الندوہ ذو دالمین والشین (علمار حرمین کا جھوٹے ذلیل ندوہ والون کو کافر بتانا)" وغیرہ سے اندازہ کیجئے، اور یہ سب کس جرم مین، اس جرم مین کہ **ندوہ** نے یہ دعوت دی تھی کہ اسلامی فرقون مین کسی اہل قبلہ کو کافر نہین کہنا چاہئے، اور تمام علمائے اسلام کو باہم رواداری سے کام لینا چاہئے اور اعدائے اسلام کے مقابلہ مین ان سب کو باوجود اختلاف عقائد باہم متحد و متفق ہوجانا چاہئے، یہ آواز تھی جس پر بریلی کے دار الافتار سے ہزارون تکفیر کے فتوے صادر ہوئے علمائے ندوہ نے انکی ان تمام مزخرفات کا جواب ہمیشہ متانت آمیز خاموشی سے دیا، اور کبھی اپنی تکفیر کرنے والون کو کافر کہکر اپنے وقار علمی کو صدمہ نہین پہنچایا، البتہ اپنے مسلک کے ثبوت مین قرآن پاک، احادیث صحیحہ، اور آثار و تاریخ سلف سے دلائل کا انبار لگا دیا، یہ رسالے اب بھی موجود ہین اور دفتر ندوہ سے مل سکتے ہین،

علمائے بریلی کے مخالفین اب تک ہمیشہ خاموش، اور سنجیدہ جانشین دین مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے مسائل کو چھوڑ کر جنہوں نے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا پر عمل کیا، علمائے دیوبند بھی ہمیشہ اسی اصول پر قائم ہیں علمائے بریلی کی قوتِ تکفیر کی روز افزون ترقی کا یہ عالم رہا ہے کہ اس بزرگ کو بھی جنکے تصدق سے انکو علم کی وراثت ملی ایک ادنیٰ فقہی مسئلہ پر ہر قسم کے کفریات کا مورد قرار دیا، اس زخم کی گہرائی کو کوئی ہمارے دوست مولنا عبدالماجد قادری بدایونی سے پوچھے۔

اب حال میں اس مشرب خاص کے بادہ خوارون نے پنجاب کے چند دیوانون کو چھیڑا، نتیجہ کلوغ انداز را پاداش سنگ است، اب ان کو نظر آیا کہ کسی مسلمان کو کافر بنانا اوتنا آسان نہین جتنا وہ سمجھتے ہین، قسم بخدا کہ ان کے اس رویہ سے نہ صرف علم اور علمار کی بے وقعتی ہوتی ہے بلکہ خود اسلام کو نعوذ باللہ ذلت اٹھانی پڑتی ہے، پھر اس تعمیم کے ساتھ فتویٰ کہ "جو ان کے کافر بنائے ہوؤن کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے" سلف صالحین کے آثار و فتاوی کے بیشمار اوراق موجود ہین، کیا اس تعمیمی فتوے کی ایک مثال بھی پیش کیجاسکتی ہے؟ اور سب سے تعجب کی یہ بات ہے کہ یہ فتوے اس مجلس مین صادر ہو جسکو ان احناف کے ساتھ نسبت اور اضافت حاصل ہو، جنکے امامون کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ:

ولا نکفر احدا من اھل القبلۃ — ہم کسی اہل قبلہ کو کافر نہین کہتے،

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا،

اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو اسلام اور قرآن کے منصوص عقائد و احکام کے انکار کی بنا پر کافر کہے تو وہ حق بجانب ہو سکتا ہے، مگر یہ حضرات اون مسائل مین مسلمانون کی تکفیر کرتے ہین جو خود اُن کے ساختہ پرداختہ، یا جو خود اون کے اجتہاد و فکر کے نتائج ہین، حالانکہ پہلے اصول کی طرح اہل سنت اور خصوصاً احناف کا دوسرا متفقہ اصول یہ ہے کہ وہ اہل تاویل کو کافر نہین کہتے، تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر کسی کے قول سے کوئی کفریہ کلمہ مستلزم ہوتا ہو، اور وہ اس سے انکاری ہو، یا اس کے اس مطلب کی جس سے

یہ کفر مستلزم آتا ہو وہ تردید کرے، اور اپنے کو اس سے بری ثابت کرے تو اوسکو زبردستی کافر بنانا صحیح نہین بلکہ یہ انکار و تردید اگر اس سے کفر ثابت بھی ہوتا ہو تو قائل کی توبہ و ندامت کی قائم مقام ہو جائے گی، یہ ہین وہ اصول جو ہماری کتب کلامیہ مین پوری تصریح سے ہر جگہ موجود ہین،

یہ اصول قرآن پاک، احادیث نبوی اور آثار سلف سے ماخوذ ہین، قرآن مجید تعلیم دیتا ہے،

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا، جو تم پر سلام (یعنی اسلامی شعار) کا اظہار کرے اوسکو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہین،

ہمارا یہ حال ہے کہ ہم کہتے ہین کہ ہم مومن ہین، لیکن ہمسے یہ کہا جاتا ہے کہ تم مومن نہین، اسلئے نہین کہ تم ایک خدا کو دو کہتے ہو، اسلئے نہین کہ تم غیر خدا کے آگے جھکتے ہو، اسلئے نہین کہ تم رسول کے منکر ہو یا بشر مین ربانی اوصاف ثابت کرتے ہو، بلکہ اسلئے کہ تم ہماری فہم کے مطابق بعض مسائل کو نہین سمجھتے، اور ہماری عینک سے تم ہر چیز کو نہین دیکھتے ہو، کیا ہمارے ان مقدس علماء کو حضور صلعم کا وہ فقرہ یاد ہے جب ایک بدوی نے یہ کہا تھا کہ خدایا میرے اور محمد (صلعم) کے سوا کسی اور کو نہ بخش، تو آپ نے فرمایا "ای شخص تو نے وسیع رحمت کو تنگ کردیا" دوسری روایت مین ہے کہ آپنے فرمایا کہ "یہ زیادہ بیوقوف یا گمراہ ہے، یا اس کا اونٹ"۔

صحیحین کی مشہور خبر ہے کہ ایک غزوہ مین آپ کے محبوب صحابی حضرت اسامہؓ ایک کافر پہ تلوار اٹھاتے ہین، کافر فوراً توحید بلند کرتا ہے، صحابی ممدوح اوسکو اوسکا بہانۂ حفاظتِ جان سمجھکر اوسپر تلوار کا وار کردیتے ہین، اور وہ جان دیدیتا ہے یہ واقعہ حضور انور صلعم کے گوش مبارک تک پہنچتا ہے، جوش کا عالم پیدا ہو جاتا ہے حضرت اسامہؓ کو زجر فرماتے ہین وہ عرض کرتے ہین کہ یا رسول اللہ اوس نے اپنی جان بچانے کے لئے صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھ دیا آپ فرماتے جاتے تھے لا الٰہ الا اللہ کے بعد؟ مسلم مین ہے کہ آپ فرماتے تھے کیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ کو کیا کروگے، ایک روایت مین

ہے کہ فرمایا،

هلا شققت عن قلبه — تم نے اس کا دل چیر کر کیون نہین دیکھ لیا،

حضرت اسامہؓ کہتے ہین کہ اس وقت شرم اور ندامت سے میرا یہ حال تھا کہ مین دل مین کہتا تھا کہ کاش مین آج ہی مسلمان ہوا ہوتا، کہ مجھسے ایسی حرکت نہ ہوئی ہوتی،

صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت خالدؓ کو ایک جماعت کا سردار بناکر بنو جذیمہ کے مقابلہ مین بھیجا، اونکو اظہار اسلام کے اصطلاحی الفاظ معلوم نہ تھے، اُنھون نے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کی جگہ کہا صبئونا صبئونا (یعنے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑا یا پرانا مذہب چھوڑا) کہا، حضرت خالدؓ نے جو ایک فوجی آدمی تھے اون کے قتل کا حکم دیدیا، بعضون نے اسکی تعمیل کی، اور بعضون نے اسکی تعمیل سے انکار کیا، کہ یہ حکم اصول اسلام کے خلاف ہے، اور آکر یہ واقعہ دربار رسالت مین عرض کیا، حضور نے یہ سنتے ہی دونون ہاتھ اٹھائے اور متعدد دفعہ فرمایا" خداوندا مین خالد کے اس فعل سے تیرے آگے برأت ظاہر کرتا ہون، خداوندا مین خالد کے اس فعل سے تیرے آگے برأت ظاہر کرتا ہون،"

حضرت مقدادؓ کندی پوچھتے ہین کہ یا رسول اللہ صلعم اگر لڑائی مین کسی کافر سے مقابلہ آپڑے اور وہ اپنی تلوار سے میرا ایک ہاتھ اوڑا دے، اور جب وہ میری زد مین آئے تو کہہ اٹھے کہ "مین اسلام لایا" تو کیا اسکے بعد اس کو قتل کرسکتا ہون؟ فرمایا، نہین اب تم قتل نہین کرسکتے، عرض کی یا رسول اللہ اوس نے میرا ایک ہاتھ اوڑا دیا، اور اس کے بعد یہ کلمہ پڑھا، فرمایا نہین، اب تم قتل نہین کرسکتے، کہ تمھارے قتل کرنے سے پہلے وہ تمھارے درجہ کے برابر ہوگیا، اب اگر تم اسکو قتل کروگے تو تم اس درجہ مین ہوگے، جس مین وہ اس کلمہ کہنے سے پہلے تھا،

اللہ اکبر! قتل مسلم خود کفر ہے،

کون نہین جانتا کہ مدینہ مین منافقین کی ایک جماعت تھی جو دل سے مسلمان نہ تھی مگر زبان سے

اپنے کو مسلمان کہتے تھے، آنحضرت صلعم ان مین سے ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے، مسلمانون کو ان سے تکلیفین پہنچتی تھین لڑائیون مین ان سے اونکو خطرہ تھا، جان نثار برابر ان کے قتل کی اجازت چاہتے تھے اور حضور انکار فرماتے تھے، صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے کسی سے پوچھا کہ مالک بن دخشن کہان ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ وہ منافق ہے، خدا اور اس کے رسول سے محبت نہین رکھتا، آنحضرت صلعم نے منع فرمایا کہ ایسا نہ کہو تم نہین کہتے کہ وہ خلوص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، صحابی مذکور نے کہا، کیون نہین، فرمایا کوئی بندہ اسکو لیکر قیامت مین نہین آئے گا، لیکن خدا اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا،

یہ ان لوگون کی نسبت ارشاد ہے جنکے عمل ان کے قول کی مطابقت نہین کرتے،

فتح مکہ کی تیاری کے زمانہ مین جب ایک بدری صحابی نے کفار قریش کو آنحضرت صلعم کے اس ارادہ کی خبر دیدی، اور آپ کو ان کا یہ فعل معلوم ہوگیا، اور ان کا خط پکڑا گیا، تو حضرت عمرؓ ان پر حکم لگا دیتے ہین کہ یہ منافق ہین، آنحضرت صلعم فرماتے ہین کہ اے عمرؓ! ایسا نہ کہو تمھین کیا معلوم کہ خدا نے اُن کے اس فعل کو جان کر اہل بدر کی نسبت یہ کہا ہو کہ مین نے تم کو بخشدیا،

حضرت معاذؓ نماز مین امام ہوتے، اور بڑی بڑی سورتین پڑھتے، ایک دن اُنھون نے سورۂ بقر پڑھنی شروع کی، ایک مقتدی نے مختصر سورہ پڑھکر اپنی نماز ختم کر لی اور چلے گئے، حضرت معاذؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انھون نے کہا کہ وہ منافق ہے، اون بیچارے نمازی کو یہ معلوم ہوا تو دربار نبوت مین فریاد خواہ ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم مزدور ہین، اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہین، اور خود اپنے اونٹون کو پانی پلاتے ہین، معاذ نے کل نماز پڑھائی تو سورۂ بقر پڑھنے لگے تو مین نے مختصر نماز پڑھ لی، اس پر معاذ کہتے ہین کہ مین منافق ہون، حضرتؐ نے معاذ کی طرف خطاب کیا، کہ اے معاذ! کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو، کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو، کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو،

والشمس، اور سبح اسم ربک پڑھا کرو،

ایک شخص کو جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے کافر کہدینا اتنا آسان نہین، جتنا ہم نے سمجھ رکھا ہے، حدیث صحیح مین حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا

ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما (بخاری) — جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو یہ کلمہ کفر دو مین سے ایک پر رجوع ہوگا،

یعنی اگر وہ حقیقت مین کافر نہ تھا، تو مسلمان کو کافر کہنا خود اسکے کفر کو مستلزم ہے،

حضرت ثابت بن ضحاک صحابی روایت کرتے ہین کہ آپ نے فرمایا،

ولعن المومن کقتلہ ومن رمی مومنا بکفر فھو کقتلہ (بخاری) — ایک مسلمان کو لعنت کرنا اس کے قتل کے برابر ہے، اور جس نے ایک مسلمان پر کفر کی تہمت رکھی تو وہ اسکے قتل کے برابر ہے

اسلام مین خوارج کا فرقہ صحابہ اور سلف صالحین کے عہد مین پیدا ہو چکا تھا، ان سے لڑائیان ہوئین اور خونریزیان ہوئین، مگر انھون نے ان کو کافر نہین کہا، نہ اونکی بیویون کو مطلقہ سمجھا، نہ انکے مال و اسباب کو لوٹنا جائز قرار دیا، حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کیا یہ کافر ہین، فرمایا یہ تو کفر ہی سے (اپنے خیال کے مطابق) بھاگے ہین، بلکہ متاخرین کے اقوال سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، صاحب کتاب الروضہ نے جیسا کہ فتح الباری مین ہے اہل سنت مین سے اکثر اہل اصول کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اونکو شہادتین کے تلفظ اور ارکان اسلام کی بجاآوری کے باعث کافر نہین کہا جائے گا، امام الحرمین سے کسی نے فتویٰ پوچھا تو انھون نے جواب دیا "کسی کافر کو مسلمانون مین داخل کرنا اور کسی مسلمان کا اسلام سے خارج کرنا بڑی بات ہے" امام ابوبکر باقلانی نے اونکو کافر کہنے مین تامل کیا، اور فرمایا کہ قوم نے انکی تکفیر کی تصریح نہین کی ہے، امام خطابی کہتے ہین: "تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خوارج اپنی گمراہی کے باوجود مسلمانون ہی کے فرقون مین سے ایک فرقہ ہین، اور ان سے رشتہ مناکحت، اور اونکا ذبیحہ کھانا جائز ہے، اور وہ جب تک اصول اسلام کو

مانتے ہین انکی تکفیر نہین کیجائیگی، امام غزالی التفرقہ بین الاسلام والزندقہ مین لکھتے ہین :-

ینبغی الاحتراز عن التکفیر ما وجد الیہ سبیلا فان استباحۃ دماء المصلین المقرین بالتوحید خطاء والخطأ فی ترک الف کافر فی الحیاۃ اھون من الخطاء فی سفک دم مسلم واحد،

جب تک ممکن ہو اور راہ پیدا ہو سکے تکفیر سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ نمازی اور توحید کے اقرار کرنے والون کے خون کو مباح سمجھنا غلطی ہے، اور ایک ہزار کافرون کو زندہ چھوڑ دینے مین غلطی کرجانا ایک مسلمان کے خون کو بہانے مین غلطی کرنے سے بدرجہا آسان ہے

ضرب الاحناف کی مجلس کے لیے ائمہ احناف کے متفقہ فتوے یقیناً زیادہ مؤثر ہونگے

ائمہ احناف متفقاً کہتے ہین،

واعلم انہ لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن، او کان فی کفرہ خلاف ولو کان ذلک روایۃ ضعیفۃ ... اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر و واحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ (شامی باب المرتد)

〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

جاننا چاہئے کہ کسی ایسے مسلمان کے کفر کا فتوی نہ دیا جائے جسکے کلام کے کوئی بہتر معنی بھی ممکن ہون، اور جسکے کفر کے بارہ مین اہل افتا مین اختلاف رائے ہو اگرچہ وہ فتوی ضعیف ہی روایت سے کیون نہ ہو ... جب کسی مسئلہ کے متعدد ایسے وجوہ نکل سکتے ہین جن سے کفر واجب ہوتا ہے اور صرف ایک وجہ ایسی ہو جو کفر کو مانع ہو تو مفتی پر اسی مانع کفر وجہ کی طرف مائل ہونا واجب ہے،

اس عام فتوی سے یہ ظاہر ہوا کہ کسی مسلمان کے کلام سے اگر بعض ایسے معنی نکلے ہون جو کفر کو مستلزم ہون، لیکن اوسکے ایسے معنی بھی نکل سکتے ہون جنسے کفر لازم نہین آتا، تو اس کے کلام کو اسی مانع کفر معنی پر محمول کرنا چاہئے، خصوصاً جب یہ معلوم ہو کہ اس مشکوک کلام کے بعد بھی وہ نماز پڑھتا ہے، محمد رسول اللہ

صلعم کے ساتھ عقیدت رکھتا ہے اسلام کی خدمتین انجام دیتا ہے، تو اس قسم کے فتوؤن کی رکاکت اور بھی واضح
اور ظاہر ہو جاتی ہے، یہ جزئیہ بھی کتب فتاوی مین مذکور ہے،

حضرت امام محمد جو فقہ حنفی کی عمارت کی اصل بنیاد ہین، اپنی کتاب آثار محمد مین روایت کرتے ہین، کہ حضرت
ابن عمرؓ سے اگر کسی نے فتوی پوچھا کہ یا ابا عبدالرحمان یہ لوگ جو ہماری بند چیزون کو چرا لیجاتے ہین، اور ہمارے
دروازون کو کھول ڈالتے ہین، کیا وہ کافر ہین؟ فرمایا نہین، پھر دریافت کیا کہ کیا یہ لوگ جو قرآن کے نئے معنی
(تاویل) کرتے ہین، اور ہم کو کافر کہتے ہین اور ہمارا خون حلال سمجھتے ہین (یعنی خوارج) کیا یہ کافر ہین، فرمایا
نہین، اس نے تعجب سے پوچھا تو پھر کیونکر؟ ارشاد ہوا کہ نہین جب تک وہ خدائے واحد کے ساتھ کسی کو شریک
نہ نائین،

یہ تھا ائمہ احناف کا رویہ! اور یہ ہے حزب الاحناف کا فتوی!

اسلامی فلسفہ

قرونِ وسطیٰ کے اندلس مین،

از

پروفیسر پی، جی، برج، پرنسپل سینٹ پال کالج، کلکتہ،

ترجمہ

قاضی احمد میان اختر جوناگڑھی

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یورپ کے کسی حصۂ ملک نے ایک پرزور نشأۃ الثانیہ کیلئے اس قدر سرمایہ درثہ مین نہین پایا، اور اس وسیع براعظم کی اقوام مین سے کوئی قوم شاندار احیار علوم و معارف کے لئے اس شان و شوکت سے نہین اٹھی، جیسے کہ چودھوین صدی کے آخر مین جزیرہ نمائے آئبیریا (اندلس) اور اس کے باشندے اندلس کے یہود اور مسلمان علما رفلسفہ نے شمع علم و حکمت کو روشن رکھنے مین اس وقت نمایان حصہ لیا جبکہ براعظم یورپ کے آسمان پر بربریت اور وحشت کی گھٹائین چھائی ہوئی تھین، ازمنۂ وسطیٰ کی تاریخ کے ایک ماہر شخص کا بیان ہے کہ سامی نسلون کے شاندار فلسفیانہ ارتقا سے عیسائی فلسفہ کا افلاس شدید بالکل متناقض تھا، ریمونڈلل کے سوا جو مسلمان اور یہودی مصنفین، خصوصاً اول الذکر، کی خوشہ چینی کا رہین منت ہے، عیسائیت نے شاذ ہی کوئی نمایان قابلیت کا فلسفی پیدا کیا ہے، تاریخ اسلام کا وہ متعصب اور متوہم نقاد سیل (SELL) اس جزیرہ نما کے عربی عہد حکومت کے ابتدائی (PRIMARY) تعلیم کے بہترین نظام کی شہادت مندرجۂ ذیل الفاظ مین دیتا ہے:-

"وہاں ابتدائی تعلیم کا نظام اس قدر مکمل تھا کہ تقریباً اندلس کا ہر شخص لکھنے پڑھنے پر قادر تھا، ایک

ایسے معمولی کاشتکار کا ملنا بھی مشکل تھا جو پڑھ لکھ نہ سکتا ہو، حالانکہ دیگر مغربی ممالک میں ایسے ایک شخص کا

ملنا بھی دشوار تھا"

اور اعلیٰ تعلیم کے لیے، تو ہمیں معلوم ہے کہ، قرطبہ تمام مہذب دنیا میں بجا طور پر مشہور تھا، تحصیل علم کے ساتھ

شوق اور دلچسپی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اسی شہر قرطبہ کی علمی درسگاہ میں پانچ ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے،

کبھی گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ قرون وسطیٰ کے یورپ میں ایسی زبردست علمی تحریک کا وجود رہا ہوگا، لیکن ہمیں تسلیم

کرنا چاہئے کہ ہمارا نصف دانستہ، نصف نادانستہ تعصب، اس سامی تہذیب کے خلاف، ہماری بے اعتباری کا

ذمہ دار ہے، **ازمنۂ مظلمہ** کا غیر موزون نام، جو باصرار تمام قرون وسطیٰ پر چسپان کیا جاتا ہے، بہت کچھ ہمارے

اس طرز عمل کا ذمہ دار ہے، عربی تاریخ کا محقق ماہر **ربیرا** ہمارے سامنے اقبال کرتا ہے کہ اس کو اس بات کے

تسلیم کرنے میں کس قدر تامل تھا کہ پادری **زمینز** نے جیسا کہ اسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے، واقعی فتح غرناطہ کے

بعد ہزارون عربی کتابون کو نذر آتش کر دیا تھا، **ربیرا** کہتا ہے کہ وہ اس واقعہ کو ایک مبالغہ خیال کرتا تھا

جس کا باعث بعض مورخین اندلس کا، کلیسائے روم کے بلند رتبہ عہدہ دار (پوپ) کو بدنام کرنے اور الزامات

لگانے کا میلان طبعی ہے، اس تاریخی غلطی کو رفع کرنے کے خیال سے اس نے اندلس کے عربی تمدن کے مطالعہ

اور تحقیقات کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے، اور اپنی پرمشقت تحقیقات کے نتیجہ کے طور پر وہ تیقن کے ساتھ

لکھتا ہے:-

"یہ ایک قطعی اور حقیقت نفس الامری ہے کہ اندلس کے اسلامی عہد حکومت میں دو لاکھ قلمی

کتابیں موجود تھیں"

صرف **ربیرا** ہی وہ عربی کا عالم نہیں ہے جو اس اسلامی تہذیب کی شہادت دیتا ہے، بلکہ مشہور اندلسی

فاضل **آسین ای پلیسوس** اور **کودیرا** بھی اسلامی اندلس کے افاضل فلاسفہ کو ایک بیش بہا

خراج تحسین پیش کرنے مین برابر کے شریک ہین، نہ صرف موجودہ علماء اندلس اسلامی تہذیب کی نسبت اپنے مسلمہ تحسین کے علانیہ اظہار مین تنہا ہین، بلکہ نامور مورخ دوزی اور اسکاٹ بھی اپنی غیر متزلزل مدح سرائی مین برابر رطب اللسان ہین، اسکاٹ اپنی زبردست اور مکمل تاریخ "اندلس کا اسلامی عہد سلطنت" مین لکھتا ہے

"کوئی بادشاہ، جسکا ذکر تاریخ نے کیا ہو، ایسا نہین گذرا جو الحکم ثانی کے مبلغ علم، یا اس کے مذاق علمی کے تعدد و تنوع کی برابری کرسکا ہو، دنیا کے ہر ملک مین، تمدن کے مرکز مین، مشرق کے عظیم الشان دارالخلافتون مین اور تجارت کی زبردست منڈیون، بغداد، قاہرہ، دمشق مین، اس کے ایجنٹ اسکے کتبخانون کے واسطے کتابین فراہم کرنے کے لئے متعین تھے، مشہور مصنفین کی مسافت اور مسابقت ممالک دور دراز سے انکی تصانیف کو قرطبہ پہنچانے کا باعث ہوا کرتی تھی"

ایسی فیاضانہ سرگرم کوششون کا کامیاب نتیجہ ایک عجیب وغریب ذخیرۂ کتب کی صورت مین نمودار ہوا، جو یورپ مین، بقول اسکاٹ، بلاشبہہ ایک عظیم ترین حفاظت گاہ علم تھا، بقول بعض مصنفین اس کتب خانہ مین کتابون کی تعداد چالیس ہزار، اور بقول بعض ساٹھ ہزار تھی، بالفاظ دیگر افریقہ، ایشیا، اور یورپ کی تمام حاصل شدہ حکمت قرطبہ مین جمع ہوگئی تھی، اسکاٹ لکھتا ہے،

"اس ذہنی و دماغی ظلمت، قابل تنفر بداخلاقی اور غلاظت، اور بدترین عصبیت کے برعکس جو یورپ کی معاصرانہ ہیئت اجتماعیہ کو ممتاز کرتی ہے، الحکم ثانی اندلس کے عربی تمدن؛ شعر و صنعت اور علوم و فنون کا قابلترین نمایندہ تھا"

گذشتہ پچاس سال سے اسپین کی ان کثیر التعداد گرد آلود قلمی کتابون کو بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور کارآمد بنانے کی قابل قدر کوششین عمل مین لائی جارہی ہین، جو عمل انکوئزیشن کی بربادی مین زمینز اور اس کے رفقاء کے تباہ کن ہاتھون سے بچ کر رہگئی ہین، اہل اسپین کا یہ طرز عمل انکی گذشتہ بے اعتنائی کی تلافی ہے اور فی الواقع یہ تحریک "حکمۃ اندلسیہ" کی "نشاۃ ثانیہ" کہلائے جانے کی مستحق ہے، وہ خوف دہراس

جو ہر قدامت پسند اندلسی پر طاری ہوتا تھا، اور جو غیر عیسائی نسلوں کے غیر مقدس اور خطرناک لٹریچر سے باز رکھتا تھا، آج تقریباً ناپید ہے، اور آج یہ انتعاش علوم کے علمبردار نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ ان کا خزانہ (اسلامی) علوم کے مطالعہ مین مصروف ہو گئے ہین، احیار علوم کی اس تحریک کا بانی مبانی اور محرک اول مننڈیزی پلا یو تھا، جسکی علمیت بہت وسیع تھی، سترہ برس کی عمر مین اس نے علوم الاندلس (Ciencia Espanola) نام کی ایک کتاب لکھکر شائع کی جو حکمۃ اندلسی کے پوشیدہ خزانون کی طرف اہل علم کی توجہ کو منعطف کرنے مین نہایت پر اثر ثابت ہوئی، اسکی مقناطیسی شخصیت نے اپنے گرد ملک کے ذہین اور محنتی نوجوانون کو جمع کر لیا، اور علوم اندلس کی خوبیان ان پر آشکارا کرنے، اور فضلائے اندلس کے اکتشافات کو بروئے کار لانے کے لئے اس نے ان کے سینون مین حب الوطنی کا جوش پیدا کر دیا، اسکی زندگی کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ عربی زبان اور عربی تاریخ کے مطالعہ کو زندہ کیا جائے، اور اسکی انتھک کوششون کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم آج اس جزیرہ نما مین تحقیقات علمی کے لئے ایک حیرت انگیز اعتنار مشاہدہ کر رہے ہین، اندلس کا اپنے قرون متوسطہ کے فلاسفہ کی اہم تصانیف کو روشنی مین لانا در اصل اپنی دولت گم گشتہ کا تلاش کرنا ہے، اس تحریک کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ روایت کی قید سے بالکل آزاد ہے، اس بات پر کوئی شخص اظہار تاسف کئے بغیر نہین رہ سکتا کہ اسپین نے عربی علوم کے تنزل کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ کثیر التعداد مصنفین کی تصانیف کو تلف ہونے دیا، قرون وسطی کی اندلسی تہذیب کا تجزیہ کرنے کے قریب آتے ہوے ناقدین اس بات پر متفق معلوم ہوتے ہین کہ یہ تہذیب مادۂ اختراعی کے اثر سے محروم تھی، اور اس زمانہ مین مجتہد فلاسفہ کا وجود نہ تھا، اسپین بھی تمام براعظم یورپ کی طرح اپنی تخئیل کی نشو ونما کے لئے مشرق کا دست نگر تھا اور جرأت آمیز حریت خیال کی محراب تک طلوع نہین ہوئی تھی، فلسفہ کے شاندار نظام تعمیری کا دور نہین آیا تھا، عربی نسلون نے بھی بہ نسبت قوۃ اختراعی کے قوۃ اخذ میں نمایان شہرت و امتیاز حاصل کیا، با این ہمہ مشرقی فلسفہ مغرب مین، جیسا کہ ہم دیکھ چکے، کچھ کم مقدار مین نہین لایا گیا، اگرچہ لازمی طور پر یہ

قیاس کرنا بیجا نہین ہے کہ عربون کے اس عمل اتخاذ کو ایک مدت مدید درکار ہوتی، خصوصاً ایسی حالت مین جب کہ اس جزیرہ نما کا سیاسی اضطراب کسی طرح فلسفیانہ موشگافیون کے لئے موافق نتھا، فی الحقیقت اندلس نے اہل عرب سے ورثہ مین کیا پایا؟ اور اس نے تمام یورپ مین کیا منتقل کیا؟ ان دو سوالون کا جواب طلیطلہ کے دارالترجمہ کے کارنامے دے سکتے ہین،

۱۰۸۵ء مین عیسائیون کے ہاتھ سے فتح ہونے کے بعد طلیطلہ بتدریج علم کا مسکن، اور فلاسفۂ مشرق و مغرب کا مرکز اجتماع بنگیا، شہر قرطبہ، اپنے بعض مرابطین اور ان کے جانشین موحدین فرمانرواؤن کے ہاتھون فلاسفہ پر جبر و تشدد ہونے کی وجہ سے، اپنے علمی مرکز ہونے کا استحقاق کھو چکا تھا، اسلئے کثیر التعداد اہل یہود طلیطلہ مین آکر پناہ گزین ہوگئے، اور بعض جلیل القدر عرب مصنفین نے بھی انکی تقلید کی، ان فداکاران حریت کے لئے طلیطلہ نے اپنی آغوش شوق کھولدی، اور تہ دل سے ان کا خیر مقدم کیا،

ان حالات نے طلیطلہ کے اس زمانہ کے اسقف اعظم کے لئے، اپنے گرد منتخب فضلائے روزگار کا اجتماع، اور حکمت مشرقیہ کا قابل فہم زبان مین ترجمہ کرانے کے مہتم بالشان کام کو ممکن بنا دیا، ان سب مین شقوبیہ (Segovia) کا رئیس الاساقفہ **ڈومنیک گونڈیسالوس** (یا گونڈیسالوین جیسا کہ بعض مصنفین اس نام کو ترجیح دیتے ہین) اور **جان آونڈریتھ**، جو یہودی سے عیسائی ہوگیا تھا، سربرآوردہ تھے، ترجمہ کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ غالباً نامکمل تھا، گونڈیسالوس کی واقفیت عربی سے بہت محدود تھی، اسلئے وہ صرف آونڈریتھ کے بتائے ہوئے معانی کو مترادف لاطینی الفاظ کا جامہ پہنا دیتا تھا، جملہ کی ترکیب لازمی طور پر، بہ نسبت لاطینی ہونے کے زیادہ تر عربی ہوتی تھی، جو بسا اوقات اس کے مطلب کو خبط کر دیتی تھی، ترجمہ کی یہ میکانیکی صورت، جیسا کہ **رینان** اپنی کتاب ابن رشد و فلسفۂ ابن رشد مین بجا طور پر لکھتا ہے، اس مین شک نہین کہ بیحد ناقص ہوتی تھی تاہم وہ اس زمانہ مین بسا غنیمت سمجھی جاتی تھی، یہ تراجم کیسے ہی نامکمل کیون نہون لیکن فلسفیانہ تخیل کو ابھارنے اور اصل تصانیف کی طرف عنان

کرنے مین نہایت قیمتی ثابت ہوئے، ارسطو کی تقریباً تمام تصانیف کا ان مترجمین نے ترجمہ کر ڈالا، اسکے علاوہ متعدد فلسفیانہ دقائق سے لبریز کتابون کی تصنیف کا اعزاز گوندیسالوس کو حاصل ہے، ان تراجم نے غیر ممالک کے ماہرین فن کی توجہ کو منعطف کیا، جنھون نے فوراً طلیطلہ پہنچکر عربی کی تحصیل کی اور تراجم کے اس اہم کام مین شریک ہوگئے، ان فضلاء یورپ کے کئی نام ہم تک پہنچے ہین جنھون نے اس کام مین نمایان حصہ لیا مثلاً جیرڈ کریمونی، میکال اسکاٹ، اور ہرمن جرمنی، ہارلو اپنی مشہور تصنیف "فلسفۂ مدرسیہ" مین ریمونڈلل طلیطلی کی تعریف مین رطب اللسان ہے، اور لکھتا ہے کہ اس نے یورپی تہذیب کی جو خدمات جلیلہ انجام دی ہین وہ اس قابل ہین کہ تانبے کے پترون پر منقوش کرائی جائین تاکہ آیندہ نسلین اسکو ہمیشہ یاد رکھین،"

رینان، مغربی فلسفیانہ تحقیقات پر ان تراجم کے اثر کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ مین کرتا ہے:

"مغربی فلسفہ مین عربی متون کی شمولیت نے قرون وسطیٰ کی فلسفیانہ اور سائنٹفک تاریخ کو دو نمایان حصون مین منقسم کر دیا، اول الذکر کے پاس اپنے استعجاب کو مطمئن کرنے کے لئے رومن اسکول کی تعلیمات کے غیر مسلسل اور منتشر آثار کے سوا کچھ نہین، جیسے مرسیون، کپیلا، بیڈا ایسے لوگون کی تصانیف معدود ہین، آخر الذکر کے ہان، مغرب مین علوم قدیمہ بہت منتظم طریقہ پر اہل عرب کی شروح کی صورت مین یا اصل یونانی تصانیف کے ذریعہ سے پہنچے جنکی صرف تلخیصات پر رومیون نے قناعت کی؛"

لہذا مشرقی فلسفہ کی ترویج و اشاعت کے لئے خواہ وہ کتنے ہی ناکمل طریقہ پر کیون نہ ہو، مہذب دنیا طلیطلہ کے اس دار الترجمہ کی گرانبار احسان ہے،

اس تہذیب جدید کی اشاعت کا اثر اس قدر دور رس ہونے کے باوجود کما حقہ، بنظر استحسان نہین دیکھا گیا، جس کا سبب غالباً عربی علوم کی تعلیم کا تنزل تھا جو اندلس سے مسلمانون کے اخراج، اور عیسائیون کے

جابرانہ تشدد کا رہین منت ہو، سالہاسال سے فلسفہ کی تاریخ مین بقول پروفیسر گاڈ نیر ہم فلسفۂ قدیمہ سے فلسفۂ جدیدہ کے مطالعہ کی طرف جاتے ہوئے درمیانی قرون پر ایک نگاہ غلط انداز کے ساتھ، بشرطیکہ اتنا بھی ہو سکے، گزرجانے کے عادی ہو چلے ہین، گویا اس درمیانی مدت مدید مین نفس انسانی پر تنوم کی حالت طاری ہو گئی تھی، اور فلسفیانہ تخیل کا سد باب ہو چکا تھا، لیکن زمانۂ حال کی تحقیقات نے بخوبی واضح کر دیا ہے کہ قرون وسطیٰ کا فلسفہ ہر مدرسیہ نظر غائر اور کافی توجہ کا محتاج ہے، اور یہ کہ اس اسکول کے مشاہیر مترجمین کی تحریرات کی توضیح و تشریح کے لئے اسلامی اور یہودی فلاسفہ کی تصنیفات کا تھوڑا اور معمولی مطالعہ ناکافی ہے **البرٹس اعظم، طامس اقویناس**، اور **ڈنس اسکاٹس** وسیع پیمانہ پر اندلسی فلاسفہ **ابن رشد، ابن جبرول**، اور **موسیٰ بن میمون** کے مرہون منت ہین، مؤخر الذکر (ڈنس اسکاٹس) کی تصانیف سہل الحصول اور سریع الفہم نہیں اسلئے اس بات کی تحقیق ناممکن ہو گئی کہ عیسائی مترجمین نے غیر عیسائی مصنفین سے کس قدر اخذ کیا ہے، بایں ہمہ زمانۂ حال مین یورپ مین، عربی اور یہودی فلسفہ کا مطالعہ علوم اسلامیہ کی اشاعت کے دو شاندار نتیجون کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے؛ سب سے پہلے فلسفیانہ اصلاحات کی تعداد مین معتد بہ اضافہ کا ہونا اور ان مین تغیر عظیم پیدا کرنا ہے، اس سلسلہ مین **سیور لونیلا** اپنی تاریخ فلسفۂ اندلس مین لکھتا ہے کہ فلسفیانہ مصطلحات کے اس تغیر کے سبب سے البرٹس میگنس کے سمجھنے مین بہ نسبت اسکاٹس اریگینا کے، بڑی دقت پیش آتی ہے، اگرچہ مؤخر الذکر کا زمانہ بہ نسبت اول الذکر کے ہم سے بعید ہے)

اس اثر کی کیفیت زمانۂ موجودہ کے واقعات کے مقابلہ سے بخوبی واضح کیجا سکتی ہے، **کانٹ** اور **ہیگل** کے فلسفون کی اشاعت نے زمانۂ حال کے فلسفیانہ مصطلحات مین ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا ہے، چنانچہ یورپ مین **سامی فلسفہ** کی اشاعت سے یہی اثر پیدا ہونے کی توقع ہو سکتی تھی، عربی جیسی وسیع اور متمول زبان کے الفاظ نے معانی کے مختلف مفاہیم سے فلسفیانہ لغت مین بیش بہا اضافہ کر دیا جبکا یہ اثر محض الفاظ اور طرز ادا کی اور ڈھنگ ہی محدود نہ تھا، بلکہ خیالات اور مدرکات تک بھی مستعار لئے

گئے تھے، اس سلسلہ مین آسین لکھتا ہے:-

"خیالات کی اس آمد و رفت کے تمام پہلوؤن کی تحسین کرنے کے لئے بارھوین صدی پیشتر کے مغربی عیسائی مترجمین کے فلسفیانہ، فقہی اور متصوفانہ خیالات کی ایک جامع اور مکمل فہرست بنانا، اور ان کا مقابلہ تیرھوین صدی عیسوی کے مترجمین کے انہی خیالات کے ساتھ کرنا نہایت ضروری ہوگا،

جیسا کہ آسین کا پختہ یقین ہے، یہ مقابلہ اس حقیقت کو بے نقاب کردے گا کہ سب سے پہلی بار ان خیالات کی بہت بڑی مقدار تیرھوین صدی مین رونما ہوئی، اور تحقیق کرنے پر ان خیالات کا سراغ مسلمان یا یہودی فلاسفہ تک آسانی سے لگایا جا سکے گا، اسی آسین اور ریبرا نے ریمونڈ لل کی تصانیف کا بالاستیعاب اور باحتیاط مطالعہ کیا ہے، اور دونون اس اہم نتیجہ پر پہنچے ہین کہ عیسائی صوفی، جیسا کہ لل کو کہا جاتا ہے، اسلام کے نامور صوفی حضرت محی الدین ابن العربیؒ کا خوشہ چین ہے، اس قیمتی نتیجہ کی مثال مین وہ یہ حقیقت ظاہر کرتے ہین کہ ریمونڈ لل نے اپنی کتابون Lamentatio Philosophiae Audite Kabbalistica اور Phiae Contra Averroistas مین ایک دائرہ کی شکل لکھی ہے لیکن کسی جگہ اسکی علامتی اہمیت نہین بتلائی، اس وجہ سے لل کی تعلیمات بہت مبہم و ناقابل فہم ہو گئی ہین، آسین نے حال ہی مین یہ ثابت کردیا ہے کہ حضرت محی الدین ابن العربیؒ کی تصانیف مین یہی شکل مفصل تشریح کے ساتھ پائی جاتی ہے جو لل کے اصول سے بالکل مطابق ہے، یہ اہم نتیجہ ابن العربیؒ کی فتوحات مکیہ کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد نکالا گیا ہے، لل کو اپنے ماخذ کا حوالہ نہ دینے کی افسوسناک عادت تھی اس امر نے اسکی تصانیف کا دیگر تصانیف کے ساتھ مطابقت پیدا کرنا بہت دشوار بنا دیا ہے، غالباً اسکی شہرت اور ناموری کے خیال نے اپنے سے ماقبل یا ہمعصر ماخذ کا احسان تسلیم کرنے سے اسکو باز رکھا"

یہ کہا جاتا ہے کہ مغرب کو جو "عربی ورثہ" ہاتھ آیا وہ زیادہ تر ارسطو کی تصانیف سے ......

کرانے پر مشتمل تھا، لیکن اگر ہم عربی فلسفہ کے کارنامون کو اسی تک محدود کردین تو وہ کوئی زیادہ تعریف کے قابل نہین رہتا، اس لئے کہ یورپ مین ارسطو کی تصانیف بعد مین اہل یونانی مین لائی گئی تھین، اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ عربون نے یقیناً ارسطو کے فلسفہ پر اپنی شخصیت کا نقش بٹھا دیا، ہمین یہ بھی ہرگز نہ بھولنا چاہیے کہ ارسطالیسی مسائل کی تفہیم نے جو اہل عرب نے کی، قرون وسطیٰ کے فلسفہ اسکولاسٹکی کی بہت سی خصوصی تعلیمات کو ترقی دی اور وہ دو مدرسے (جنمین فلسفۂ اسکولاسٹکی اپنے تمام عزمن اور ناقابل اتصال رجحانات کے ساتھ فلسفۂ طامس اقوینا (Thomism) اور فلسفۂ ڈنس اسکاٹس (Scotism) نامی دو حصون مین منقسم تھا) غیر عیسائی مدرسیت (علم کلام) کے مروجہ میلانات سے پوری مطابقت رکھتے تھے، "تفوق ارادت بر عقل اور وحدۃ الوجود" وغیرہ مسائل مین ڈنس اسکاٹس کا پیرو مؤید اندلس کا یہودی ابن جبرول تھا جسکو مدرسین (Avicebron) کہتے ہین، اور مسئلۂ عقول عشرہ مین طامس کا فلسفہ فارابی، خصوصاً ابن سینا اور میمونیون کے فلسفہ سے اکثر امور مین ملتا جلتا ہے، چنانچہ حال ہی مین آسین موصوف نے دوسرے طریقہ سے طامس اقوینا کے فلسفہ پر عربی فلسفہ کے اثرات کا سراغ لگایا ہے، وہ بتاتا ہے کہ تیرہوین صدی کے اندلس کے ایک ڈرامنیکن راہب ریمونڈ مارٹی، نے جو عربی زبان کا ماہر تھا ایک کتاب "تہافۃ العقائد" ([illegible]) پیروان ابن رشد کے خلاف لکھی تھی، آسین ثابت کرتا ہے کہ اسکی بنیاد تمامتر امام غزالیؒ کی تہافۃ الفلاسفہ پر ہے، مارٹی نے اس مین یہ ثابت کرنے کے لئے کہ خدائے تعالیٰ کو تمام جزئیات مخلوقات کا علم ہے اور اسلیے اسکی قدرت ان سب پر حاوی ہے، مسئلہ حدوث عالم اور حشر اجساد کے ثبوت مین وہی دلائل بیان کیے ہین جو امام موصوف نے لکھے ہین، نیز یہ اہم حقیقت کہ طامس اقوینا نے بھی اپنی کتاب رد حشائلز Summa contra Gentiles مین (جو اپنے مقاصد کے لحاظ سے تہافۃ الفلاسفہ کی ہم آہنگ ہے) مارٹی کے دلائل استعمال کئے ہین، اسیطرح آسین نے ان مترجمین کا امام غزالیؒ

سے استفادہ کرنا بوجہ حسن ثابت کر دیا ہے،

آخر مین اس امر پر تعجب کئے بغیر نہین رہا جا سکتا کہ سب سے اہم واقعہ جس کا تعلق قرون وسطیٰ کے فلسفہ کے ساتھ تھا وہ فلسفہ اور مذہب کا اختلاط ہے جس نے مسلمان اور یہودی فلاسفرون کے دماغون کو عرصۂ دراز تک مشغول و مصروف رکھا، فلسفہ اور مذہب مین تطبیق دینے[1] کا اعزاز ابن رشد کو دیا جاتا ہے لیکن آسین اپنی کتاب ابن رشد و طامس اقوینو مین لکھتا ہے کہ ابن رشد سے ایسے نظریہ کا انتساب صحیح نہین ہے، پھر بھی یہ امر واقعی ہے کہ پیروان ابن رشد نے عقل و مذہب کے درمیان ایسی تفریق کی حمایت کی ہے،

یہ مسائل تھے جنکو اس اسکول کے فضلاء نے حل کرنا چاہا، کیا ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ انکی کوئی اولین اہمیت نہین ہے؟ کیا انھی مسائل نے مختلف پیرایون مین، فلاسفۂ حال کے دماغون پر اپنا تسلّط نہین جمایا؟ کیا (مثلاً) ڈاکٹر **یوزالقی**، تمام مذاہب اور ان کے الہامات کو گھٹا کر افلاطونی "تسکین فلسفہ" مین مقید کر دینا نہین چاہتے؟ یہ مسائل اُن چند مسائل مین سے ہین جو ہمیشہ عقل انسانی کو مبہوت و متحیر بناتے رہے ہین، اور یہی تھا جسکو ہم چودھوین صدی کے اختتام پر، جزیرہ نمائے آئبیریا کا "سرمایۂ حکمت" کہہ سکتے ہین اگر کسی ایسے شخص سے جو عام اہل اندلس کے برعکس مذہبی نفرت و تعصب سے خالی ہو، یہ سوال کیا جاتا کہ فلسفیانہ تحقیقات کو جاری رکھنے کے لئے کونسا طریقہ بہتر ہوتا؟ تو وہ بلا تامل یہ جواب دیتا کہ علوم فلسفیہ مین اندلسی کارگزارون کا وہی طریقہ ہونا چاہیئے تھا جو مارٹی اور لل نے اختیار کیا تھا، لیکن بدقسمتی سے خصوصاً اسپین اور عموماً سلطنت علم کے نقصان عظیم کی بدولت یہ نہ ہونا تھا نہ ہوا، اگرچہ عیسائی افواج کی فتحمندیون نے جو ان کو مسلمانون پر حاصل ہوئین، اندلس کے مسلمان اور یہود بلکہ متنصرہ تک کے

[1] یعنی کوئی بات جو برہان سے ثابت ہو گئی ہو اور مذہب مین اس کے خلاف ہو تو مذہب مین یقینی تاویل کی جاویگی۔ آخر۔

خلاف انکی دبی ہوئی آتش تعصب کو مشتعل کردیا، اور مذہبی بغض و عناد کے شعلہ کو بھڑکا یا، تاہم مدتی اور لل کے سے تحقون نے اندلسی مسلمان، اور یہود کی حالت سے ہمدردی کرنے، ان کے وسیع لٹریچر کا مطالعہ کرنے انکی زندگی و تخیل مین شریک ہونے کے لئے سرگرم کوششین کین، لل کی تصانیف کے ایک ماہر فاضل سیرا کا بیان ہے کہ اسکی متعدد تصانیف مین کئی مرتبہ اس پر عیب ہی غالب آجاتا ہے تاہم جہان کہین مسلمان مصنفین مستحق تعریف نظر آتے ہین وہان ان کو خراج تحسین پیش کرنے سے اس کو دریغ نہین ہوتا، اور جہان انکا کوئی قیمتی اضافہ معلوم ہوتا ہے تو اس سے استفادہ کرنے مین اس کو تامل نہین ہوتا، جبرًا تبدیلِ مذاہب کی پالیسی کا لل ہمیشہ سخت مخالف رہا، اور عمر بھر اصول مذہبی کے ہمدردانہ اور عاقلانہ بحث و مناظرہ کی اشد ضرورت پر زور دیتا رہا، لیکن مارتی، لل اور ان کے متبعین کی جماعت بہت مختصر تھی اور آخر کار حامیانِ جبر و تشدد کی جماعت غالب رہی، اگر اندلس کی نشأۃ جدیدہ کا وہ نامور ہیرو اور اپنے زمانہ کا سربرآوردہ مترجم یونانی والوزلل کا قائم مقام بنتا اور ابن رشد اور میمونیون کے فلسفہ کی تحصیل کرنے اس کو سمجھنے اور حتی المقدور محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا تو حالت کس قدر دگرگون ہوتی، اور تاریخ اندلس کی رو کیسی بدل جاتی، کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ اندلس کو، مسلمانون اور یہودیون کے زمانۂ اخراج سے (جو ایک قوم کے مذہبی اتحاد کو قائم اور اس کے امن و اطمینان کو برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر سمجھا گیا) پھر کبھی امن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی، اور آبائون کے اس پار اس کو وطن مالوف سے نکالے ہوئے لوگون کی اولادون کے مقابلہ مین وقتاً فوقتاً مصروف رہنا پڑا، لیکن والوز بلنسیہ مین پیدا ہوا تھا، جہان سامی نسلون کے خلاف مخالفت کا احساس کثرت سے پھیلا ہوا تھا، اور بلاشبہ وہ نسل سامی کی اس مخالفت کو شیر مادر کے ساتھ اپنے خون مین پیوست کر چکا تھا، اس لئے ظاہر ہے کہ لاطینی اور یونانی نمونون کے سوا اسکی آنکھین کسی چیز کو خوبصورت نہین دیکھ سکتی تھین، اندلس سے مسلمانون اور یہودیون کے اخراج کی نسبت زمانۂ حال کے ایک سربرآوردہ اندلسی مورخ منندیزی پلایو کی رائے یہان نقل کرنا مناسب

نہ ہوگا جو ان حدود کو بتلائے گی، جہان تک کہ اتحادِ عقائدِ مذہبی کی خواہش نے اندلس کے فلسفہ پر اثر ڈالا ہے، اور اب تک ڈال رہی ہے، وہ اپنی کتاب "اندلس کی آزاد خیالی کی تاریخ" Historia de los Heterodoxos Españoles مین لکھتا ہے:-

"یہ خیال کرنا ایک دیوانگی ہے کہ کسی کے اخراج یا خاتمہ کر دینے سے "تنازع للبقاء" اور زمانۂ دراز کی بے رحمانہ رقابتون کا اختتام ممکن ہو سکتا ہے، ہمیشہ کمزور نسلین لازمی طور پر مغلوب ہو جاتی ہین اور زور دار اور قوی نسلین غالب آتی ہین"

آخر مین یہی مصنف مسلمانانِ اندلس کے اخراج کو، اتحادِ نسل، اتحادِ مذہب، اور اتحادِ زبان و رسوم کے اصول کی کامیابی تصور کرتا ہے، بالفاظِ دیگر سولھوین صدی اور مابعد کے اہلِ اندلس اصولِ قومیت و مذہبیت کو اشیاء پرستی ([illegible]) کی صورت مین قائم کرتے نظر آتے ہین جسکی قربان گاہ پر ہر چیز قربان کر دی جاتی ہے، اگر ہم ہوشیاری سے اس نشأۃِ جدیدہ کے اسباب کا تفحص کرین تو نسلِ سامی کے خلاف اشتعال انگیزی کے علاوہ ہمین ایک اور پوشیدہ سبب، جسکو نظر انداز نہین کرنا چاہیے، اپنا کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس سے ہماری مراد وہ فرانسیسی یا کلیسائی اثر ہے، جسکو کلونی کے راہب اس جزیرہ نما مین لے آئے، ان راہبون نے، جو ایک حیثیت سے یسوعین Jesuits کے نقیب تھے، پوپ کے ہاتھون مین ایک مکمل مرکزیت کی طاقت پیدا کرنے کی کوشش کی، آخرکار انھون نے مصمم طور پر ان مذہبی رسوم اور حقوق کی جو روما مین مروج نہ تھے شدید مخالفت کی، ان کا مطمحِ نظر تمام یورپ مین صرف عقائد و رسومِ مذہبی کا عام اتحاد قائم کرنا تھا، چنانچہ کلونی کے یہ راہب جنوبِ اندلس مین فوراً پھیل گئے، اور سب سے پہلا کام جو انھون نے کیا وہ یہ تھا کہ انھون نے موزارابی رسمِ مذہبی کو موقوف کرکے اسکی جگہ فرانسیسی رسم کو، (جو غلط طور پر رومی رسم کہلاتی ہے) جاری کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک مین اس وطنیت یا صوبہ پرستی (Provincialism

کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونے لگی اور ہلڈ برانڈ نے، جو اس وقت گریگوری ہفتم کے نام سے پوپ کے جلیل القدر منصب پر فائز تھا،

قسطیلیہ اور نوریرے کے فرمانرواؤن سے موزارابی رسم کو دبا دینے کے لئے درخواست کی، موزارابی قانون کلیسائی کی کتابون کے حوالہ سے ایک "فتوی الحاد" (فرد جرم عقائد) Auto-da-fe[1] تیار کیا گیا، اور عوام کی مذہبی زندگی کے ان قومی عناصر کو دبا دینے کی اس پالیسی نے، آگے چلکر، ہدایت و رہنمائی کے لئے، اندلس کے عربی اسکول کے قدیم اساتذہ کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے فرانسیسی اسکول کی طرف رجوع کرنے کا ایک ناخوش آیند میلان طبع پیدا کر دیا،

اسی زمانہ مین کم وبیش ایک تیسرا سبب اس مرکزی رجحان کو مستحکم کرنے کے لئے نمودار ہوا، یعنی الفانسو پنجم والی ارغون، اپنی سلطنت مین صقلیہ کے نام و و ملکون کا الحاق ہو جانے سے نیپلز مین اپنی مستقل حکومت قائم کرنے مین کامیاب ہوگیا، اس کا دربار نہایت شاندار اور پر تکلف تھا، جس نے اطالوی نشاۃ ثانیہ کے نامور مصلحین کو اپنے حلقۂ ارادت مین کھینچ بلایا تھا، یہان اندلس کے ان پرشوق، امیدافزا نوجوانون کو اطلی کے شستہ مذاق صناعون اور کلاسیکل ادیبون سے روشناس ہونے کا موقعہ ملا اور اس نئی تحریک

[1] عدالت "انکوزیشن" جو اسپین مین مذہب عیسوی سے برگشتہ ملاحدہ کو سزا دینے کے لئے قائم ہوئی تھی اس نے ایک دن ایسا مقرر کر رکھا تھا جس مین مجرمون کو زندہ جلا دیا جاتا تھا، اس روز قانون کلیسا کی رو سے ایک فرد قرار داد جرم تیار کیجاتی تھی جس مین ان ملزمین کے اعتقادات وغیرہ کی تشریح ہوتی تھی، چنانچہ یہ "آٹو ڈا فے" بھی ازمنہ مظلمہ کے انہی وحشیانہ مظالم کی ایک یادگار ہے، سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اہل انکوزیشن ان ملزمون کو اسلئے زندہ جلا دیتے تھے کہ رومن کیتھولک چرچ کے اس اصول کے مطابق کہ "اس کلیسا کے دامن پر خون [illegible] نہین" ان کو خون بہانے کی ممانعت تھی، کیا خوب ہے

چھپانے سے کہین یہ خون ناحق چھپ نہین سکتا ہین دھبے خون کے ظالم تری ان آستینون مین اختر

کا ستھری اثرات مین سرایت کر گیا، یہان لاطینی اور یونانی آثار کی طرف سے ان کے دلون مین کامل ذوق و شوق پیدا ہو گیا، اصلاح پسندون نے وطن کو مراجعت کرنے کے بعد وہ اندلس کے دار العلومون مین علوم جدیدہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے، لیکن لاطینی اور یونانی آدب القدما پر ختم ہونے سے روز افزون شوق و دلچسپی کی بدولت وحشیانہ عربی تہذیب کے مطالعہ کی خواہش ان کے دلون سے زائل ہو گئی، اسی اثنا مین بعض وجوہ سے جنکی تفصیل بہت طول طویل ہو گی، اس نہضۃ علمیہ کا مرکز اطلی سے جنوبی ممالک تبدیل ہو گیا، اس واقعہ نے نشاۃ جدیدۃ کی طرف اندلس کا رُخ پھیر دیا، کیونکہ اس وقت سے اہل اندلس رینائزان (نہضۃ علمیہ) کو ریفارمیشن (تحریک اصلاح) کا مرادف سمجھنے لگے، اور ان کا وہ محبوب و مرغوب قومی و مذہبی اتحاد جو زمانۂ ماضی مین اسقدر گران قیمت پر خریدا گیا تھا، اس وقت معرض خطر مین تھا جسے بغیر جد و جہد کے دست بردار ہونا کسی طرح گوارا نہین کیا جا سکتا تھا، اس موقع پر کوئی تعجب نہ تھا اگر مذہبی احساس کثرت کے ساتھ محسوس ہونے لگا اور نشاۃ جدیدۃ (جسکا ارسمس ایک نمایندہ تھا) اور لوتھر کی تحریک اصلاح دونون (بعینہ اسی طرح جیسے کہ علوم عربیہ زمانۂ ماضی مین) قومی و مذہبی اتحاد کی دشمن، اور مخرب سمجھکر مردود و مطرود قرار دیگئین، اور فوراً اس مطلوبہ اتحاد کو ملک کے قبض و تصرف مین واپس لانے کی تدبیرین عمل مین لائی گئین، سب سے پہلے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ ارسمس کی تصنیفات کی اشاعت ممنوع قرار دیگئی، اور ان نامور مترجمین کی تحریرات کا اسپین مین لانا موقوف کر دیا گیا،

فرمانروایانِ اندلس کا توہم

فلپ ثانی کی طرح تو

تھا ہی نہین[1]، کہ جو ملک مین صرف ملحدانہ خیالات کو داخل ہونے سے باز رکھنے پر قناعت کرتا، بلکہ ایک

---

[1] ۱۵۶۶ء مین فلپ ثانی نے متنصرہ (نو عیسائی مسلمانون کو) ان کے عربی نامون کو ترک کر دینے اور مشرقی لباس نہ پہننے کا حکم دیا تھا، تاکہ وہ بزعم خود، سواد مذہب کا تو نگی مین شامل معلوم ہون، اس کے بعد فلپ ثالث نے ۱۶۰۹ء

اور قدم یہانتک بڑھایا گیا، کہ اندلس کے علما، غیر ممالک مین جانے، اور وہان کے دارالعلومون کا معائنہ کرنے سے روک دیئے گئے، جو خیال کیا جاتا تھا کہ ملحدانہ مسائل کے متعدی اثرات اپنے اندر رکھتے ہین، بہرحال سچ پوچھیے تو ان شدید تدابیر پر سختی سے عمل نہین کیا گیا، البتہ اتنا ہوا کہ براعظم یورپ کے دیگر ممالک کی بہ نسبت ان تدابیر نے سرزمین اندلس کو ویران اور بیخبر بنانے مین گہرا اور پائدار اثر ڈالا، اس کے بعد سے اندلس کی تمام اعلیٰ علمی تحریکات اور فلسفیانہ تحقیقات صرف مابعد کی "تحریک اصلاح" Counter Reformation تک محدود رہ گئین جسکے علمی میدان مین اندلس نے ایسے مشاہیر فلسفہ پیدا کئے جنکے نامون کو شمار کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا، فلسفۂ اندلسی کی تاریخ مین پھر ایک مرتبہ "مذہبی اتحاد" کا مرض عود کر آیا، اور بیرونی خیالات و اثرات کی تقویت بخش ہوا کے سامنے اندلس نے اپنے دروازے بند کرکے واقعی ایک خود کشانہ پالیسی کی حمایت کی، آخر مین ہم ایک تاریخی سند یعنی مورخ منندیزی کے الفاظ کا ترجمہ یہان نقل کرنے کی اجازت چاہتے ہین، جو اندلس کے دو نامور مصنفون کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"جب کچھ عرصہ کے پہلے مین نے فلسفۂ اندلسی کے طبعی اسباب پر غور کرنا شروع کیا تو مجھے اس مین دو برابر کے ممتاز پہلو نظر آئے، یعنی واکوز فلسفہ کے تنقیدی پہلو کا نمایندہ ہے، اور لل اس فلسفہ کے اجزاء متحدہ کا، واکوز فلسفۂ نفسی کو اسکی اختیاری صورت مین پیش کرتا ہے اور لل اسکی مابعد الطبیعی اور ترکیبی حیثیت کو"

ؔ (بقیہ حاشیہ صفحہ قبل) مین تقریباً ایک لاکھ آدمیون کو نہایت بے رحمی اور ذلت کے ساتھ ملک سے نکال دیا گیا، اس طرح آخر اس احسان فراموش سرزمین نے عربی تہذیب و تمدن اور عربی زبان کے آثار مٹا دینے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا

دوآبۂ[1] دریائے جیحون وسیحون کی تاریخ پر ایک نظر

۱- زیر بحث مسئلہ

وسط ایشیا کا وہ حصہ جو دریائے جیحون وسیحون سے سیراب ہوتا ہے جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے ایک ہی سمجھا جا سکتا ہے، اس سرزمین نے دنیا کی تاریخ مین متعدد مرتبہ خاص حصہ لیا ہے، چونکہ دریائے تریم کے میدان کے ساتھ یہ ملک متعدد تمدنون کے علاقون مین ذریعۂ آمد ورفت رہا ہے، اور اسی راستے سے وسط مشرق اور اس کے ساتھ ساتھ بحیرۂ روم کے ممالک کا تعلق ہندوستان سے اور خود ہندوستان کا تعلق مشرق بعید کے ممالک یعنی چین جاپان اور کوریا سے ہوا،

اس لحاظ سے جو تشابہ دریائے جیحون وسیحون کے دوآبہ اور شام کی سرزمین مین ہے وہ کسی مورخ کی نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتا، اور تعجب کی بات یہ ہے، کہ جہان تک غور کرتے جاؤ یہ تشابہ زیادہ ہوتا جاتا ہے، شام اور شمال مغربی جزیرہ نے اناطولیہ اور عراق کو ایک دوسرے سے ملا دیا، اور پھر ان دونون علاقون کا تعلق مصر سے قائم کیا، اور یہ اس وقت جب کہ یہ تینون علاقے اس زمانہ کی تہذیب وتمدن کا مرکز تھے، اس کے علاوہ ان دونون راستون مین ایک اور مشابہت بھی پائی جاتی ہے، یہ راستے جن علاقون مین سے گذرتے ہین وہ بھی بہ ہیئت مجموعی بالکل ایک ہی قسم کے ہین، دونون راستون کے ایک پہلو پر

[1] ترجمہ از:- PRO F. ARNOLD J. TOYNBEE: NOTESON THE HISTORY OF THE QNUS-JANRES BASIN (BULLEFINE OF THE SCHOOL OFORENTAL STUDIES, LONDON INSTITUTION VOL III, PART II.

ایک نہایت ہی ناقابل گذار سطح مرتفع ہے، شام کے راستے مین عرب اور دریاے جیحون و سیحون کے راستے مین تبت واقع ہے، مین اس زمانہ مین جب کہ یہ دونون راستے دو عظیم الشان تمدنون مین ذریعۂ آمد و رفت بنے ہوئے تھے، یہ سطحات مرتفع بے کار محض پڑی ہوئی تھین وہ نہ کسی قسم کا معاشرتی اور سیاسی اثر قبول کرتی تھین اور نہ ان کا کوئی اثر ان راستون پر پڑتا تھا، اگرچہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخ عالم کے بعض نازک موقعون پر یہ قاعدہ کلیہ ایکبارگی ٹوٹ بھی گیا ہے، اس کی سب سے بڑی نمایان مثال ۶۳۴ء مین عرب کے مسلمانون کا شام پر اور ۱۸۶۰ء مین تبت کے بدھ مذہب والون کا وسط ایشیا پر ٹوٹ پڑنا ہے۔ یہ دونون واقعے در اصل ان واقعات کی ایک کڑی ہین جو (اگرچہ شاذ ہی سہی) تاریخ عالم کے اکثر عہدون مین ان دونون سرزمینون مین واقع ہوتے رہے ہین،

ان دونون علاقون مین ایک مشابہت یہ بھی ہے، کہ اگر ان کے ایک طرف ناقابلِ گذار سطحات مرتفع ہین تو دوسری طرف سمندر کا ساحل ہے یہ سچ ہے کہ دونون کے سمندرون مین بہت فرق ہے، کیونکہ شام کے ساحل پر بحیرۂ روم ہے اور وسط ایشیا کے اس پہلو پر جنگل اور ریت کا ایک دریائے ناپیدا کنار واقع ہے؛ لیکن پھر بھی ایک طرح دیکھا جائے تو ان دونون سمندرون مین بھی مشابہت پائی جاتی ہے، دونون سمندر یعنی بحیرۂ روم اور وسط ایشیا کے جنگل انسان کیلئے کھلے ہوئے ہین، دونون اگرچہ مرور و عبور کے لئے مناسب ہین لیکن انسان ان مین بس نہین سکتا، دونون مین سوائے چند جزیرون اور نخلستانون کے کوئی جگہ ایسی نہین جہان انسان اپنا قدم جما کر تمدنی زندگی اختیار کر سکے، دونون سمندر سیر و سیاحت اور ارسال و انتقال کے لئے ان قطعاتِ ارض سے بھی کہین زیادہ موزون ہین جہان انسان مستقلاً آباد ہو گیا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ دونون مین انسان کو ان شرائط کا پابند ہونا پڑتا ہے کہ، سفر کرتے ہوئے نکل جاؤ، ساحلون پر مناسب جگہ اپنے گھر بنا کر آباد ہو جاؤ، اور ان سمندرون مین قیام و مکان کا ارادہ نہ کرو،، اس نظر سے اگر دیکھا جائے تو ان خانہ بدوش قبائل مین جو ہر سال گرمی اور سردی کے موسمون مین خاص

چراگاہون مین گھومتے پھرتے ہین، اور ماہی گیرون کی ان کشتیون مین جو سمندر مین خاص خاص موسمون مین ایک بندرگاہ سے دوسرے بندرگاہ کا گشت لگایا کرتے ہین، ان تجارتی بیڑون مین جو سمندر کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل پر مال پہونچاتے اور بار کرتے ہین اور اونٹون کے ان قافلون مین جو اس زمین مین ایک قطعہ کو دوسرے قطعہ سے ملاتے ہین، بحری قزاقون اور ریگستانی لٹیرون مین اور ان صلیبی مجاہدون مین جو کشتیون مین سوار ہو کر ٹڈی دل کی طرح شام کے ساحل پر ٹوٹ پڑے تھے، اور سک، یوچی، ترک، افغالوی، اور مغل اقوام مین جو ان ہی ریگستانون اور جنگلون مین رہتے رہتے ایک مرتبہ اپنا راستہ بدل کر ابرو باد کے طوفان کی طرح ماوراء النہر اور دریائے تریم کی سرزمین کے مستقل رہنے والون پر ٹوٹ پڑے تھے، کوئی فرق نہین،

شام کی تاریخ بہیئت مجموعی اس قدر معروف ہے کہ وہان کے واقعات بیان کرنا تحصیل حاصل ہے لیکن اس کے برعکس وسط ایشیا کے راستے سے جو اثرات ایک تمدن کے دوسرے تمدن پر پڑے ہین ان کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا، اس وقت قدیم ترین تاریخ کے متعلق ہماری معلومات ان دریافتون تک محدود ہین جو پمپلی کی مہم نے مہیا کی ہین، اس مہم کے ارکین جنھون نے نہایت تندہی سے آناو (ANAU) کے نخلستان اوجیحون وسیحون کے دوآبہ کے جنوب مغربی حصہ کو جہان یہ سرزمین ایرانی سطح مرتفع سے ملتی ہے، چھان ڈالا تھا، اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ تاریخی اناؤ اور قبل زمانہ تاریخ کے ایلم (ELAM) مین ایک ہین تعلق ہے، انھون نے ثابت کیا ہے کہ اناو کی تمدنی جد وجہد کا محل نقل مکان کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ جنوب کی طرف منتقل ہوا اور وہان سے آگے بڑھ کر اس نے یورپ کو مستفید کیا،

لہ R. PUMPELLY: EXPLORATIONS IN TURKESTAN (PUBLISHED AT WASHINGTON, D.C. BY CARNJIE INSTITUTION; EXPEDITION 1903. PUBLICATION 26, 1905; II EXPEDITION OF 1904 = PUBLICATION) 73, 1908, 2 Vols

اس کے بہت بعد اشکانی خاندان کی حکومت کے دوران یعنی چھٹی صدی قبل مسیح کے وسط کے متعلق پروفیسر مائیکل راسٹوٹوزف (PROF. MICHEAL ROSTOUTZEN) نے دکھایا ہے کہ کس طرح وسط مشرق کے علوم وفنون ماوراءالنہر کے راستے سے ان ممالک مین پہونچے تھے جن مین آج کل گزک (KAZAK) قوم اور اس زمانہ مین سرماتی (SARMATIAN) قوم آباد تھی، اور کس طرح سرماتیون نے بعد کے زمانہ مین نقل مکان کے ذریعے سے ان تمام علوم وفنون کو وسط یورپ تک پہونچایا تھا،

مذکورہ بالاد و موقعون کے علاوہ وسط ایشیا کے اس تاریخی راستے نے تیسری مرتبہ اپنا فرض اس وقت ادا کیا جب سکندر نے اشکانی سلطنت کو برباد کیا اور یونانی تہذیب اس کی فوج کے ساتھ ساتھ وسط ایشیا مین داخل ہوئی اور وقتی طور پر وہان کی خاص ملکی تہذیب کو دبا دیا، اس وقت دریائے جیحون وسیحون کا دوآبہ وہ راستہ تھا جس مین سے ہوکر یونانی تہذیب شمال مغربی ہندوستان مین داخل ہوئی، اور کوہستان ہندوکش کے دونون جانب بدھوی اور یونانی تہذیبون کے اتصال وتصادم سے ایک نیا تمدن پیدا ہوگیا، اس کے بعد وسط ایشیا نے پھر ایک مرتبہ اپنا تاریخی فرض انجام دیا اور اسی راستے سے ہوتی ہوئی یہ بدھوی یونانی تہذیب مشرق بعید پہونچی چنانچہ اسٹین، لاکوق (Le Coq) اور دوسری محققون نے ثابت کیا ہے کہ دریائے ترِم کے علاقہ اور ترفان (Turfan) کی نشیبی زمین کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تہذیب کس طرح رفتہ رفتہ آگے بڑھی اور مشرق بعید مین پھیلی،

یہ موقع بھی آخری موقع نہ تھا جس مین وسط ایشیا نے دنیا کی تاریخ مین ایک فیصلہ کن حصہ لیا ہو، تیسری صدی عیسوی سے جبکہ یونانی تہذیب وسط ایشیا سے رخصت ہونے لگی اور وہان کی تہذیب نے سرے سے تقویت حاصل کی اس راستے نے یونانی رومی اور ہندوستان کی تہذیب کو مشرق بعید تک پہونچانے

(M. Rostoutzeu: Iranians & Greeks in South Russia Oxford 1922)

کا کام انجام دینا ترک کردیا، مگر پھر مانوی، نسطوری اور اسلام کے مذاہب یکے بعد دیگرے اس سرزمین میں سے گذرے اور سمرقند سے ہوتے ہوئے چین کی شمالی مغربی سرحد تک پہونچے، اور اس کو اپنا گھر بنالیا،

اسی طرح خود ہمارے زمانہ مین بھی گذشتہ پچاس سال سے ماوراء النہر یہی کام انجام دے رہا ہے، اس زمانہ مین یہ ملک سیاسی لحاظ سے روس کے زیر سیادت آگیا، روس سے ہوتے ہوئے یورپ کی تازہ ترین ایجادات اور مصنوعات بلکہ علوم و فنون وہان پہونچے، اور اس راستے کو ان کی وجہ سے ایک خاص اہمیت اور طاقت حاصل ہوگئی، کیونکہ بہر حال گذشتہ تمدنون کے مقابلے مین موجودہ تمدن کہین زیادہ مفید ہے، چنانچہ اس کا اثر اب تک یہ ہوا ہے کہ قافلون کے تین زبردست راستون کی جگہ ماورائے سائبیریا ٹرانس سائبیرین ریلوی، تاشقند اورنبرگ ریلوی اور ماورائے قزوین ٹرانس کیسپین ریلوی نے لی ہے، آج کل افریقہ کے صحرائے اعظم مین جو تجربے اہل فرانس موٹر کارون کے متعلق کر رہے ہین، وہ اگر کامیاب ثابت ہوجائین، اور ان کو اس سرزمین مین استعمال کیا جائے تو بہت سے ایسے ریگستانی علاقے انسان کیلئے قابل آمد و رفت ہوجائینگے جن مین اس وقت اونٹ بھی بدقت سفر کرسکتے ہین، مگر تاریخ عالم کے ڈرامے کا یہ آخری سین اب تک مکمل نہین ہوا ہے، چونکہ روسی انقلاب نے اس ملک کے مسائل مین عجیب و غریب مسائل کا اضافہ کیا ہے، لیکن یہ کہنا کچھ بعید از قیاس نہین کہ اگر روسی سیاست، ہتھیار، تجارت اور علوم و فنون، ایران، افغانستان، ہندوستان، چین یا تبت کی تاریخ پر کوئی بین اثر پیدا کرین تو اس اثر مین وسط ایشیا کا وہی حصہ ہوگا جو اس سے قبل تاریخ عالم مین وہ لیتا رہا ہے،

مذکورۂ بالا واقعات غالباً وہ تمام بڑے بڑے واقعات ہین جنمین شام کے علاقے کی طرح دریائے جیحون و سیحون کے علاقے نے تاریخ عالم پر اپنا اثر ڈالا اور ایک تمدن کو دوسرے تمدن سے ملادیا لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ واقعات کے لحاظ سے شام اور وسط ایشیا مین مشابہت ہے، مگر پھر بھی ان مین بے انتہا مغایرت پائی جاتی ہے، شام نے صرف یہی نہین کیا کہ دوسرے تمدنون کے عبور و مرور

کے راستہ صاف کر دئے بلکہ تاریخ عالم مین بعض مرتبہ بجائے محض راستہ کا کام دینے کے اس نے خود اپنا ایک نیا تمدن قائم کیا، مثلاً ۱۷۲۵ تا ۱۱۲۰ ق م کی خانہ بدوشانہ حالت اور اشکانی سلطنت کے قیام کے درمیان جو چھ سو برس کا عرصہ گذرا ہے، اس دوران مین شام نے حروف تہجی اور بجراوقیانوس دریافت کئے اور خدائے لایزال کا وہ عظیم الشان تخیل پیدا کیا، جو یہودیت، نصرانیت، اسلام و پارسی مذہب مین اس وقت تک مشترک طور پر پایا جاتا ہے، اور جو یونانی، مشرق بعید اور ہندوستان کے تخیل سے بالکل جدا ہے، ان اختراعات و ایجادات کے مقابلہ مین وسط ایشیا کچھ بھی پیش نہین کر سکتا، اس ملک نے یہ کام تو بخوبی انجام دیا کہ دوسرے تمدنون کے لئے راستہ بن جائے اور ان کو آپس مین ملاتا رہے، مگر وہ خود کبھی اس قابل نہین ہوا کہ خود ایک نیا تمدن قائم کرکے اس کے اثرات کو گرد و پیش کے علاقون مین پھیلائے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شام کے مقابلے مین وسط ایشیا کیون ناکامیاب رہا، اس سوال کا جواب دینے کیلئے بہترین بات یہ ہے کہ ان موقعون پر غور کیا جائے جب یہ علاقہ ایسا تمدن پیدا کرتے کرتے ناکامیاب ہوا، تو یہ دیکھا جائے کہ ہر موقع پر اس کی ناکامیابی کے کیا اسباب ہوئے،

ایسے دو موقعے اس سے قبل وسط ایشیا کی تاریخ مین آچکے ہین، پہلا ۶۵۱ء مین پیش آیا، یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان عربون نے ساسانی سلطنت کو برباد کرکے اس کے تمام علاقون پر قبضہ کر لیا تھا، مگر ابتک دریائے جیحون و سیحون کی خود مختار ریاستون پر حملہ کرنے کا ارادہ نہین کیا تھا، اس سرزمین کیلئے یہ نہایت ہی نادر موقع تھا، مگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا گیا اور آخر ۷۴۱ء مین یہ موقع ہمیشہ کیلئے اس وقت رخصت ہوگیا جب کہ عربون نے طخارستان اور ماوراء النہر کو مستقل طور پر خلافت امویہ کا ایک حصہ بنا دیا، اور وسط ایشیا کی خود مختاری سلب کر لی،

دوسرا موقعہ اس سے بالکل مختلف حالات مین چودھوین صدی عیسوی کے وسط مین پیش آیا جب کہ چنگیز خان کے چغتائی خاندان نے اسلام قبول کر لیا، یہ موقع ان کو ۱۳۵۱ء تک حاصل رہا،

اور اس وقت ہاتھ سے نکلا جب آخرکار بابر نے کوہستان ہندوکش کے شمالی علاقہ کو جو درانتہ اس کو ملنا چاہیے تھا ازبکون کے قبضہ مین چھوڑدیا اور اس سے ہمیشہ کیلئے دست بردار ہوگیا، ہمارے لئے بہتر ہوگا کہ ان دونون موقعون پر الگ الگ بحث کرین،

ب سنہ ۶۴۱-۶۵۱ء

بنی اُمیہ کی خلافت کے زمانہ مین عربی حکومت کا مرکزی علاقہ شمال سے ذرا مغرب کی جانب بحر ہند سے کوہستان طارس تک تھا، اور اسی علاقہ مین مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، اور دمشق کے شہر شامل تھے، یہ مرکزی علاقہ تقریباً سنہ ۶۳۷ء مین انطاکیہ کی فتح کے بعد قائم ہوگیا تھا، اور اسی مرکز سے عربون کی فتوحات دونون سمتون مین بڑھنی شروع ہوئی تھین، چنانچہ ایک طرف کو عرب مصر مین سے ہوتے ہوئے بحیرۂ روم کے مغربی اور جنوبی ساحلون کی سمت کو بڑھے، اور دوسری طرف انھون نے عراق مین سے ہوتے ہوئے ایران کی سطح مرتفع کو طے کیا اور آخر وسط ایشیا کے جنگلون تک پہونچے، یہ فتوحات بڑھین اور دونون سمتون مین شمال کی طرف مائل ہوتی گئین، یہان تک کہ اگر ایک لکیر کھینچی جائے تو سنہ ۷۱۲ء تک ان فتوحات سے ایک زبردست ہلال بنگیا تھا، جس کے مرکز مین دمشق واقع تھا، اور جسکی ایک شاخ شمال مغرب مین کوہستان پیرنیز سے آگے بڑھ گئی تھی، اور دوسری شمال مشرق مین ایرانی سطح مرتفع کی حد سے آگے نکل گئی تھی، سنہ ۷۱۲ء مین دنیا کے سامنے یہ مسئلہ پیش تھا کہ عربون کی فتوحات کا سلسلہ ان دونون اطراف سے آگے بڑھیگا یا یہین رک جائیگا، چونکہ دونون سمتون مین عرب نہ صرف ایک خاص جغرافیائی حد تک پہونچ گئے تھے بلکہ انھون نے اس حد کو عبور کر لیا تھا، اور اسی طرح ان کے سامنے اس وقت دو نئی دنیا فتح کرنے کیلئے کھل گئی تھین، ان مین سے ایک دنیا ماوراء کوہستان پیرنیز اور کوہستان الپس واقع تھی جس مین سات یا آٹھ صدی قبل رومی تہذیب و تمدن کا ایک موہوم سا پرتو پڑا تھا، اور دوسری طرف دریائے جیحون و سیحون کی وادی تھی جسمین اس وقت تک وسط ایشیا کی تہذیب کا تھوڑا بہت وہ تہ پاسی

اور نسطوری مذاہب کی شکل میں اب تک موجود تھا جو اس نے گذشتہ پانچ صدیون کے دوران میں اس تہذیب کے وسط ایشیا سے چین کی طرف منتقل کرنے مین حاصل کر لیا تھا، اور اس کے علاوہ ہندی تہذیب کے اثرات بھی اس علاقہ مین باقی تھے، چونکہ یہ تہذیب بھی اس علاقہ مین سے ہو کر بدھ مذہب کی شکل مین چین پہونچی تھی، ۷۱۲ء مین یہ بات بالکل غیر یقینی تھی کہ عرب ان دونون اطراف مین اپنے قدم جما کر ایک یا دونون سمتون مین آگے بڑھنے کی کوشش کرین گے یا دونون یا ایک طرف چند ناکام جارحانہ کارروائیون کے بعد حالت سابق پر قانع ہو جائین گے، اور یا بالآخر دونون سمتون مین ہمسایہ دشمن متفق ہو کر عربون کے خلاف جارحانہ کارروائیون مین کامیاب ہو جائین گے اور اس طرح وہ علاقے بھی ان کے ہاتھ سے نکل جائین گے جو اس سے ذرا قبل خلافت مین شامل کئے گئے تھے،

اس سے قبل کہ ہم یہ ظاہر کرین کہ عربون کو ان دونون اطراف مین کس قدر کامیابی یا ناکامی سے سابقہ پڑا ضروری ہے کہ دونون سمتون کی جغرافیائی مشابہت کو ظاہر کر دیا جائے، بنی امیہ کی خلافت کا اصل مرکز اگرچہ شام مین دمشق کے مقام پر تھا، مگر اس کے علاوہ دو نہایت ہی سرسبز و شاداب زمینون مین ان کے الگ الگ دو ثانوی مرکز بھی قائم تھے، ایک اندلس مین اور دوسرا عراق مین، اور ان دونون مقامات سے فوجون کو بے انتہا کمک اور رسد پہونچ سکتی تھی، ان دونون مرکزون سے چل کر عربون کو دو مقابلۃً غیر آباد اور دشوار گذار سطحات مرتفع مین سے گزرنا پڑتا تھا، ایک طرف کسٹائل کی سطح مرتفع تھی اور دوسری طرف ایران کی، زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان دونون راستون کے دونون جانب ایسے علاقون کی ایک تنگ نالی تھی جس کو اب تک فتح نہین کیا گیا تھا، اور اس لئے یہ علاقے عربون کے لئے خطرہ سے خالی نہ تھے، اندلس مین ملک کے قدیم مالک کوہستان اسٹوریا اور خلیج بسکے کے جنوبی ساحل کے درمیانی علاقے مین اب تک برسرپرخاش تھے، اور اسی طرح ایران کے پرانے زردشتی حکمران اسی قسم کے مگر اس سے زیادہ وسیع علاقے یعنی کوہستان البرز اور بحیرۂ خزر کے ساحل کے درمیانی زمین پر اب تک قابض اور طاقتور

سے برسرپیکار تھے، یہ دونون غیر مفتوحہ علاقے عربون کے لیے تین وجہ سے خاص طور پر خطرناک تھے، ایک تو یہ کہ فطرتاً نہایت طویل اور غیر محفوظ پہلو پر واقع تھے، دوسرے دونون کوہستانی علاقے تھے جن مین جفاکش اور لڑاکے پسند اقوام آباد تھین، اور اس صورت مین ان کو مکمل طور سے فتح کرنا اور قابو مین رکھنا اگر بالکل ناممکن نہین تو مشکل ضرور تھا، لیکن سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ اگرچہ یہ دونون علاقے ہر طرف سے دوسری طاقتون سے گھرے ہوئے تھے، مگر پھر بھی بآسانی اپنے ان ہم مذہبون کے ساتھ سمندر کے ذریعے سے رسل و رسائل کا سلسلہ قائم رکھ سکتے تھے، جو ان علاقون کے پار آباد تھے، اب تک بالکل خود مختار تھے اور عربون کو ان پر کسی قسم کی سیادت حاصل نہ تھی،

یہ دونون علاقے ایک طرف شمال مغربی یورپ کے ملک تھے اور دوسری طرف دریائے جیحون و سیحون کا دوآبہ طبعی لحاظ سے ان دونون پر نہایت آسانی سے قبضہ کیا جا سکتا تھا اور مفتوحہ سطحات مرتفع کی نسبت ان دونون پر قبضہ کرنا زیادہ مفید بھی تھا چونکہ دونون علاقے نشیب مین واقع تھے، دونون سرسبز تھے اور دونون مین بڑے بڑے شہر آباد تھے، گردونواح کے حالات کے علاوہ سیاسی اور معاشرتی حالات نہایت اہمیت رکھتے تھے، اور ان حالات کے لحاظ سے بھی ان دونون علاقون مین ایک عجیب و غریب مشابہت پائی جاتی تھی، فرانس کی آبادی رومی تہذیب کے اثرات کافی طور پر قبول کر چکی تھی، اور عیسائی تھی مگر پانچوین صدی عیسوی کے شروع مین شمالی یورپ کی وحشی اقوام یعنی اہل برگنڈی اور فرینک قوم نے ان کو اور ان کی سرزمین کو بالکل تہ و بالا کر ڈالا تھا، اسی طرح وادی جیحون و سیحون کے دوآبہ مین ایرانیون یا ایسے لوگون کی آبادی تھی جنھون نے ایرانی تہذیب کے اثرات کو قبول کر لیا تھا، وہان بدھوی، نسطوری اور زردشتی مذاہب کے مختلف اثرات پڑ رہے تھے، مگر اس علاقے کو بھی پانچوین صدی عیسوی کے آغاز مین ایشیائی خانہ بدوش اقوام یعنی افتالیون اور ترکون نے تہ و بالا کر ڈالا تھا، اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ ان دونون سرزمینون کے باشندون کے طبقات کی حالت بھی یکسان تھی، دونون علاقون مین

اصلی آبادی نے ایک حد تک اپنے وحشی مالکون کے اثرات کو قبول کر لیا تھا، اور خود بھی تھوڑے بہت وحشی ہوگئے تھے مگر پھر بھی تعداد کی زیادتی اور تہذیب کی خوبی کی وجہ سے یہ وحشی حاکم بھی ان کی طرف مائل ہوکر ان کے شاگرد بن گئے تھے، دونون علاقون مین ایک مشابہت یہ بھی تھی کہ اصلی باشندون نے اپنے وحشی حاکمون کو اپنے مذہب مین داخل کر لیا تھا، اور اس طرح ان کے دل و دماغ کو عرب حملہ آورون کے مقابلے کیلئے بالکل طیار کر رکھا تھا،

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ۱۲ مین عربون کی پیش قدمی کے دونون علاقے ایک دوسرے سے بالکل مشابہ تھے، اور بارہ سال تک دونون جگہ جنگ کی حالت بھی یکسان رہی، دونون مقامات مین عربون کو ایسی اقوام سے سابقہ پڑا جنھون نے ان کا ایسا مقابلہ کیا کہ اب تک کسی نے نہ کیا تھا، ۱۲۱ھ کے شروع مین عربون نے جنگ شعب مین شکست[1] کھائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲۳ھ تک دریائے جیحون کے پار سوائے تین قلعون کے تمام علاقہ ان کے قبضے سے نکل گیا، اور اسی طرح طخارستان مین بھی صرف دو یا تین قلعے ان کے ہاتھ مین رہ گئے، عین اسی زمانہ مین انھون نے تورس کی جنگ مین شکست کھائی جسکی وجہ سے جنوبی فرانس چھوڑنا پڑا، باوجود ان شکستون اور مایوسیون کے یہ یقینی تھا کہ دونون علاقون پر آخر کار قبضہ کیا جاسکتا ہے، مگر ساتھ ہی اس کا بھی یقین ہوچکا ہے کہ جب تک لگاتار اور مستقل کوشش نہ کی جائیگی اور بہت سی جانون کی قربانی نہ ہوگی فتح ناممکن الحصول ہے، دونون علاقون کی حالت یکسان نہ رہی، ایک طرف تو عربون نے جنگ تورس کو بالکل فیصلہ کن مان لیا اور اس کے بعد شمال مغربی سرحد پر مزید فتوحات حاصل کرنے کی بجائے وہ برابر کچھ نہ کچھ کھوتے رہے، دوسری طرف یہ ہوا کہ شمال مشرقی سرحد پر اگرچہ حالت بالکل یاس انگیز تھی مگر یکبارگی صورت حالات بدل گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ صرف نو برس کے عرصے مین ۱۳۲ھ تک دریائے جیحون و سیحون کی تمام وادی مستقلاً سلطنت اسلام مین شامل کر لی گئی،

[1] اس جنگ کے تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو طبری جلد سوم صفحہ ۱۵۴۳ الخ (مطبوعہ یورپ) (مترجم)

یہان یہ ضروری نہین کہ دونون سرحدون پر عربون کی فتح و شکست کے نتیجون پر غور کیا جائے، اور یہ دکھایا جائے کہ بنی نوع انسان کی آئندہ تاریخ پر ان کے کیا کیا اثرات واقع ہوئے، بقول گبن شمال مغربی سرحد پر جبل طارق سے لیکر دریائے لائر کے کنارون تک ایک ہزار میل کا علاقہ مسلمانون نے فتح کر لیا تھا، اگر اس کے بعد وہ اتنا ہی وسیع علاقہ اور فتح کر لیتے تو پولینڈ اور سکاٹ لینڈ کی سطحات مرتفع تک پہونچ جاتے، پھر دریائے رائن فرات اور نیل کے مقابلہ مین زیادہ ناقابل عبور نہین اور عربون کے بیڑے اس بیچ ہوکر بلا کسی بحری مزاحمت کے دریائے ٹیمز تک پہونچ جاتے، اگر ایسا ہوتا تو شاید اس وقت آکسفورڈ کے مدرسون اور کالجون مین قرآن کے درس ہوا کرتے اور وہان کے استاد آنحضرت صلعم کی نبوت پر بحث کرنے مین مشغول پائے جاتے گبن کے اس قول مین اس بات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، کہ ایسی فتوحات کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عرب بلا شرکت غیرے بحر اوقیانوس کے مالک ہو جاتے اور اس طرح امریکہ کا نیا بر اعظم بھی ان کے دست تصرف مین آجاتا چونکہ شمال مشرق مین عربی فتوحات سے جو نتیجے مرتب ہوئے ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تمام قیاسات محض بے کار نہین، یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ جنگ ٹورس کی شکست کی وجہ سے مسلمانون نے امریکہ کو کھو دیا یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، کہ نصر بن سیار اور اسد بن عبد اللہ القسری کی معاملہ فہمی اور حکمت عملی نے چند سال کے اندر مسلمانون کیلئے ایسادروازہ کھول دیا جس مین سے ہوکر وہ بہت جلد دریائے والگا (The Volga) دریائے ارتش (The Irtish) اور دریائے ہونگ ہو (The Hoang Ho) کے کنارون پر اپنے قدم جمانے اور مذہب کی تبلیغ کرنے کے قابل ہو گئے، شمال مشرق مین جو واقعات پیش آئے، ان کو دیکھتے ہوئے ہم بآسانی اندازہ کر سکتے ہین کہ اگر سنہ ۷۳۲ء اور سنہ ۷۴۲ء کے درمیان مین فرانس کا وہی حشر ہوتا جو اس عرصہ مین ماوراء النہر کا ہو چکا تھا، تو وہان کیا کیا تبدیلیان واقع ہوتین جس طرح بحیرۂ خزر کے زردشتی ماوراء النہر کی فتح کے بعد بلا چون وچرا ہتھیار ڈال کر مسلمانون کے محکوم ہو گئے اسی طرح آسٹوریا کے عیسائی بھی بے دست و پا ہوکر مطیع ہو جاتے، کیونکہ اس حالت مین وہ چارون طرف سے عربی حکومت سے گھر گئے ہوتے اور فرانس کے

عیسائی پارسیوں کی طرح ایک بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیتے تو ایسی صورت میں بالکل ظاہر ہے کہ اسٹوریا کی تمام مقاومت و مزاحمت بالکل بے کار محض ثابت ہوتی، اور وہ بھی دیلم، طبرستان، اور جرجان کے باشندوں کی طرح نویں اور دسویں صدی عیسوی میں مسلمان ہو جاتے، یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اسٹوریا کے کوہستانی دسویں اور گیارہویں صدی میں اپنے پہاڑوں سے نکل کر سطح مرتفع کے دامن پر ترک تازیاں شروع کر دیتے، مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تحریک حقیقت میں عربی حکومت کی معاشرتی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوتی اور مذہب کا اس میں کوئی دخل نہ ہوتا کیونکہ ایران میں دیلم کے مسلمان باشندوں نے عرب حکومت کے خلاف عین اسی وقت شورش برپا کی تھی جب کہ اندلس میں اسٹوریا کے باشندے جرأت کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے، انجام کار مذہب نے دونوں علاقوں کی تاریخ میں ایک بین فرق پیدا کر دیا، بنی بویہ نے جب اسلامی علاقہ فتح کیا تو دار الاسلام کے رقبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، اسی وجہ سے مسلمانوں نے بنی بویہ کا اتنا سخت اور خونریز مقابلہ بھی نہیں کیا جتنا اہل اسٹوریا کا کیا، اسی وجہ سے بنی بویہ کی فتوحات جلد ہی مکمل ہو گئیں، اور دنیا میں بہت کم عرصہ تک قائم رہیں، انھوں نے شمال مشرقی سرحد کی طرف اسلام کی روز افزوں ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، اسی طرح اہل اسٹوریا اگر مسلمان ہو جاتے تو وہ فرانس اور جرمنی سے سکنڈ نیویا، پولینڈ اور ہنگری میں اسلام کے پھیلنے کی کوئی مدافعت نہ کرتے،

اس کے برعکس، دیکھا جائے تو جو کچھ شمال مغربی سرحد پر ہوا وہی شمال مشرقی سرحد پر ہوتا اگر مسلم بن قتیبہ کی فتوحات کو اسد بن عبد اللہ القسری اور نصر بن سیار بالکل مستحکم اور مستقل نہ کر دیتے، ۷۳۲ء میں فرانس کی تسخیر کے متعلق عربوں نے جو کمزوری دکھائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرینک قوم اہل اسٹوریا سے متحد ہو گئی، اور اس امر کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ آئندہ عیسائیوں کی طرف سے مغرب میں اسٹوریا کو مسلمانوں کے خلاف جنگی محاذ قرار دے لیا جائے، چنانچہ بظاہر شارلمین کی جنگی مہم جس کا انجام ۷۷۸ء میں رونس وال زیر ہوا، کا اصلی مقصد یہی تھا، اور باوجود اس وقت کی ناکامی کے یہ مقصد ۸۰۱ء تک حاصل کیا جا چکا تھا چونکہ اس سال شارلمین کی اسپینی سرحد بارسلونہ

سے آگے تک پہونچ چکی تھی، اس کے بعد استوریا کا مقامی فوجی محاذ تمام مغربی عیسائیت کا محاذ بن گیا اور اسی وقت سے اپنی سرحد کی سیادت مسلمانون کے ہاتھ سے نکل کر اہل یورپ کے قبضہ مین آگئی، اگر تمام واقعات کو اس نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آئندہ ساڑھے چار صدی کی جنگون مین کوئی بات قابل تعجب نہین رہجاتی، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جو واقعہ ۷۱۸ء مین شروع ہوا تھا اس کا انجام ۱۲۳۶ء مین قرطبہ کی فتح اور سوائے غرناطہ کے تمام ملک سے مسلمانون کا بے دخل ہوجانا تھا،

اس بات پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ اگر مسلمانون کو وہی حالات ایران مین پیش آتے جو ان کو یورپ مین پیش آئے تو اس سے کیا نتائج مرتب ہوتے، اگر اسد بن عبد اللہ القسری اور نصر بن سیار مستقل طور پر ماوراء النہر کے علاقے کو اسلامی سلطنت مین شامل نہ کرلیتے تو مسلمانون کے لئے آخر خراسان کو مدت تک قابو مین رکھنا تقریباً ناممکن ہوجاتا، اور اغلب یہ ہے کہ آئندہ نصف صدی ہی مین سغد اور طخارستان کی خود مختار ریاستین اس طرف کے جنگون کی دوسری خانہ بدوش اقوام سے مدد حاصل کرکے عربون کو جنوب مغرب کی طرف پیچھے ڈھکیل دیتین، انھین دامغان اور بحیرۂ خزر کے ساحلون کو چھوڑنا پڑتا اور اس وقت دشت لوط دار الاسلام کی شمال مشرقی سرحد قرار پاتا، اگر ایسا ہوتا تو تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ اس وقت ماوراء النہر مختلف تہذیبون اور تمدنون کا محض ایک راستہ رہنے کی بجائے خود ایک نئی تہذیب کا مرکز بن جاتا، یورپ کی نئی تہذیب جو فرانس مین آٹھوین صدی عیسوی مین شروع ہوئی، جو اب تک برابر ترقی کررہی ہے، اور جس نے اب تقریباً تمام دنیا کو گھیر لیا ہے، اس حالت مین وسط ایشیا کی اس نئی تہذیب کی ہم عصر ہوتی، اور اسلامی سلطنت کی بربادی اور تباہی کے بعد ان دونون کا کہین نہ کہین اتصال وتصادم ضرور ہوتا،

اس وقت اس بات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے کہ وسط ایشیا کی یہ قرین قیاس تہذیب کیا شکل وصورت اختیار کرتی کیونکہ قبل اس کے کہ وہان کوئی نئی تحریک پیدا ہو، اسلامی فتوحات نے تمام توقعات پر پانی پھیر دیا، ممکن ہے کہ بدھوی، نسطوری اور زردشتی مذاہب مین تصادم ہوتا اور ہر ایک مذہب تبلیغ کی انتہائی کوشش

کرتا، گر قیاس بھی نہین کیا جاسکتا کہ اس تصادم کا آخری نتیجہ کیا ہوتا، زردشتی مذہب کو بحیرۂ خزر کے صوبجات سے نئے سرے سے تعلقات پیدا ہوجانے اور ایرانی سطح مرتفع کی طرف بڑھنے کی وجہ سے، ضرور کچھ نہ کچھ تقویت حاصل ہوتی، لیکن دوسری طرف، یوریشیا کے میدانون اور دریاے تریم کی وادی مین زردشتیون کے بالمقابل بدھوی اور نسطوری مذاہب کے پیروؤن کا زور تھا، ان اثرات کے علاوہ، جون جون چین اور ہندوستان سے تعلقات بڑھتے جاتے دوسرے اثرات بھی اپنا کام کرتے اور ممکن ہے کہ اس علاقہ مین ایسا ہی ایک ملا جلا مذہب پیدا ہوجاتا جیسا کہ قیصر جولین نے یونانی رومی سلطنت مین پیدا کرنیکی کوشش کی تھی اور جیسا کہ اسوقت بھی چین اور ہندوستان مین مروج ہے، مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ایسے مختلف النوع اثرات کے ہوتے ہوئے اس تہذیب کے متعلق کسی قسم کا اندازہ کرنا بالکل بےسود ہے، لیکن یہ بآسانی قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ وسط ایشیا کی اس نئی تہذیب کی جغرافیائی وسعت کی منزلین کیا ہوتین، ہر حال مین یہ بات یقینی ہے کہ دشت لوط اس کی آخری سرحد نہ ہوتا، کیونکہ اس علاقے کے ساتھ شمال مین طبرستان اور دیلم کے علاقے موجود ہین اور یہ علاقے جیسا کہ اوپر کے تمام بیان سے ظاہر ہے ضرور وسط ایشیا کی تہذیب مین شامل ہوجاتے، ایسی حالت مین دسوین صدی عیسوی مین جب بنوبویہ دیلم سے ایران کی سطح مرتفع پر حملہ آور ہوتے تو ان کا مذہب بجائے اسلام ہونے کے زردشتی ہوتا، ان کی فتوحات بجاے اسلامی فتوحات ہونے کے مسلمانون کو نقصان پہونچاتین، اور دار الاسلام کا رقبہ کم ہوجاتا، اس کے بعد وسط ایشیا کی توسیع یقینی طور پر جاری رہتی، اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہونچاتی، اگر مسلمان عراق اور خصوصاً بغداد کو کافر بنوبویہ سے اس وقت بچا بھی لیتے تو ان کا فرون کا کام نسطوری یا زردشتی سلجوق مکمل کردیتے، کیونکہ اس عرصہ مین وسط ایشیا کی تہذیب مستقل طور پر دار الاسلام اور یوریشیا کی سرزمین کے درمیان حائل ہوجاتی اور [illegible] مین جو خانہ بدوش اقوام نقل مکان کے ذریعے سے وسط ایشیا پر ٹوٹ پڑی تھین، وہ اس کی تہذیب سے متأثر ہوچکی ہوتین اور اس وقت اسلامی سرزمین مین دشمن کی حیثیت سے داخل ہوتین، نہ کہ دوست کی حیثیت سے، یہ سب کچھ "ہوسکتا" تھا، مگر حقیقت مین ہوا یہ کہ [illegible]

کو جیحون وسیحون کے میدان ہی مین اسلام سے سابقہ پڑا اور انھون نے اس مذہب کو قبول کرلیا اس کے بعد وہ برابر آگے بڑھتے چلے گئے، اسلام کو بجائے نقصان پہونچنے کے ان سے فائدہ پہونچا، اور آخر یہ طوفان "اناطولیہ" کی سرزمین بازنطینی تہذیب کی بربادی اور تباہی کا باعث ہوا، اس کے بجائے اگر ہم یہ تصور کرلین کہ سلجوقی ماوراء النہر مین کسی غیر اسلامی مذہب کو قبول کرچکے تھے. تو اس صورت مین ان کے ہاتھون اسلامی تہذیب کا بعینہ وہی حال ہوتا جو بازنطینی تہذیب کا ہوا، قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ ایسی حالت مین مسلمانون پر کیا کچھ مصیبت نہ پڑتی،

(باقی)

سیرۃ النبی صلعم

جلد سوم،

جس کے مقدمہ مین اولاً نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول، ملائکہ، عالم رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، اور پھر وہ آیات و معجزات مذکور ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین ہے، بعد ازین وہ ہین جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزون کی غیر معتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور آخر مین وہ بشارات نبوی ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین اور جن کے حوالے قرآن مجید و حدیث مین مذکور ہین، اور اخیر مین خصائص محمدی کا باب ہے،

قیمت درجہ اوّل عـہ قیمت درجہ دوم سـعـہ

تقطیع کلان تعداد صفحات ۸۱۰،

"منیجر"

تذکرہ گلزار اعظم فارسی،

اور

جنوبی ہند کے چند فارسی تذکرے

از

مولوی محمد محفوظ الحق صاحب ام اے لکچرر عربی و فارسی پریسیڈنسی کالج، کلکتہ،

مارچ ۱۹۲۶ء کے معارف مین تذکرۂ گلزار اعظم فارسی (مولفہ نواب محمد غوث بہادر اعظم) پر مولوی سید فضل الرحمن صاحب کا مضمون نظر سے گذرا اور گو اس امر کی خوشی ضرور ہوئی کہ جنوبی ہند کے ایک تذکرہ کا حال خود اسی خطہ کے ایک صاحب نے تحریر فرمایا، لیکن افسوس اس امر کا ہوا کہ مضمون نگار صاحب کو چند جگہ سہو ہوا ہے جس کی اصلاح ضروری ہے، چنانچہ سطور ذیل مین انکی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے اور ضمن مین جنوبی ہند کے اور تذکرون کا بھی ذکر آگیا ہے جو مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے غالبًا ناموزون خیال نہین کیا جائیگا،

مولوی صاحب جنوبی ہند مین فارسی شاعری کی ترقی کا حال بیان کرنے کے بعد تذکرۂ گلزار اعظم کا ذکر ان الفاظ مین فرماتے ہین:۔

"خاکسار کے کتب خانہ مین تذکرۂ گلزار اعظم فارسی کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ . . . . . . ٹائٹل پیج کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طباعت کے واسطے مسودہ تیار کیا گیا تھا لیکن کسی خاص نامعلوم وجہ سے طباعت کی نوبت نہین آئی کاتب کا نام عبد الصمد تحریر ہے اور اس نے نہایت عرق ریزی اور جانفشانی سے اپنے کمال کو ظاہر کیا ہے گویا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبع سے ابھی چھپکر شائع ہوئی ہے، کتاب کی تکمیل ۱۲۷۲ھ کے پہلے یا ابتداے سنہ مین ہوئی ہو گی،

مندرجہ بالا اقتباس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۂ گلزار اعظم ابھی تک قلمی ہے اور طباعت کی

جو نسخہ تیار کیا گیا تھا، وہ چھپا نہین لیکن یہ دونون باتین صحیح نہین، تذکرۂ گلزار اعظم چھپ چکا ہے اور نایاب نہین، گو کمیاب ضرور ہے، اور میری بدگمانی معاف ہو تو مین یہی عرض کرونگا کہ مولوی صاحب کا نسخہ بھی "قلمی" نہین، بلکہ "مطبوعہ" ہے، اور اس کے لئے میرے حسب ذیل وجوہ ہین:-

(۱) تذکرۂ گلزار اعظم (جو خود مولف تذکرہ کے مطبع مین چھپا ہے) کی طباعت واقعی ایسی ہوئی ہے کہ بادی النظر مین قلمی ہونے کا دھوکا ہوسکتا ہے،

(۲) مطبوعہ تذکرہ مین بھی جس کا ایک نسخہ میرے پیش نظر ہے، کاتب کا نام عبد الصمد تحریر ہے،

(۳) "مطبوعہ" نسخہ اور مولوی صاحب کے "مفروضہ قلمی" نسخہ کے صفحات بالکل ملتے ہین، چنانچہ جن صفحات کا انھون نے اپنے "مفروضہ قلمی" نسخہ سے حوالہ دیا ہے وہ میرے "مطبوعہ" نسخہ سے بالکل متحد ہے،

(۴) مولوی صاحب فرماتے ہین کہ "تذکرہ کی تکمیل ۱۲۷۲ھ کے پہلے یا ابتدائے سنہ مین ہوئی ہوگی" اس بیان سے غالبًا مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ۱۲۷۲ھ مین نسخہ طباعت کے لئے تیار کیا گیا تھا، یہ بیان صحیح ہے، کیونکہ میرے پیش نظر "مطبوعہ" نسخہ کے ٹائٹل پر بھی سنہ طباعت ۱۲۷۲ھ موجود ہے، اور مولوی صاحب کے "مفروضہ قلمی" نسخہ کے ٹائٹل پر بھی یہی سنہ درج ہے،

ان وجوہ کی بنا پر میرا خیال ہے کہ مولوی صاحب کا نسخہ، "گویا مطبع سے ابھی چھپکر، شائع نہین ہوا ہے بلکہ واقعی مطبوعہ ہے، کیا مین امید رکھون کہ مولوی صاحب اس امر پر مزید روشنی ڈالین گے؟

اس تمہید کے بعد اب مین ایک دوسرے امر کی تصحیح کی طرف متوجہ ہوتا ہون اور یہان بھی خود مولوی صاحب کی عبارت نقل کرنا مناسب سمجھتا ہون، مولوی صاحب تحریر فرماتے ہین:-

"کتاب کی تصنیف کا کام ۱۲۵۹ھ مین شروع ہوا ہے، ملاحظہ ہو ذیل کی عبارت:-

"در سال یکہزار و دو صد و پنجاہ و ہفت ہجری نبوی تحریر تذکرۂ شعرائے کرناٹک با التزام تسطیر غزلیات ہر یکی بی انتخاب پرداختہ بودم در شام غربت تمنائے الفت پرستان سخن را بصبح وطن مبدل ساختہ او ان باز

مشکن خاطر بود...... کہ اگر زمانہ فرصت دہد...... تذکرۂ تازہ با انتخاب اشعار شعرای مصدر تفصیل شطری از احوال کسب استعداد و لیاقت..... تحریر نمایم،

عبارت بالا سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ گئی ہے کہ ایک تذکرہ شعراے کرناٹک کے حالات مین لکھنے والے تھے، لیکن افسوس کہ وہ اب تک ہماری نظر سے نہین گذرا، بہرحال یہ تذکرہ گلزار اعظم غالبا ۱۲۵۸ھ کے بعد ہی شروع کیا گیا اور ۱۲۶۹ھ مین مکمل ہوگیا،،

مندرجہ بالا اقتباس مین مولوی صاحب کو چند جگہ سہو ہوا ہے:-

اوّل تو یہ کہ بقول ان کے تذکرہ گلزار اعظم کی تالیف کا کام ۱۲۵۸ھ کے بعد ہی شروع ہوا، حالانکہ یہ سنہ تذکرہ گلزار اعظم کی تالیف کا نہین (کیونکہ اس کی تالیف دس سال بعد ۱۲۶۸ھ مین شروع ہوئی) بلکہ وہ نواب محمد غوث بہادر کے اول الذکر تذکرہ، یعنی **تذکرہ شعراے کرناٹک** کی تالیف کا سنہ ہے چنانچہ خود مؤلف کی منقولہ بالا عبارت اس پر دال ہے،

دوسرے یہ کہ مولوی صاحب فرماتے ہین کہ "ایک اور تذکرہ شعراے کرناٹک کے حالات مین لکھنے والے تھے،، یہان مولوی صاحب کو خود مولف کی عبارت کے سمجھنے مین سہو ہوا ہے، مولف کے "پرداختہ بودم" سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شعراے کرناٹک کا تذکرہ لکھنے والے،، نہین تھے بلکہ گلزار اعظم سے پہلے "لکھ چکے" تھے پھر یہ کہ خود منقولہ بالا عبارت مین اس تذکرہ کا نام بھی موجود ہے، چنانچہ اس رنگین عبارت یعنی "و شام غربت تمنای الفت پرستان سخن را بصبح وطن مبدل ساختہ،، کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہین کہ مولف نے اُس تذکرۂ شعرائے کرناٹک کا نام صبح وطن رکھا تھا،

تذکرۂ شعرائے کرناٹک جس کا اصلی نام "صبح وطن،، ہے چھپ کر شایع ہو چکا ہے، اور اس کا مطبوعہ نسخہ اس وقت میرے پیش نظر ہے، چونکہ اس تذکرہ کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے، اس لئے بعض ضروری امور کا بیان غالباً دلچسپی کا باعث ہوگا،

تذکرۂ صبح وطن" نواب محمد غوث بہادر کا پہلا تذکرہ ہے جو ۱۲۵۸ھ مین مرتب ہوا اور ۱۲۵۹ھ مین مدراس سے چھپکر شایع ہوا، اس کی تالیف کا باعث ایک اور تذکرہ ہے جس کا نام "گلدستۂ کرناٹک" ہے، اس آخر الذکر تذکرہ کا مولف علی رضا رایق ہے، یہ تذکرہ غالبًا ابھی تک چھپا نہین لیکن اس کا قلمی نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے عبارت رنگین اور پر پیچ ہے، اپنے تذکرہ کی تالیف کے متعلق رایق کا بیان ہے:-

وجرم در سنہ ۱۲۴۳ھ الف و ماتین و عشر از رشحات سحاب سطح ورق رنگین تر از کاغذ ابری گردید در قع

صورت این حال از موقلم افکار برنگ آمیزی رسید

اس کے بعد لکھتا ہے:-

"تو تاریخ آغاز این گلدستہ از لفظ گلدستۂ کرناٹک" برشتہ بندی نظر فکر رسید"

رایق نے یہ تذکرہ نواب محمد غوث بہادر اعظم کے مورث نواب اعظم جاہ بہادر کے حضور مین پیش کرنے کیلئے لکھا تھا لیکن انھون نے ۱۲۴۲ھ مین قضا کی اور نواب محمد غوث بہادر اس وقت بہت کم سن تھے، اس لئے ان کے اتالیق نواب عظیم جاہ بہادر کے حضور مین اس نے یہ تذکرہ گذرانا، رایق نواب اعظم جاہ بہادر کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے عرض مدعا ان الفاظ مین کرتا ہے:-

"بنا بر علیہ این رسالہ از نظر نواب مغفور نگذشت و دامان امید مالامال نگشت ..... امید کہ این نونہالان گلزمین افکار و نو رسان بہارستان حسن گفتار از نگاہ بہار پیرای نواب فلک بارگاہ سخن پناہ عظیم جاہ ادام اللہ البقاہ رنگ قبول عزت شمول و شادابی و سیرابی دگرباہ حاصل گرداند"

معلوم نہین کہ مولف کی مراد بر آئی یا نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ خود نواب محمد غوث بہادر نے اس تذکرہ کو اس قدر ناپسند کیا کہ اسی کے جواب مین تذکرۂ صبح وطن لکھنے پر مجبور ہوئے لکھتے ہین،

"در ین ہنگام تذکرہ گلدستۂ کرناٹک رایق بامعان نظر ملاحظہ کردم، احوال بعض سخن سنج را چو گل کاغذی بو بانم ہمی بپاس قومیت خلاف واقع تحریر پرداختہ و ذکر برخی از زمگذار تباد بطمطراق

قلمی ساختہ لہذا حقیقت حال ہر یک معنی طراز را یازدہ غزل آدبی انتخاب بقیہ قلم آوردم ......

وکسانیکہ بعد انتقال رایق قدم بر جادۂ فکر گذاشتند اسامی آنہا نیز با چند غزل ساختہ موسوم بصبح وطن گردانید،

تذکرۂ صبح وطن مین کوئی ۹ا شعرا کا حال اور کلام درج ہے، اور حالات کی تحریر اور غزلون کے اندراج مین مولف نے فراخ دلی سے کام لیا ہے، خاتمہ پر بہت سی تاریخین ہین، از آن جملہ ایک یہ ہے:-

چونکہ این نسخہ را نمود تمام اعظم جملہ سرداران زمین

کرد فکر سنش چنین دالا پرتو آفتاب صبح وطن

نواب محمد غوث بہادر کی ولادت ۱۲۳۹ھ مین ہوئی اور یہ تذکرہ ۱۲۵۸ھ مین لکھا، اس لئے یہ امر موجب تحسین واستعجاب ہے کہ کل ۱۸ برس کے سن مین وہ ایک ایسے اچھے تذکرہ کے مولف ہوے اور مزید حیرت انکی دلچسپ عبارت آرائی اور پختہ طرز تحریر پر ہوتی ہے،

اب خود تذکرۂ گلزار اعظم کے متعلق چند ضروری باتون کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے،

اوّل یہ ہے کہ صبح وطن اگر رایق کے جواب مین لکھا گیا ہے، تو گلزار اعظم واصف کے تذکرۂ معدن الجواہر کے "جواب" مین لکھا گیا ہے، چنانچہ نواب محمد غوث مرحوم اپنے تذکرہ لکھنے کی خواہش اور قلت وقت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہین:-

"تا این کہ تذکرۂ معدن الجواہر واصف بملاحظہ رسید بوضوح انجامید کہ موصی الیہ در مقامات کثیرہ نفوذ ونکات شعری پی نبردہ با اعتراضات بیجا بر کلام اساتذہ قلم فرسودہ و بدخل ناسزا کار فرمودہ، لہذا بحر طبیعت باز بجوش آمد و دریای خاطر و خروش کہ جوابات رایقہ آن درج تذکرہ سازم و با امتحان مرغ قلم پردازم"

لیکن بعد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مولف کو مشاعرون مین ایسا انہماک ہوا کہ کچھ عرصہ کیلئے

یہ ارادہ ملتوی رہا، بہر حال ۱۲۶۹ھ مین دو سال کی محنت کے بعد یہ تذکرہ مرتب ہوا، مولف کا بیان ہے:۔

"در عرصہ دو سال شاہد را بحلیہ انصرام آراستم و بحلیہ اختتام پرداختم"

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ تذکرہ کی تالیف کا کام ۱۲۶۷ھ مین شروع ہوا نہ کہ ۱۲۵۷ھ مین" جیسا کہ مولوی صاحب نے اپنے مضمون مین تحریر فرمایا ہے،

تذکرہ ہذا کی خصوصیت یہ ہے کہ شعراء کے حالات وغیرہ کے لکھنے مین انھون نے خاص التزام کیا ہے، کلام کا انتخاب دیا ہے، اور واصف کے مفصل جوابات لکھے ہین، چنانچہ صرف اپنے حالات کے ضمن مین کوئی ۴۰ صفحات مین اپنے استاد معنوی سید شاہ ناصر علی کے کلام پر واصف کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اکثر جگہ تذکرہ مین مناظرانہ شان موجود ہے، لیکن بہر حال متانت کو ہاتھ سے جانے نہین دیا ہے، سید شاہ ناصر علی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ مین کرتے ہین:۔

"بہ تقلید کلام سید شاہ ناصر علی قدس سرہ حرف میزنم و ایشان را درین فن مقتدی خود میدانم ازانجا کہ نسبت شاگردی معنوی خود بشاہ مرحوم باثبات داد این حقوق آنجناب بر ذمہ من لازم گردید......... بدفع اعتراضیکہ از واصف بر کلام مرحوم وارد گشتہ می پردازم"

نواب محمد غوث بہادر کو نثر فارسی پر پوری قدرت حاصل تھی، لیکن زمانہ کے مذاق کے موافق عبارت آرائی اور رنگین بیانی کا بھی شوق تھا، اس لئے کہین کہین رنگینی کے پھیر مین پڑگئے ہین، ان کا فارسی کلام بھی میری نظر سے گذرا ہے، تذکرون مین جو کچھ ہے، اس کے علاوہ ان کا دیوان بھی سرسری طور پر دیکھ چکا ہون، ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ (واقع کلکتہ) کے کتب خانہ مین ان کا قلمی دیوان موجود ہے جو غالبًا چھپا نہین، اس کی ضخامت ۵۰ صفحے ہے، مین اس دیوان سے انتخاب پیش کرتا لیکن یہ مضمون چونکہ کلکتہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر بیٹھکر لکھ رہا ہون، اس لئے مجبور ہون،

گذشتہ صفحات کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ نواب محمد غوث بہادر نہایت باکمال امیر تھے، اور دور آخر کے واقعی مغتنم اصحاب مین تھے، عجب نہین کہ تذکرہ صبح وطن، تذکرۂ گلزار اعظم، او ردیوان کے علاوہ انھون نے اور علمی یادگارین بھی چھوڑی ہون، اگر جنوبی ہند کے کوئی صاحب ان کے سوانح زندگی اور علمی کارنامون کا مفصل تذکرہ لکھین، تو بہت خوب ہو، علاوہ برین خود ان دو تذکرون کے مطالعہ سے اُس خطۂ ملک کے دور آخر کی علمی مجلسون اور بزمہائے ادب کا بہت کچھ دلچسپ حال مل سکتا ہے،

اسی امیر باتدبیر کے زیر سرپرستی ایک اور تذکرہ نتائج الافکار نامی چھپکر شایع ہوا جس کا مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے، یہ تذکرہ محمد قدرت اللہ گوپاموی کا مرتب کردہ ہے، محمد قدرت اللہ نے دو اور تذکرے جام جہان نما اور تکملۃ الشعراء نامی لکھے جنکے قلمی نسخے کمیاب ہین، مولف نے تذکرۂ نتائج الافکار ۱۲۵۸ھ مین مرتب کیا اور نواب محمد غوث بہادر کی سرکار مین پیش کیا، چنانچہ نواب صاحب کے متعلق یون گویا ہے،:-

"امروز کہ آن ورۃ التاج شہامت وبحر مواج سخاوت، حاتم عصر، باذل دہر قدم در عرصۂ نوزدہ سالگی نہادہ ذات والاصفاتش مفتاح کنوز کامرانی ست وکلید گنجینۂ فیض رسانی"

مولف کا بیان ہے، کہ اِس تذکرہ کی ترتیب مین اس نے نہایت کدو کاوش کی ہے، اور حالات وسنون کے متعلق خاص تحقیقات کی ہے، لیکن مجھے اِس تذکرہ مین کوئی نمایان بات نظر نہین آتی، وہی رطب ویابس جو عام تذکرون مین پایا جاتا ہے، اس مین بھی موجود ہے، خاتمہ کی تاریخ ہے ؎

فکر سال نتائج الافکار ہر یکی کردو دُرِّ معنی سفت
عقل چون حرف ندید دران ہدیہ بارگاہ اعظم گفت

۸ ۵ ۲ ۱ ۲

یہ تذکرہ خود نواب محمد غوث بہادر کے حسب الحکم سنہ ۱۲۵۹ھ ۱۸۴۳ء مین مدراس سے شایع ہوا اور اب ایک حد تک کمیاب ہے،

دکن کے تذکرون مین گل رعنا اور شام غریبان، دو تذکرون کا نام بھولا نہین جاسکتا یہ دونون

تذکرے لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی کی تالیف ہین، آخر الذکر تذکرہ میری نظر سے نہین گذرا، اور مؤلف نتائج الافکار بھی اس مضمون سے بے خبر ہے، کہتا ہے "غالبا محتوی بکلام فصحای اہل ولایت است" لیکن پہلا تذکرہ یعنی گل رعنا (قلمی) البتہ مولوی خدا بخش خان مرحوم کے کتب خانہ مین میری نظر سے گذرا ہے، اس کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین مسلمان شعرا کے حالات ہین، جو ۲۶۱ اوراق پر ختم ہوا ہے، اور دوسرا حصہ ورق ۲۶۱ سے ورق ۳۰۷ تک ہے، اور اس مین ہندو شعرا کے حالات ہین جنھون نے فارسی اشعار کہے ہین، اس تذکرہ کا دوسرا حصہ نہایت قابل قدر ہے، اور اگر چھپوایا جائے تو واقعی نہایت مفید ثابت ہو،

اسی سلسلہ مین ایک اور تذکرہ کا ذکر غالبًا نامناسب نہ ہوگا جس کا نام تحفۃ الشعرا ہے، اور جسمین آصفجاہ اول کے عہد کے شعرا کا حال درج ہے، اس کی تالیف ۱۱۶۵ھ مین ہوئی اور مؤلف کا نام افضل خان اورنگ آبادی ہے حضور نظام کے کتب خانۂ آصفیہ مین اس کا قلمی نسخہ موجود ہے،

افسوس ہے کہ یہ مضمون اپنے مستقر (کلکتہ) سے باہر بیٹھکر لکھ رہا ہون، اس لئے دکن کے بعض اور تذکرون کا ذکر رہ گیا بہر حال، یار زندہ صحبت باقی،

مطبع معارف

مطبع معارف کے خاص خصوصیات کی بنا پر اکثر علم دوست اصحاب نے اپنی کتابین اس مطبع مین چھپوانے کی خواہش کی لیکن ہمارے پاس خود اتنے کام تھے کہ ہم ان کو پورا نہین کرسکتے تھے لیکن اب انجن سے مشین چلنے کے باعث باہر کی فرمایشون کی بھی تعمیل کرسکتے ہین، اگر کوئی صاحب اپنی کوئی کتاب چھپوانی چاہتے ہون تو وہ بخوشی ہمارے پاس بھیج سکتے ہین، نرخنامہ کیلئے منیجر کے نام خط وکتابت کیجئے،

تلخیص و تبصرہ

روس اور علوم مشرقیہ

یورپ کی اکثر قومین مشرق سے ابتداءً صرف تجارتی تعلقات رکھتی تھین لیکن روس کا یہ حال نہ تھا اپنے جغرافی حالات کی بناپر وہ مغربی یورپ اور ہنگامہ آرا مشرق کے درمیان ایک حد فاصل تھا، روس کی ہزار سالہ تاریخ مین مغربی یورپ سے جنگ کے واقعات شاذ و نادر ہی، ملتے ہین لیکن وہ مشرق سے ہمیشہ برسر پیکار نظر آتا ہے، قرون وسطی مین چونکہ روسی حکمت عملی مشرق کی طرف متوجہ تھی مشرقی حکومتون کے سفراء برابر آتے رہے، اور ان سے سلسلہ مراسلت جاری تھا، اس لئے روسی مغربی یورپ سے کہین زیادہ مشرق کے جغرافی و سیاسی حالات سے واقف تھے، اس کے متعلق محکمۂ خارجیہ مین مخصوص کاغذات رکھے جاتے مشرقی زبانون کے جاننے والون کو ملازم رکھا جاتا، نقشے تیار کئے جاتے تھے، پیٹر اعظم کے وقت مین، ۱۸وین صدی کے اختتام پر یہ سلسلہ اور بڑھ گیا،

۱۷۲۴ء مین روس کی علمی مجلس (ACADEMY OF SCIENCE) قائم کی گئی اور اس وقت سے وہ ابتک نہ صرف مشرقی علوم پر تصانیف شایع کر رہی ہے بلکہ اس نے قلمی نسخون مطبوعہ کتابون نسلیاتی اشیاء سکون وغیرہ کا جن سے مشرق کو تعلق ہے ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے، رفتہ رفتہ یہ چیزین اس قدر بڑھ گئین کہ ان کو مختلف شعبون کے ماتحت مختلف مجالس مین تقسیم کر دینا پڑا، ۱۸۱۸ء مین کتابون قلمی نسخون وغیرہ کو ایک جگہ جمع کر کے اس کا نام ایشیائی عجائب خانہ رکھا گیا، ۱۸۳۶ء مین نسلیات و حیاتیات کا ذخیرہ نسلیاتی عجائب خانہ کے نام سے ایک جگہ رکھا گیا، ۱۸۹۵ء مین اس قسم کا ایک اور

عجائب خانہ قائم کیا گیا ہے جس میں مشرق کے متعلق بہت سی مفید چیزیں موجود ہیں،

روسی یونیورسٹیوں میں دوسرے موضوعوں کی طرح مشرقی السنہ کے مطالعہ کا بھی شعبہ قائم کیا گیا، لیکن ۱۸۱۸ء میں اس کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا، اور اس کا نام محکمۂ مطالعہ علوم تاریخ والسنۂ مشرق رکھا گیا، اس محکمہ نے متعدد بلند پایہ مستشرق پیدا کئے ہیں، اس کے ساتھ ہی روس کے مختلف شہروں میں شرقیات وغیرہ کے ماہرین کے لئے متعدد مجالس قائم ہوئیں، ماسکو، سنٹ پیٹرس برگ وغیرہ میں کتب خانے، عجائب خانے اور انجمنیں عالم وجود میں آئیں، ان کاموں میں روسی مشرقی مجلس، اور روسی جغرافی مجلس کا بہت بڑا حصہ ہے، اول الذکر ۱۸۴۶ء میں قائم ہوئی تھی، اس کے رسالہ "زپیکی" نے مستشرقین کے حلقوں میں عام وقعت حاصل کر لی ہے،

روسی شاہی جغرافی انجمن ۱۸۴۵ء میں قائم ہوئی، اگرچہ اوس کا رسالہ مشرق کیلئے مخصوص نہ تھا لیکن اوس میں ایشیا کے متعلق متعدد اہم مضامین ہوتے تھے، روسی سیاح، و مکتشف (کوئی نئی بات دریافت کرنے والا) کی حیثیت سے بہت بلند ہیں،

مشرقی تحقیقات میں انھوں نے مشرق اقصی، وسط ایشیا اور کوہ قاف کے متعلق بہت کچھ کام کیا ہے، انھوں نے سائبریا، منگولیا وغیرہ کی زبانوں اور ادبیات کے متعلق سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے، ترکیات میں بھی ان کو اولیت کا فخر حاصل ہے، کردی اور ایرانی زبانوں کے متعلق بھی انھوں نے بہت کچھ کیا ہے، وادی جیحون کی ایرانی آبادی کے متعلق بھی ان کی تحقیقات قابل ذکر ہے،

کوہ قاف کی مختلف پہاڑی زبانوں کے متعلق یا جارجیا، آرمینیا کی زبانوں کے متعلق ان کی تحقیقات وقیع ہے، اس کے ساتھ ہی ہمکو ان کارناموں کا بھی ذکر کرنا چاہئے، جو انھوں نے وسط ایشیا کی السنہ و اثریات کے متعلق پیش کئے ہیں، مضامین بالا کے متعلق روس میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ سب کا سب تقریبا ہمیشہ مفید و مستند رہے گا، اور آئندہ نسلیں بھی ان سے اسی طرح مستفید ہوں گی،

جس طرح کہ اس وقت تک ہم ان سے متمتع ہوتے رہے ہین،

روس مین ہندوستان کے متعلق بہت کم کام ہوا کیونکہ اُس کو اس سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا البتہ ان کو سنسکرت اور دوسری ہندوستانی زبانون کا صرف اس لئے مطالعہ کرنا پڑا کہ وہ اس کے ذریعہ بدھ ادبیات پڑھ سکین، روسی حکومت کے ماتحت لاکھون بدھ مذہب والے آباد ہین، ان کے عادات و مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے اس کا مطالعہ شروع کیا گیا، مغلون چینیون، اور تبتیون کے بدھ ادبیات کے مطالعہ کیلئے روسی محققین کو اکثر سنسکرت و پالی کی طرف متوجہ ہونا پڑتا تھا، ۱۸۹۷ء مین انھون نے بدھ مذہب کے متعلق سلسلۂ تصانیف کی اشاعت شروع کی اور اس کا نام "بیلوتھیکا بدھیکا" (BIBLIOTHECA BUDDHICA) رکھا، پالی اور سنسکرت کا مطالعہ ۱۹ وین صدی کی ابتدا سے شروع ہوگیا، شاہ الگزنڈر اوّل (المتوفی ۱۸۲۵ء) کے عہد حکومت مین سینٹ پیٹرس برگ مین وہ پہلا مطبع قائم کیا گیا جسمین ناگری کے حروف موجود تھے، اس سلسلہ کا سب سے بڑا کارنامہ پروفیسر بوٹلنگ (PROF. BOHTLINGK) کا لغت ہے، اس کے بعد متعدد اشخاص نے فلسفۂ السنہ کی حیثیت سے سنسکرت و پالی کا مطالعہ کیا، ان مین قابل ذکر وسیلوا (VASILIEV) اور مینا یوا (MINAYEV) ہین، موخر الذکر کے جو پالی کے استاد تھے شاگرد پروفیسر شربز کی (PROFESSOR STCHERBATSKI) بدھ فلسفہ کے مستند عالم ہین، انھون نے اس فلسفہ کے متعلق مختلف کتابین شائع کی ہین، یہ ایک قابل افسوس سانحہ ہے کہ ان کے ذہین شاگرد او روزن برگ (O. ROSENBERG) کا جن سے ہماری بہت سی توقعات وابستہ تھین ۱۹۱۹ء مین انتقال ہوگیا،

ایک دوسرے قابل ذکر ماہر ہندیات او اولڈن برگ (O. OLDENBURG) تھے انکو بدھ فنون سے خاص دلچسپی تھی، انھون نے اسی سلسلہ مین وسط ایشیا کے مدفون اور ویران شہرون کی سیاحت کی تھی اور وہان سے بہت قیمتی اشیاء حاصل کرکے اپنے ملک لے گئے تھے، وہ روسی مجلس علمی کے ناظم تھے، اس منصب نے ان کو تصنیف و تالیف کا بہت کم موقع دیا، ان کے علاوہ سنسکرت و پالی کے

دوسرے متعدد ماہر بھی روس مین ہوئے ہین،

اب ہر شخص یہ جاننا چاہے گا کہ انقلاب کے بعد ان کامون کی کیا حالت ہے، یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس ہنگامۂ دار وگیر مین مستشرقین اپنا کام بدستور کرتے رہے، نئی کتابون کی اشاعت اور تحقیقات کے کامون مین یقیناً سخت رکاوٹین پیدا ہوئین، انقلاب کے وقت جو کتابین مطبع مین جا چکی تھین، وہ مدت کے بعد شائع ہوئین، موجودہ حالات مین ماہرین فن کو سخت دقتون کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ان کو اپنی زندگی اپنی محنت سے بسر کرنی ہوتی ہے، اگر سینٹ پیٹرس برگ کے حالات سے ہم کسی نتیجہ پر پہونچ سکتے ہین، تو ہم کہہ سکتے ہین کہ وہان ان انجمنون کو نئے ناموں سے دوبارہ قائم وجاری کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، لیکن کام کرنے والون کی تعداد مین کوئی اضافہ نہین ہوا ہے، موت اور دیگر اسباب کی وجہ سے اس مین بہت کمی ہوگئی ہے، جو باقی ہین وہ اپنے اعلیٰ روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہین، اگر روس کی موجودہ حالت باقی رہی تو علمی دنیا کیلئے یہ ایک بڑی مصیبت ہوگی، یہ کام دنون کے نہین بلکہ صدیون کے ہین ان کی بربادی آسان ہے، لیکن ان کا قیام اور احیا مشکل،

(آئی ہیچ۔ کیو)

ایشیائی فنون

ایم لارنس بنیان نے برطانیہ کے عجائب خانہ مین ایشیائی فنون کے متعلق جو ذخیرہ موجود ہے، اس کو پیش نظر رکھکر اس قدیم براعظم کی صنعت وحرفت کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، لندن ٹائمس لٹریری ضمیمہ مین اس پر ایک مبسوط تقریظ شائع کی ہے، تنقید نگار لکھتا ہے،

"اس وقت سے کہ وینس، پرتگال، اور ہالینڈ کا مشرق سے اثر غائب ہوگیا ہے، انگلستان نے ان کی جگہ لے رکھی ہے، صدیون تک مشرق کی دولت ایک افسانہ تھی، لیکن گذشتہ سالون مین لوگون نے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ یہ افسانہ حقیقت پر مبنی تھا، اور وہان کی ایسی چیزون کا پتہ لگا لیا ہے جو ایک

قدیم ترین تمدن کی یادگار ہین یورپ ایران کے قالینون اور چین کے ریشمی کپڑون کو حاسدانہ نظر سے دیکھتا تھا لیکن اُسے ہندوستان کی صنعت سنگ تراشی چین کی نقاشی اور جاپان کے فنون لطیفہ کی خبر نہ تھی، اب صرف گذشتہ ۵۰ سالون سے محققین کو یہ معلوم ہوا ہے کہ ان ممالک مین صنعت وحرفت کے ذخائر موجود ہین، اور بدھ مذہب کی ترویج نے یہان کے فنون کو اسی طرح بام ترقی کے بلند ترین زینہ پر چڑھا دیا تھا جس طرح عیسائیت نے یورپ کے فنون کو، لندن مین مختلف مقامات پر مشرقی فنون کے لاتعداد نمونے موجود ہین، دو صدیون کی تلاش وجستجو نے لندن مین چین کے ریشمی کپڑون کے بہترین نمونے، ہندوستان کی بہترین سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونے، ایران اور ہندوستان کے جلد سازون کی بہترین جلدین جمع کر دی ہین، لیکن یہ فخر سر سڈنی کالون اور مسٹر بنیان ہی کی قسمت مین تھا کہ وہ چین اور جاپان کی بہترین نقاشی کے نمونے جمع کرکے دنیا کے سامنے پیش کرین، زیر تنقید کتاب مین جس قدر نمونے پیش کئے گئے ہین وہ سب کے سب برطانی عجائب خانہ سے لئے گئے ہین، ان کی عالمانہ اور دلچسپ کتاب مین عام صنعتون کو نظر انداز کر دیا گیا ہے،

اگرچہ ہندوستان اور چین کی دو بڑی قومون کے تمدن کو قدیم ترین کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ سنگ تراشی کے فن کی ابتدا سنہ عیسوی کے ساتھ ہی ساتھ یا زیادہ سے زیادہ دو سو صدی قبل ولادت مسیح مین ہوئی ہر قوم مین چوب تراشی کی صنعت اس سے بھی پہلے سے موجود تھی لیکن وہ ناپید ہوگئی ہے، چین کے تانبے کے مجسمے جنکو محققین اور تاجر دونون قدیم ترین زمانہ کی چیز بتاتے ہین، بہت بعد کے ہین، چین کی نقاشی عہد عیسوی کے ساتھ شروع ہوئی اور ان کا فن سنگ تراشی بدھ مذہب سے ارتباط کا نتیجہ ہے، ہندوستان کی ابتدائی کوشش صوری تھی جو بعد مین نہایت ارفع اور حسین ثابت ہوئی، قدیم ایرانی اثر نے اسے زیادہ حسین بنایا اور ایشیائی، یونانی تعلقات نے اس مین نزاکت پیدا کر دی، مسٹر بنیان نے اپنی کتاب مین دس صفحات کر تعلق کے اثر کو تسلیم نہین کیا ہے، اور وہ یونانی بدھی فن کے قائل نہین ہین حالانکہ اسکا فن مستقل اور باقاعدہ ہے، اور اس نے نہ صرف بدھ مذہب کے جنوبی حصہ کو متاثر کیا بلکہ جاوا اور

جاپان مین بھی اس کا اثر موجود ہے، الفنشا کے برنجی مجسمون مین بھی اثر کا رنگ نظر آتا ہے۔ ....

..... جو اثر اطالیہ نے تمام یورپ پر مذہبی منبع ہونے کی حیثیت سے ڈالا ہے اسی اثر سے ہندوستان نے بدھ مذہب کی وجہ سے تمام مشرق کو متاثر کیا ہے، سانچی اور اجنتا کے سنگ تراشی کے نمونے وہان کے کمال کے مظہر ہین، سنگالی کے تانبے کا مجسمہ ہندوستان کے اس فن کو بتاتا ہے جو مشرق کی طرف پھیلا، ان کے علاوہ ہندوستان اور چین کے ان مجسمون کے نمونے ہین جو اپنے کمال فن کی وجہ سے بہت کمیاب ہین، جاپان کی صنعت مین اس قسم کی مثال نظر نہین آتی، اس حیثیت سے اگر کوئی چیز قابل ذکر ہے تو وہ چین اور جاپان کی نقاشی کے نمونے ہین جو بڑی تعداد مین برطانی عجائب خانہ مین موجود ہین، اگرچہ جاپان مین کیفیت کو کمیت پر ترجیح ہے، لیکن پھر بھی نقاشی کے بعض نمونے اپنا جواب نہین رکھتے ....

اس کتاب کی قیمت ۴۲ شلنگ ہے، اور ٹائمس کے بک کلب لندن سے مل سکتی ہے،

حیات مالک

امام مالک کے سوانح، مدینہ کی مجلسین صحابہ اور تابعین کا علمی انہماک حدیث کی تدوین، مدینہ کی فقہ، اسلاف کے اخلاق وسیرۃ کی تصویر اور حدیث کی پہلی کتاب موطا کی خصوصیات اس کتاب مین نظر آئینگی، قیمت عہ

"مینجر"

اخبار علمیہ

جس طرح پانی ایک رقیق چیز ہے، اسی طرح ہوا بھی ہے، قدرت نے پانی مین رہنے والے جانورون کی خاص شکل وصورت بنائی اس سے ان کو آبی سفر مین کوئی دقت نہین ہوتی اور نہ ان کی قوت مین کمی ہوتی ہے، اسی نظریہ کو سامنے رکھکر جرمنی کے ایک ماہر سائنس نے ایک ایسی موٹر بنائی ہے جسکی شکل بالکل مچھلی کی سی ہے، اور وہ ہوا کی رقیق فضا مین مچھلی کی طرح نہایت تیزی سے سفر کرتی ہے، اس کے ساتھ تیل وغیرہ کے خرچ مین بھی تقریباً ایک ثلث سے بھی زیادہ کی بچت ہوتی ہے،

انگلستان کی عشرت پسند آبادی جس طرح اپنی آرایش وزیبایش اور اخلاق سوز اعمال مین مبتلا اور مشغول ہے اس کا ثبوت ذیل کے چند واقعات دین گے، لندن کے رقص خانون مین اب تک عام پنکھے استعمال کئے جاتے تھے لیکن اب ان کی جگہ ایسے پنکھے استعمال کئے جاتے ہین جنکے بازوؤن پر فاسفورس کی پالش ہوتی ہے جب تک تیز روشنی ہوتی ہے، یہ بازو عجیب وغریب رنگون کے مجموعے معلوم ہوتے ہین لیکن جون ہی روشنیان کم ہوجاتی ہین، وہ اپنی سنہری شعاعون سے تمام کمرہ کو حسین اور حاضرین کے لباسون کو دلکش بنا دیتے ہین،

انڈونیشیا کی شراب اہل لندن کو بہت مرغوب ہے گذشتہ سال انگلستان مین صرف ۵،۱۷،۰۰۰ گیلن شراب خرچ ہوئی،

پہلی ستمبر ۱۹۲۲ء سے ۲۸ فروری تک انگلستان مین موٹرون کے لائسنس کی فیس سے جو رقم وصول ہوئی اس کی تعداد ۲۰۰۰۰۰۰ پونڈ ہے، اسوقت انگلستان مین ۱۰۶۷۰۰۰ موٹر اور گاڑیان ہین،

انگلستان کے گذشتہ سال مین اخراجات کا اندازہ ۹۵۷۰۰۰۰ پونڈ لگایا گیا تھا، لیکن واقعی خرچ اس سے ۱۱۸۷۰۰۰۰ پونڈ زیادہ ہوا، اس سال کے خرچ کا اندازہ ۹۹۴۰۰۰۰ پونڈ ہے، انگلستان کے متعدد ذرائع آمدنی کا اساس منصبہ ذیل اندازہ کیا گیا ہے،

چنگی اور منشیات ..... ۲۳۹۲۶۰ پونڈ، موٹرون کی فیس لائسنس ..... ۱۷۵ پونڈ، جائداد وغیرہ ..... ۷۶۵۰ پونڈ، کاغذات عدالت ..... ۲۴ پونڈ، محصول جائداد وغیرہ ..... ۱۶ انکم ٹیکس ..... ۲۶۲ رات کے کھانے کا ٹیکس ..... ۳۳۴۰ پونڈ، منافع منشیات ..... ۲۴ پونڈ کارپوریشن ..... ۹ پونڈ، ڈاکخانہ ..... ۵۷ پونڈ، شاہی جائداد ..... ۹ پونڈ، سود ..... ۲۶ پونڈ، متفرقات ..... ۴۴ پونڈ، میزان ..... ۱۰۶۰۸۰ پونڈ،

آئندہ سال انگلستان اور نیویارک (امریکہ) کے مابین تار کا ایک جدید ترین سلسلہ کا قیام عمل مین آئیگا، اس کے ذریعہ سے ایک منٹ مین ۲۵۰۰ حروف بھیجے جا سکین گے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ حال مین جرمن موجد نے اس قسم کا جو تار ایجاد کیا تھا، اس سے اس مین ۵۰۰ حروف فی منٹ زیادہ ارسال کرنے کی قوت ہے،

انگلستان مین بیکاری روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور حکومت کو اس خوف سے کہ بیکار دور کہین اشتراکیین کے جال مین نہ پھنس جائین ان کے لئے ایک کثیر رقم خرچ کرنی پڑتی ہے، اندازہ لگایا گیا ہے کہ پچھلے سال اس مد مین تقریباً ..... ۲۵ پونڈ سالانہ یعنی ..... ۵۹ پونڈ فی ہفتہ خرچ ہوتے ہین،

جہان دنیا مین اب علوم و فنون، مذاہب، معاشرت کی بین الاقوامی مجالس ہوتی ہین، وہان امریکہ نے گذشتہ ماہ مین انتہا دینے والون کی بین الاقوامی مجلس کا انعقاد کیا، اِس مجلس کی شرکت کے لئے انگلستان سے سر ولیم وینو تشریف لے گئے تھے،

انسان دنیا مین کسی چیز کو بیکار نہین چھوڑنا چاہتا، مذبح مین خون جمع ہوتا تھا، وہ اب تک صرف کھیتون کے کام آتا تھا، لیکن اب بعض کمپنیون نے اس سے بٹن گراموفون کے ریکارڈ اور اسی قسم کی دوسری تجارتی چیزین بنانی شروع کردی ہین،

مسٹر ملکالم کمبل جو انگلستان مین موٹرون کے بڑے استاد تسلیم کئے جاتے ہین اور جو موٹرون کی دوڑ مین بہت زیادہ مشہور ہین، آئندہ دوڑ کیلئے ایک بہت بڑا موٹر تیار کر رہے ہین جسکی مثال اب تک موجود نہین، یہ موٹر فی گھنٹہ ۳۰۰ میل کی رفتار سے سفر کریگا، اس مین ۴۵۰۰ گھوڑون کی طاقت ہوگی اور اس کے پہئے ہر منٹ مین ۴۵۰۰ چکر پورے کرین گے، اگر یہ موٹر عام طور سے چلنے والی ہوتی تو اس کے مالک کو ۴۵۰ پونڈ فیس دینی ہوتی،

چڑیون، مچھلیون، ٹڈیون کے متعلق تو لوگ عموماً جانتے ہین کہ وہ اکثر ایک ملک سے دوسرے ملک کو ہجرت کرتی رہتی ہین، لیکن اِس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہون گے کہ تتلی جیسی نازک مخلوق بھی چار چار ہزار میل کا سفر کرکے ایشیا سے یورپ پہونچتی ہے، مسٹر سی، بی، ولیم جو مصر کے محکمۂ زراعت کے افسر ہین ان کا مطالعہ کیا ہے، وہ رسالہ نیچر مین لکھتے ہین کہ یہ تتلیان جنوبی افریقہ اور ایشیائے کوچک کے درمیان والے شمالی مشرقی صحرا کے قریب جو انگلستان سے تقریباً ۲ یا ۳ ہزار میل دور ہے، پیدا ہوتی ہین، ابتدائے

بہار مین وہان سے روانہ ہوکر اپریل مین بحرروم کے جنوبی ساحل پر پہونچتی ہین، وہ فلسطین سے شام اور ترکی ہوتی ہوئی اور بلقانی حکومتون کو عبور کرتی ہوئی مصر طرابلس، اور الجزائر کے راستہ جنوبی یورپ مین پہونچتی ہین، آخرمئی یا ابتداے جون مین انگلستان پہونچتی ہین، اور ایک ہفتہ بعد اسکاٹلینڈ بعض تیلیان، آئس لینڈ مین بھی پائی گئی ہین جو تقریباً ۴ ہزار میل ہے،

مسئلہ سود سے دلچسپی رکھنے والون کیلئے یہ خبر یقیناً عجیب ہوگی کہ یہودیون کی آزاد خیال جماعت نے اس بات کی نہایت سختی سے تحریک شروع کی ہے کہ آئندہ سے یہودی قرض دینا بند کردین، ان کے مذہبی پیشوا اسرائیل منک کا بیان ہے کہ ہم یہ تحریک اس لئے نہین کرتے کہ یہودی اس حیثیت سے بدنام ہین بلکہ اس لئے کہ یہ ہمارے مذہبی احکام کے سراسر منافی ہے،

اس وقت انگلستان کے صرف دارالسلطنت لندن مین ٹیلیفون جس کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے اسکا اندازہ صرف اس بات سے ہوسکتا ہے، کہ وہان اس وقت ۴۰۰ کم ۵۰۰۰۰۰ ٹیلیفونون سے کام لیا جارہا ہے

حال مین انگلستان کے ایک علاقہ ہیٹس مین وہان کے مقتولین جنگ کی یادگار مین ایک گرجا تعمیر کیا گیا ہے، اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ وہ دنیا کا سب سے چھوٹا گرجا ہے،

لندن کی مجلس حیوانیات نے جو رپورٹ شایع کی ہے، اسمین لکھا ہے کہ اس سال اس کے زندہ عجائب خانہ کو دیکھنے کے لئے ۱۴۶۲۰۰۵۰ آدمی آئے اور یہ تعداد ہر سال سے زیادہ ہے، ان لوگون سے جو آمدنی ہوئی اس کی تعداد ۷۰۹۷۰ پونڈ ہے،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

باقیات صالحات ترکانِ عثمانی

مولانا شبلی مرحوم کا ایک ناتمام غیر مطبوعہ کلام،

اے کہ ....[1] جہان را سر و سودا با تست
اے کہ سرمایۂ صد یاس و تمنا با تست

ساز نیرنگی و صد نغمۂ رنگین داری
لوحِ ارژنگی و صد پیکرِ زیبا با تست

زاہد ستی کہ سرِ صدق و صفا ہست ترا
شاہد ستی کہ دلآویزِ ادا ہا با تست

یادگارِ حشم دیلم و سلجوق استی
شرحِ ہنگامۂ بغداد و بخارا با تست

داستانہائے عزیزان ہمہ از بر داری
خبر از قافلۂ یثرب و بطحا با تست

آن پراگندہ نژاد عرب و نسل عجم
یعنی آن مصحفِ اسلام مجزا با تست

گرچہ شیرازۂ ملت ہمہ ابتر شدہ است
ورقے چند پراگندہ ہمہ جا با تست

گرچہ آن تازہ چمن رفت بہ تاراجِ خزان
باز ہم بوی خوشے زان گلِ رعنا با تست

گرچہ زان میکدہ اکنون اثرے نیست بہیچ
جرعۂ چند ازان شیشۂ و مینا با تست

بے نوائی و ہمہ با سر و سامانِ ہستی،

قطرۂ ہستی و آبستنِ طوفان ہستی،

[1] معارف:- یہان پر کوئی پانچ حرفی لفظ مسودہ مین مولانا کے قلم سے چھوٹ گیا ہے، شاید کہ "نیرنگ" کا لفظ ہو، کیونکہ یہ لفظ اس موقع پر مولانا کے قلم سے کبھی کبھی ادا ہوا ہے،

ادبیات

غزل

از
سید ماجد علی صاحب ماجد بی، اے، ایل، ایل، بی، الہ آباد،

حقیقت کا پتہ اس کو ملا شوریدہ سر ہو کر		ترے وحشی نے کھوئے دونوں عالم دربدر ہو کر
سرِ محفل جو اٹھی تھی کسی کی اک نظر ہو کر		وہ پہلو مین ہمارے رہ گئی چاک جگر ہو کر
یہ مانا ہم نے دیوانہ رہے گا دربدر ہو کر		نہ بیٹھوگے مگر ہان تم بھی اس سے بے خبر ہو کر
نہین معلوم کس نے کس نظر سے ہمکو دیکھا تھا		کہ پہلو مین جگر رہنے نہ پایا پھر جگر ہو کر
ابھی ہے شامِ غم اور درد دل کی حد نہین ملتی		مرے اللہ کیا ہوگا شب غم کی سحر ہو کر
صدا پیدا ہوئی زندان مین جو کروٹ بدلتے		وہ پہونچی خود نگاہِ ناز مین دردِ جگر ہو کر
کسی کو دیکھکر اک آہ کی، پھر بند کین آنکھین		کہانی یون رہی بیمار غم کی مختصر ہو کر
جھکا تھا سر مرا اور ہاتھ دل پر تھے قیامت مین		یہ اپنی عمر بھر کی داستان تھی مختصر ہو کر
کیسکی ایک مشتِ خاک اپنے دوش پر رکھے		چلی ہے آج صحرا سے صبا یون نامہ بر ہو کر
وطن سے دور اک میت پڑی ہو تو خبر کو ئی		زبانِ حال سے کہتے ہین کانٹے نوحہ گر ہو کر
کہان اور کون اپنے آشیان کو یاد کرتا ہے		کہ اک جانب کو تنکے کچھ اڑے جاتے ہین یہ ہو کر
چمن والو خدا پر خشش کبھی اسکی بھی لازم ہے		جو تم سے دور بیٹھا ہے کہین بے بال و پر ہو کر
لرزتی ہے زمین حشر اک عبرت کا عالم ہے		شہیدان وفا اٹھتے ہین اپنے خون مین تر ہو کر
مزا دنیا مین جینے کا بقدر درد ہے ماجد		بھلا نالہ ہو ل کیا کرے گا با اثر ہو کر

غزل

از

سید مشوق حسین صاحب اطہر ہاپوڑی وکیل جے پور

قفس مین دل جو تڑپتا ہے آشیان کیلئے
دعائین منہ سے نکلتی ہین باغبان کیلئے

زبان کھلی نہ مری شکوۂ بتان کیلئے
وفائین مہر ہوئی ہین لب و دہان کیلئے

گلہ کرون گا ترا اس زبان سے کیونکر
کھلی نہ جو گلۂ جورِ آسمان کیلئے

شبِ فراق مقدر مین میرے کیون لکھی
دعائین مانگی تھین کب عمرِ جاودان کیلئے

سزائی آہ و فغان انتقام مہر و وفا
ہزار حیلے ہین عاشق کے امتحان کیلئے

ہوا ہے عشق مین جی زندگی سے سیر ایسا
کہ مانگتا ہون دعا مرگ ناگہان کیلئے

اسی پہ ٹوٹ کے بجلی گری ہے گلشن مین
جو ہم نے تاکی تھی اک شاخ آشیان کیلئے

ملے جو خواب کہین، دیکھے طالع بیدار
خرید لون اُسے مین انکی پاسبان کیلئے

نہین یہ رشک گوارا کہ دردِ عشق ترا
وہی ہمارے لئے ہو وہی جہان کیلئے

پھپھولے ہمین بھی ہین ہمین بھی تب نہ سے
مزے جو دل کیلئے ہین وہی زبان کیلئے

وفا مین غیر سے میرا مقابلہ ہی سہی
بہانہ چاہئے آخر کچھ امتحان کیلئے

وہی کلیم کے حصہ مین آگئی اطہر
جو برقِ طور تھی میرے دلِ تپان کیلئے،

بابُ التّقریظ والانتقاد

جاپان اوراُس کا تعلیمی نظم ونسق

مصنفہ، نواب مسعود جنگ سیدراس مسعود ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن،

مترجمہ، مولوی عنایت اللہ صاحب بی، اے ناظم شعبۂ ترجمہ وتالیف حیدرآباد

شاید ناظرین کو یاد ہو کہ چند سال ہوئے، کہ سرکار نظام نے جناب سیدراس مسعود صاحب کو جاپان بھیجا تھا تاکہ وہ وہان جاکر وہان کے تعلیمی حالات کا مطالعہ کرین اور مملکتِ نظام کی فلاح وبہبودی کے لئے مقابلۃً جو تجویزین مفید نظر آئین، اُن کی رپورٹ پیش کرین، یہ موجودہ تصنیف اسی شاہی فرمان عالی کی تعمیل ہے،

سب سے پہلے ہم اِس بات پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہین، کہ یہ کوشش اردو کیلئے ایک خاص حیثیت سے نہایت حوصلہ افزا ہے، ہماری زبان مین جو کتابین اس وقت لکھی جارہی ہین، ان مین زیادہ مردہ ہڈیون کے اکھیڑنے کا کام انجام پارہا ہے، جدید علوم کے جو ترجمے اردو مین کبھی کبھی ہوتے ہین ان مین بھی اگر کسی بوسیدہ لاش کو مومیائی کے ذریعہ سے زندہ دکھانا مقصود نہین، تو کم ازکم کسی تازہ لاش پر عمل جراحی سے زیادہ اس کی حیثیت نہین اُردو مین کسی حاضرو موجودہ وقت مسئلہ پر براہ راست تصنیف کا مرحلہ ابھی کوسون دور ہے، اِس بنا پر یہ تصنیف ایک حدتک اردو کیلئے ایک نئے باب کا افتتاح ہے یعنی ایک حاضر الوقت مسئلہ پر تازہ معلومات وذاتی شاہدات کا مجموعہ ہے،

مگر چونکہ اس راہ مین تیزروی اُردو کیلئے زیادہ مناسب نہ تھی اس لئے مسئلہ ارتقاے تدریجی کو ملحوظ

رکھ کر یہ کیا گیا کہ اردو جامعۂ عثمانیہ کے فائدہ کی غرض سے نیز مملکت نظام مین اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تحریک کے لئے ہمارے مصنف نے اپنے خیالات ریورٹ کی صورت مین انگریزی مین لکھ کر پیش کئے، اور اردو کے مشہور ماہر ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب بی، اے خلف الرشید شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ مرحوم، جو پریچنگ آف اسلام کے ترجمے کے باعث اپنی طالب العلمی ہی سے ترجمہ کی سلاست و روانی، اور صحت کیلئے مشہور ہین، ان کو اردو کے قالب مین ڈھالا، جہان تک ترجمہ کا تعلق ہے جناب مترجم کی خوبیان تعریف سے مستغنی ہین،

اصل کتاب ۲۸۴ صفحون پر حسب ذیل ۱۴ بابون مین تمام ہوئی ہے،

پہلا باب، ملک (جاپان) اور ملک کے لوگون کے خصائل،

دوسرا باب، جاپانیون کا مذہب،

تیسرا باب، شوگنون (موروثی وزراے جاپان) کی اصل، پرتگیزون کا جاپان کو دریافت کرنا سینٹ فرانسس زیویر کا ملک مین وارد ہونا،

چوتھا باب، داعیان مذہب عیسوی کے ساتھ نوبوناگا اور ہیڈی یوشی کا برتاؤ،

پانچوان باب، داعیان مذہب عیسوی کا ملک سے نکالا جانا، جاپان کا غیر ملکیون سے اپنے تئین علیحدہ کر لینا،

چھٹا باب، شوگنی حکومت، توکوگاوا مین امن و سلامتی کا زمانہ،

ساتوان باب، مغربی علوم کی تحصیل،

آٹھوان باب، شروع کے حامیان تعلیم مین سب سے بڑا شخص،

نوان باب، کموڈور پیری کا وارد ہونا سب سے پہلے عہدنامجات پر دستخط،

دسوان باب شوگنی حکومت کا زوال،

مضامین کے ساتھ چند نقشے بھی ہین جنمین صوباتی دصوبون کی حکومت کا ناگاوا صوبہ کا ناگاوا مین تحت صوباتی حکومت صوبہ کا ناگاوا مین دیہاتی یا قصباتی حکومت شہر یوکو ہاما کی بلدی (میونسپل) حکومت کے نقشے ہین، دو تعلیمی نقشے ہین جن مین سے ایک مین تعلیمی اداروکا باہمی تعلق دکھایا گیا ہے، اور دوسرے مین جاپانی

مدارس کی باہمی تنظیم نمایان کی گئی ہے،

اِس تفصیل سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ کتاب کس جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے، اگرچہ موضوع کی خصوصیت کے لحاظ سے شروع کے چھ باب غیر ضروری معلوم ہوتے ہین، مگر ہندوستان مین جہان لوگ جاپان کے اندرونی خصائص اور تاریخِ ترقیات ہی سے واقف نہین، اِن تمہیدی بابون کا بڑھانا زیادہ نامناسب نہین کہا جاسکتا، اِسی لئے مصنف نے اِس تطویل کے لئے دیباچہ مین اپنی معذرت بھی ظاہر کردی ہے،

شائد ناظرین کو یہ امر تعجب انگیز معلوم ہو کہ ایک ہندوستانی ریاست کو اپنے ملک کے تعلیمی امکانات پر غور وخوض کرنے کے لئے اپنے ایک تعلیمی افسر کو یورپ کے ترقی یافتہ ممالک کو چھوڑ کر جاپان کو وہان کے تعلیمی نتائج کے مطالعہ کرنے کی غرض سے کیون بھیجا؟ مگر اس کی مصلحتین بالکل ظاہر ہین، سرکار نظام ہندوستان کی پہلی حکومت ہے جس نے اِس راز کو پالیا اور اِس پر عمل کرنے کی کوشش کی کہ جب تک لڑکون کو تعلیم ان کی ملکی زبان مین نہ دی جائے گی، اور مغربی علوم کے ترجمے خود ان کی زبان مین منتقل نہ ہون گے، اہل ملک مین علمی ذوق اور تعلیمی ترقی پیدا نہین ہوسکتی، اور نہ طلبہ کے دماغ علوم کے زیر پردہ اسرار تک پہونچ سکین گے اور نہ علم کا اصلی مزہ ان کو آسکتا ہے جب تک ہماری تعلیم غیر ملکی زبان کے ذریعہ سے رہیگی، ہمکو علوم بیگانہ باہر سے آئے ہوئے اور بالکل عاریت اور منگنی کے معلوم ہون گے، اور یہ شئی علم کا اصلی ذوق پیدا ہونے نہین دیتی، ایک غیر زبان مین خواہ کسی قدر آپ کامل ہون مگر جس قدر آپ کو اپنی مادری زبان کی شاعری مین لطف آسکتا ہے دوسری زبان کی شاعری مین نہین آسکتا یہی حال علوم کے ذوق کا بھی ہے غیر ملکی زبان کی تعلیم مین دو دقتین ایک ساتھ ہوتی ہین، ایک الفاظ وعبارت اور زبان کی، اور دوسرے مطالب ومعانی کی، اور اپنی زبان کی تعلیم مین الفاظ وعبارت اور زبان کا بار نہین رہتا، صرف مطلب ومعنی کو سمجھنا اور اس کو تحقیق کرنا رہ جاتا ہے، اس لئے، یہ ترقی کا قریب ترین اور آسان ترین راستہ ہے،

اِس حیثیت سے کہ مشرقی قوم کو مغربی علوم وفنون کو اپنی زبان مین منتقل کرکے، اور اس کو ذریعۂ تعلیم

بنانے مین کیا مشکلات ہین، اوران کے حل کرنے کی کیا تدبیرین ہین؟ اگر کوئی مشرقی ملک اپنے تجربون اور عملی مثالون سے ان کی گرہ کھول سکتا ہے تو وہ جاپان ہے جس نے تمام مغربی علوم کو ایک مدت ہوئی کہ اپنی زبان مین منتقل کیا اور اس کو ذریعۂ تعلیم بناکر اس کے فرضی امکان کو عملی وقوع کی صورت مین پیش کردیا، اس لئے مملکتِ نظام کو اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے اس ملک کے نشانِ قدم کو دیکھنا ضرور تھا جو اسی راستہ سے چل کر مقصود کی منزل تک پہونچا ہے، اور اس کے لئے یقیناً یورپ کا کوئی ملک اس کی دست گیری نہین کرسکتا تھا،

اس کتاب کو پڑھکر جاپان کی تعلیمی کوششون کا جو اندازہ ہوتا ہے وہ عجیب حیرت انگیز ہے تعلیم کے ہر شعبہ کے نصاب پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جاپانی تعلیم مین سب سے اوّل جس چیز کو جگہ دیگئی ہے وہ جاپان کو ایک مرکزِ اتحاد مین پیوستہ کرنے کا خیال ہے، جو "مقدس شہنشاہِ جاپان" کی ذات ہے، اسلئے اس رشتۂ اتحاد کو جہان جمع ہوکر تمام جاپانی افراد اپنے اس "مقدس باپ" کے زیر سایہ ایک خاندان کے ارکان بنجاتے ہین، ہر تعلیمی شعبہ مین مضبوط اعتقاد کی ڈوری سے باندھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہان تک کہ "حب وطن" کا جذبہ جس کو آج تمام ملکون کے اعتقادیات کا سب سے پہلا اصول سمجھا جارہا ہے اس کو بھی وہان دوم درجہ کی اہمیت ہے، تاہم وہ بھی تعلیم کا ایک ضروری عنصر بتایا گیا ہے،

ذات شاہانہ کی عقیدت کے ساتھ ساتھ جو جاپان کو ایک قوم بناتی ہے، دوسری چیز جو اس کی تعلیم کا مایۂ خمیر ہے اور جو کہین اور کسی شعبہ مین نظر انداز نہین کی گئی ہے، وہ قومی اخلاق اور قومی عنصریت کی نشوونما اور تکمیل ہے، صنعت وحرفت کی تعلیم کو غالباً اس قسم کی چیزون سے کوئی تعلق نہین، تاہم ہمکو اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فنون کے تعلیمی نصاب مین بھی اس کو نہین چھوڑا گیا ہے، اور اخلاقیات کو ہمیشہ اولین جگہ دی گئی ہے،

"اخلاقیات" کا مفہوم کیا ہے، اس کی تشریح ہم کو کتاب کے صفحہ ۲۸۴، اور اس کے بعد پر ملتی ہے،

"ادنیٰ خواندگی" کے نصاب مین اخلاقیات کا مفہوم "قومی اخلاقیات" مین "اعلیٰ خواندگی" کے ذیل مین اس کی تشریح یہ ملتی ہے، "اخلاقیات کا خاکہ، انصاف اور نیکو کاری، ایک ملک کی بنیادی ترقی ہمارا قومی چین" "تکمیل تحصیل خواندگی" "اخلاقیات یعنی قومی اخلاقیات" کا عنوان نظر آتا ہے، تجارتی تعلیم مین بھی ہم ادنیٰ اور اعلیٰ دونون خواندگیون اخلاقیات کو پہلے درجہ پر پاتے ہین، ادنیٰ خواندگی مین اخلاقیات کے ماتحت "قومی اخلاق کا خاکہ" اور اعلیٰ خواندگی مین اخلاقیات کا مفہوم "ایک شہری کے فرائض" پاتے ہین، کاریگرون کے تعلیمی نصاب مین بھی یہ چیز نظر انداز نہین کی گئی ہے، چنانچہ اس کی ابتدائی خواندگی مین روزمرہ کا اخلاق اور وسطانی مین "ایک قوم کے فرائض" کی تعلیم ملتی ہے، ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ جس قوم کی تعلیم کا بنیادی پتھر اخلاقیات ہون، اس کا قومی کیرکٹر کتنا بلند، پکا اور مضبوط ہوگا،

ہمارے ہان تعلیم کے کسی شعبہ مین داخل ہونے کیلئے جو قید سب سے زیادہ سنگین لگائی جاتی ہے، وہ فیس کی کمی زیادتی ہے، جو لڑکا خواہ وہ کتنا ہی بدتر یا بہتر ہو، مختلف کالجون کی گران قدر فیس ادا کرسکے وہ ان کے لئے ہر طرح موزون ہے، لیکن جاپانی مدارس مین طلبہ کی انتخابی قید کے لئے، جو چیز ہم کو ہر جگہ نظر آتی ہی وہ یہ ہے کہ، "طالب علم کی تندرستی اور چال چلن اچھا ہو، اور ارادہ کا پکا ہو"

رقبہ مین جاپانِ خاص تقریباً (۱۴۲۰۰۰) مربع میل ہے، اور اخیر مردم شماری مین جو ۱۰ جولائی ۱۹۲۰ء کو ہوئی، اس کی آبادی (۵۵۹۶۱۴۰) تھی، اور سلطنت جاپان کی کل آبادی جس مین کوریا، فارموزہ جزائر سگالین وغیرہ شامل ہین (۷۷،۰۰۵۵۱۰) تھی، مصنف نے بتایا ہے کہ یہ رقبہ مملکت نظام کے رقبہ سے دوچندے کچھ کم ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے جاپان چار چند سے زیادہ ہے، اور اگر آمدنی اور تعلیم کا حساب لگایا جائے، تو خدا جانے یہ فرق اور کس قدر زیادہ نمایان ہو، لیکن یہ امر مملکتِ نظام کیلئے اس حالت مین کبھی شرم کا باعث نہین جب ۳۱ کرور آبادی والا ہندوستان بھی جاپان کی اس آبادی کے مقابلہ مین تعلیم و آمدنی کے لحاظ سے صفر محض ہو،

"جاپان کا مذہب" کے عنوان سے اس کتاب میں ایک دلچسپ بات ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جاپان کا قدیم مذہب شنٹو مذہب جو خاص جاپان ہی کی پیداوار ہے، اس کے اصول یہ ہیں کہ جاپان دیوتاؤں کا جنکو وہ کامی کہتے ہین ملک ہے شہنشاہ جاپان، کامی کا خاص فرزند ہے، دیگر شرفا اعام افراد بھی درجہ بدرجہ کامی کی اولاد ہین، مردون کو اپنے سے خوش رکھنا چاہئے، اور مختلف رسوم کے ذریعہ سے ان کو خوش رکھنے کی تدبیرین کی جاتی ہین،

صفائی اور پاکیزگی اس مذہب کی بڑی تعلیم ہے، اسی لئے آج بھی اس چیز مین جاپانیون کا کوئی حریف نہین ہوسکتا، ابتدائی عہد عیسوی مین چین کے تمدن کے ساتھ ساتھ چین کا مذہب کنفیوشس یہان پھیلنے لگا، قرون وسطی مین بودھ مت نے وہان فروغ حاصل کیا، سترہوین صدی مین طباعت کے رواج کے بعد کنفیوشس لٹریچر کی ترقی نے اس مذہب کو ازسرنو زندہ کردیا، اس مذہب کے اصل الاصول صرف دو ہین "اخلاق اور نظم حکومت"، ان دونون کے ایسے تفصیلی امور پر یہ مذہب مبنی ہے، جو روزمرہ پیش آتے ہین، اور والدین اور سیاسی حاکمون کی بلاعذر اطاعت ان کا بنیادی پتھر ہین،

چھٹی صدی عیسوی کے وسط مین بودھ مت جاپان پہونچا، بدھ مت کے پروہتون نے یہ کیا کہ شنٹو دھرم کے دیوتاؤن کو قدیم بودھون کا اوتار ظاہر کرکے اپنے معبدون مین انکو جگہ دی، اس تدبیر سے بودھ مذہب نے وہان بڑی ترقی کرلی، اس مذہب کی تعلیم یہ تھی کہ علم یا قلب کی روشنی سے نجات حاصل ہوسکتی ہے، اور خودی کو کمال تک پہونچانا ذریعۂ نجات ہے، بقاے حیات کا حصول، یا دیوتاؤن کے سامنے ان کی ستایش اور منت گزاری مین عمر بسر کرنا آخری مقصد نہین ہے، بلکہ قطعاً نروان (نیستی) مین فنا ہوجانا، روح کی آخری منزل ہے، بودھ مت کی تعلیم نے جاپانیون کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے، اور اب تک ان مین اکثر اسی دھرم پر قائم ہین، سولھوین صدی کے وسط مین عیسائی مذہب جاپان مین داخل ہوا، اور اس کے اخلاقیات نے ایک حد تک قبولیت حاصل کی، اس وقت جاپان کا عمومی مذہب انھین مذہبون

کی ایک مخلوط شکل ہے یعنی مذہبی رسوم شنٹومت کے ہین، عقائد بودھ کے ہین اور اخلاقیات کنفیوشس اور مسیحیت کے ہین، خدا کا تخیل ان مین نہین لیکن دیوتاؤن کا وجود اب تک جدید تعلیم کے باوجود اس سرزمین مین باقی ہے، اسی بنا پر جاپانی نصاب تعلیم مین مذہبی تعلیم جن معنون مین ہم سمجھتے ہین، موجود نہین لیکن اخلاقیات کی تعلیم پر پورا زور ہے،

جاپانی نظم تعلیم مین ایک اور بات نمایان ہے کہ اہل جاپان اپنی تعلیم کا زیادہ بار حکومت پر نہین ڈالتے، بلکہ خود اٹھاتے ہین، چنانچہ جاپان مین کنڈرگارٹن مدارس کی تعداد (۶۱۲) ہے، ان مین سے صرف دو سرکاری ہین، باقی (۲۵۲) پبلک (عوام) کے ہین، اور (۳۵۸) نج کے ہین، ابتدائی مدارس وہان (۲۵۶۲۵) ہین جنمین چار سرکاری، (۲۵۴۸۵) پبلک ہین، اور (۱۶۴) ذاتی ہین،

تعلیم اس ملک مین جبری اور لازمی ہے، اس لئے جاپان کا ہر ایک شہر، قصبہ اور گاؤن مجبور ہے کہ اس کے علاقہ مین جس قدر بچے مدرسہ جانے کی عمر رکھتے ہون ان سب کی تعلیم کے لئے اس قدر معمولی ابتدائی مدارس قایم اور جاری کرین جو ان سب کے لئے کافی ہون، ان مدرسون کی تعداد اور ان کے قایم کرنے کے موقعے حکام، مقامی افسرون کے مشورہ سے مقرر کرتے ہین، ان مدرسون مین تعلیم کا وقت عموماً ۸ بجے صبح سے سہ پہر تک ہوتا ہے، ایسے موسمون مین جب کاشت کارون کو بہت کام ہوتا ہے، تمام دیہاتی مدارس ایک دو ہفتہ کیلئے، بند کر دیئے جاتے ہین،

معمولی ابتدائی مدارس مین ذیل کے مضامین پڑھائے جاتے ہین، اخلاقیات، جاپانی زبان، حساب، تاریخ جاپان، جغرافیہ جاپان، مبادی سائنس، نقشہ کشی، گانا، جسمانی ورزشین، سینا، کوئی دستکاری یا کوئی اور کام،

وسطانی مدارس (مڈل اسکولس) کی تعداد (۳۳۴) ہے، ان مین دو سرکاری (۲۴۸) پبلک اور (۸۴) ذاتی ہین، ان مین حسب ذیل مضامین پڑھائے جاتے ہین، اخلاقیات، جاپانی اور چینی ادبیات،

کوئی غیر زبان جو بالعموم انگریزی ہی ہے، تاریخ جاپان اور جغرافیۂ عالم، ریاضی، طبعیات، قدرتی اشیاء کی تصویر کشی، گانا، جسمانی ورزشیں چھٹی، اور پانچویں جماعتوں مین موسیقی بجائے کیمیا اور زراعت یا تجارتی کفایت شعاری کی تعلیم دیجاتی ہے،

تمام موجودہ مدارس اعلیٰ کی تعداد (۱۷) ہے، اِن کی دو شاخیں ہین ادبیات اور سائنس کی شاخ ادبی شعبہ مین ذیل کے مضامین پڑھائے جاتے ہین، اخلاقیات، جاپانی زبان و جاپانی و چینی ادبیات انگریزی یا جرمن اور فرانسیسی مین سے کم از کم ایک زبان، تاریخ و جغرافیۂ جاپان، تاریخ و جغرافیۂ عالم، مبادی فلسفہ، نفسیات اور منطق، وضع قوانین اور سیاسی معاشیات، ریاضی، علم طبعی، ورزشہائے جسمانی، سائنس کی شاخ مین یہ چیزیں پڑھائی جاتی ہین، اخلاقیات، جاپانی زبان و جاپانی و چینی ادبیات، انگریزی جرمن، فرانسیسی مین سے کم از کم ایک زبان، ریاضی، طبعیات، کیمیا، نباتیات و حیوانیات، معدنیات طبقات الارض، نفسیات، وضع قوانین و معاشیات سیاسی، نقشہ کشی، ورزشہائے جسمانی،

جامعات یا یونیورسٹیاں جاپان مین سرکاری پانچ ہین، اور یہ کل براہ راست وزیر تعلیم کے تحت ہین، اور وہ شہنشاہی یونیورسٹیاں کہلاتی ہین، پہلا ٹوکیو کا شہنشاہی جامعہ، دوسرا کیوٹو کا، تیسرا ٹوہوکو کا، چوتھا کیوشو کا، پانچواں ہوکیڈو کا، ان مین سے ہر جامعہ کی وسعت اور شعبوں کی کثرت اس قدر ہے کہ یہ چند صفحے ان کے متحمل نہین ہوسکتے،

اِس موقع پر ایک جملۂ معترضہ ہے، جامعہ کا لفظ یونیورسٹی کے لئے اردو مین چل گیا ہے مگر اِس لفظ کا مذکر یا مونث ہونا فیصل نہین ہوا ہے، اِس کتاب مین جامعہ کو مونث استعمال کیا گیا، اور شاید جامعہ ملیہ مین بھی اس کو مونث ہی بولتے سنا ہے، اور شاید اِس لئے، کہ یہ یونیورسٹی کے ہم معنی ہے، جو اردو مین مونث ہے، مگر ظاہر ہے اردو کے قاعدہ سے یونیورسٹی کی تانیث کے لئے (ی) کا وجود سفارش کرتا ہے، جامعہ کے لئے یہ صورت نہین ہے، ہم جامعہ کی اصل مدرسہ جامعہ سمجھتے ہین، اس لئے مدرسہ کی طرح اس کو

مذکر بولتے ہین، اور دوسرون کو بولتے سننا چاہتے ہین، اور اگر جامعہ کی عربی تانیث کا خیال ہے تو مدرسہ کو بھی مونث بولئے، یہ ممکن ہے کہ آگے چل کر جامع مسجد کی طرح جامعہ بھی کثرت قبول اور اتفاق عام کی سند سے مونث ہو جائے، اسی طرح صفحہ ۴۴ مین شعبہ کی جمع "شوابع" نہ صرف ناگوار بلکہ غلط ہے، اگر ہوتا بھی تو "شواعب" ہوتا نہ کہ "شوابع" اگر عربی کا خیال ہے تو "شُعَب" کہئے، اور اردو مین "شعبے" جمع کیلئے خاصہ لفظ ہے، ایسے ہی "معلمات" کا املا "معلماۃ" بھی قابل گرفت ہے، اسی طرح "صوباتی" کے بجائے "صوبجاتی" یا "صوبہ جاتی" زیادہ عام فہم ہوتا،

ہم نے صنعت و حرفت، اور زنانہ مدارس کی تفصیل چھوڑ دی ہے، یہ ابواب خاص طور سے مطالعہ کے لایق ہین، تمام مضامین نصاب پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی تعلیم کا نصب العین یہ ہے کہ قوم کے ہر فرد کو عملی، محنتی، ارادہ کا پکا، اور مستقل بنانا چاہئے، اسی لئے ہم کو مضامینِ نصاب مین اس نظری بلکہ فرضی دو بھی علم کا پتہ بہت کم چلا جسکو فلسفہ کہتے ہین، ایک جگہ مبادیِ فلسفہ ہمکو لکھا نظر آیا ہے، ورنہ ہر جگہ سائنس اور صنعت اور جاپانیت اور اخلاقیت ہی کی مختلف ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ شکلین ملتی ہین،

مصنف نے آخر مین نتیجہ کے طور پر مملکت نظام کی ترقی و کامیابی کیلئے کچھ تجویز بھی بطور سفارش کے پیش کی ہین،

اوّل، یہ ہے کہ کل مملکتِ نظام کو جس مین مختلف قومین رہتی ہین، متعدد زبانین بولی جاتی ہین اس مین باہمی ایک واحد جنسیت اِن متحدہ اصولون پر پیدا کی جائے،

الف حضور بندگانِ عالی سلطانِ دکن کے ساتھ دلی خیر خواہی،

ب، حبِّ وطن،

ج، سرکاری زبان (ہندوستانی یا اردو) کا علم،

ان مین ہر دفعہ کی صحت اور ضروری ہونے پر لائق مصنف نے پرزور دلائل دئے ہین،

دوم، ابتدائی تعلیم کے متعلق مصنف کی یہ رائے ہے کہ چونکہ زیادہ تر رعایا کاشتکار ہے، اس لئے دیہاتون کی ابتدائی مدارس مین زراعتی تعلیم کو بنیاد بنانا چاہئے، اور شہرون کے ابتدائی مدرسون مین صنعت وحرفت کو رواج دینا چاہئے،

سوم، مدارس کے مہتمون کو ایسے ذرائع مہیا کئے جائین کہ وہ سال مین ایک دفعہ ایک ہفتہ کے لئے اپنے دائرہ کے معلمین کو جمع کرکے، انکی سال بھر کی مدت مین جو عام نقائص ان کے پڑھانے میں نظر آئے ہین ان کی تصریح کی جائے،

چہارم، یہ بندوبست کیا جائے کہ محکمۂ تعلیم کے بہترین لیاقت رکھنے والے عہدہ دارون کو ترقی یافتہ ممالک غیر مین اس غرض سے بھیجا جائے کہ یہ لوگ وہان کے طرقِ تعلیم اور تعلیمی انتظامات کا بغور مطالعہ کرین،

پنجم، سلطنت نظام مین صنعت وحرفت کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ سائنس کی تعلیم کی طرف حتی الامکان توجہ کی جائے، اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپئے کے دو وظیفے اس غرض سے جاری کئے جائین کہ سائنس کی اعلیٰ تعلیم کا جہان انتظام ہو جیسے انسٹیٹیوٹ آف سائنس بنگلور وغیرہ وہان جاکر تعلیم حاصل کرین،

ششم، ہر صوبہ کے مرکز مین مقامی صنعت وحرفت کی سالانہ نمایشون کا انتظام ہو اور لایق کاریگرون کی انعامات سے حوصلہ افزائی کی جائے، اور غیر ممالک مین ان مصنوعات کی ترویج کے لئے ایک ایجنسی قائم کی جائے،

ہفتم، بلدۂ حیدرآباد مین جلد ایک مدرسہ تجارتی کاروبار کا قائم کیا جائے،

ہشتم، عام جہالت کو آسانی اور جلدی سے دور کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ تصبری تعلیم "آنکھ سے

تصویرون کے ذریعہ سے دکھکر تعلیم کا طریقہ، جاری کیا جائے جس مین سینما کے ذریعہ سے سفر اور دورہ کرکے جا بجا لوگون کو ضروری علم سکھایا جائے،

اس مین شک نہین کہ جاپان کے طرق تعلیم کو پیش نظر رکھکر یہ کامیاب اور دانشمندانہ تجویزین ہین، اور یہ نہ صرف حیدرآباد کے لئے بلکہ دیگر ریاستون کے لئے بلکہ خود ہندوستان کی دیگر قومی تعلیمگاہون کے لئے مفید ہین، ہم نے سنا ہے کہ اس مفید کتاب کے ہندوستان کی دوسری زبانون مین مثلاً بنگالی گجراتی، زبانون مین بھی ترجمے ہورہے ہین، کہین ایسا نہ ہو کہ ان زبانون کے بولنے والے تو اس کتاب سے پورا فائدہ اٹھائین، اور ہندوستان کی وسیع زبان (اردو) کے جاننے والے خبر بھی نہ ہون،

کتاب انجمن ترقی اردو کے سلسلہ کے پنتیسوین نمبر مین شائع ہوئی ہے اور مطبع مسلم یونیورسٹی مین چھپی ہے، قیمت درج نہین انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ملے گی،

مقالۂ روسو

فرانس کا مشہور علمی و سیاسی انقلاب جن ارباب دماغ کا نتیجہ ہے ان مین روسو کو خاص اہمیت حاصل ہے، دنیا کی اکثر مہذب زبانون مین اسکی تصنیفات کے ترجمے ہوگئے ہین، صاحبزادہ ظفر حسین خان صب ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات پیلی بھیت نے اس کے ایک اہم رسالہ کا ترجمہ کیا اور دار المصنفین نے شائع کیا ہے، اس رسالہ مین روسو نے علوم کی قدر و قیمت پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے، اس لائق ہے کہ اردو دان اصحاب اس کا مطالعہ کرین، قیمت ۸ر

منیجر

مطبوعاتِ جدیدہ

چہار مقالہ چھٹی صدی ہجری کے مشہور شاعر انشاپرداز اور عمر خیام کے شاگرد اور شاہانِ غور کے مداح نظامی عروضی سمرقندی کی کتاب مجمع النوادر جو چہار مقالہ کے نام سے مشہور ہے، فارسی سلسلۂ ادبیات کی ایک نہایت ممتاز کڑی ہے، یہ کتاب اصل مین عربی علوم کی تقسیم کے لحاظ سے فن محاضرات مین داخل کرنے کے لائق ہے مصنف نے چار مقالون مین چار اصناف علم یا چار اصناف علمار کے متعلق مفید و ضروری ہدایات و معلومات جمع کئے ہین، مقالۂ اول در ماہیت علم دبیری و کیفیت دبیر بلیغ کامل، مقالۂ دوم در علم شعر و صلاحیت شاعر، مقالۂ سوم در ماہیت علم نجوم و غزارت منجم در آن علم، مقالۂ چہارم در ماہیت علم طب و ہدایت طبیب و کیفیت آن، یہ چارون علوم ایسے ہین جو قدیم سلاطین کے ہان درباری عالم بننے کے لئے نہایت ضروری تھے، اس لئے درحقیقت اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ درباری اہل علم کے لئے کس قسم کے معلومات اور واقفیت کی ضرورت ہے، لیکن ان مین سے ہر مقالہ کی تحریر مین مصنف نے نہایت سادگی سے علمی مسائل، ادبی نقد، تاریخی واقعات، سوانح، مشاہدات سفر، ذاتی تجربہ، اس طرح ملا جلا کر لکھے ہین کہ کتاب بیحد دلچسپ ہوگئی ہے، یہ کتاب مدت ہوئی کہ بمبئی مین چھپی تھی مگر نہایت مسخ صورت مین، اس کے بعد چند سال ہوئے کہ لندن کے گب میموریل سیریز مین علامۂ قزوینی کی تصحیح و تحشیہ اور قلمی نسخون کے مقابلہ کے بعد لندن مین شائع ہوئی، اور اس وقت سے ہماری ہندوستانی یونیورسٹیون کی نظر اس کتاب پر پڑی، اور بمبئی کو چھوڑ کر ادھر سب سے پہلے پنجاب یونیورسٹی نے اس کو ایم، اے اور منشی فاضل کے نصاب مین داخل کیا، اور یہی تقریب اس وقت اس کتاب کے اس اڈیشن کے وجود کا باعث ہوئی، زیر نظر طبع، لاہور مین شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور کے اہتمام اور مولوی وجاہت حسین صاحب

عندلیبِ شادانی رام پوری، بی اے منشی فاضل کی تصحیح سے چھپا ہے چھوٹی تقطیع کے ۹۵ صفحون پر کتاب ختم ہوئی ہے، شروع مین جناب مصحح نے ایک مقدمہ کا اضافہ کیا ہے جسمین پہلے نفس کتاب چہار مقالہ پر ریویو کیا ہے اور اس کے محاسن و معائب بتائے ہین، پھر مصنف کتاب یعنی نظامی عروضی کے حالات خود اس کی اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہوتے ہین، اور دوسری کتابون سے جو کچھ معلوم ہوئے ہین ان کو کیجا کیا ہے، اور نہایت ایمانداری کے ساتھ آخر مین لکھدیا ہے کہ "یہ تمام تر علامۂ قزوینی کی تحقیقات ہین جنکو مین نے اپنی زبان مین ادا کر دیا ہے" کتاب کا یہ نسخہ بہرحال بمبئی کے نسخہ سے تو بہتر ہے چونکہ مدرسی ضرورت سے یہ نسخہ چھاپا گیا اس لئے ارزانی کے خیال سے اس کی طبع مین بیحد کفایت شعاری سے کام لیا گیا ہے، چھوٹی تقطیع کے صفحہ پر ہر صفحہ مین ۱۲ باریک سطرین نہایت بار ہین، فہرست کا اضافہ بہت ضروری تھا جو نہین کیا گیا قیمت ۱۲؍ پتہ: شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور۔

برمی بول چال، برما ہندوستان ہی کا اب گویا ایک ٹکڑا ہے، وہان کی ایک خاص زبان ہے، کئی لاکھ مسلمانون وہان رہتے ہین، ہندوستانی تاجرون کی وہان آمد و رفت ہے، بااین ہمہ ہمین نہین معلوم کہ کسی نے برمی زبان کے اصول و قواعد صرف و نحو پر کوئی کتاب اہل ہند کے لئے علمی طریق پر لکھی ہو، مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی پروفیسر السنۂ مشرقیہ مہاودیالے کالج احمد آباد گجرات جنکو ایک خاص تقریب سے اس سے پہلے کئی سال متواتر برما مین رہنے کا اتفاق ہوا ہے، اور غالباً برما مین دعوت اسلام کے امکانات پر غور کرنے کیلئے، اور وہان کے مسلمانون کے تعلیمی نصاب کے بنانے کی غرض سے انھون نے برمی زبان کو محنت سے سیکھا اور اب انھون نے اردو مین اس زبان کی صرف و نحو پر یہ مفید کتاب لکھکر پبلک مین پیش کی ہے، اس ضروری کوشش کی اس نئی مثال پر ہم مؤلف کو جس قدر مبارکباد دین وہ کم ہے خصوصاً اسلئے کہ یہ مثال علماء کی جماعت کی طرف سے پیش ہوئی ہے جنھون نے اس قسم کے کامون مین اپنے دورِ انحطاط مین

کبھی دلچسپی نہین لی، اس بنا پر ایک ندوی عالم کی اس ہمت کی جو اسلاف کرام کی منتون کو یاد دلاتی ہو قوم و ملک کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے، طرز بیان صاف، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۸ ر، مصنف سے ملیگی،

الحق الصریح مع جماعۃ التہجد والتراویح، یہ مختصر رسالہ پانچ فقہی سوالون کا جواب ہے جنکا ماحصل منشا یہ ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام مین بھی رات کی نماز نفل یا تہجد کو جماعت کیساتھ ادا کر سکتے ہین ؟ یا نہین، ہمارے قدیم دوست مولٰنا مفتی ابو الطاہر ظہور احمد صاحب حال مدرس مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ نے شرح و بسط کے ساتھ تمام معتبر کتب حدیث و فقہ کے حوالون سے انکا جواب دیا ہے، اور اس کا جواز ثابت کیا ہے، ایک خالص فقہی مسئلہ کی تحریر و توضیح مین جس مین قدم قدم پر فقہ کی عربی عبارتین ہین، مولف نے زبان کی سلاست اور روانی مین کوئی فرق نہین آنے دیا ہے، مقدمات کی ترتیب اور استنباط اور نتیجون کے نکالنے مین اچھا سلیقۂ تحریر دکھایا ہے، کتابون اور حوالون کے پیش کرنے مین دور تک نظر ڈالی ہے، ہم اپنے دوست کو یقین دلاتے ہین کہ اگر دار العلوم ندوہ کی متوسطات کی تعلیم انکی رہبر نہ ہوتی، تو کم از کم اس سلیقۂ تحریر کے بجائے، مولویانہ طرز بیان کی ژولیدگی ان کے حصہ مین ہوتی، جہان تک مسئلہ کا تعلق ہے، انکی تحقیق نے ہر شق کو آئینہ کر دیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل مین انکے حنفیانہ غلو، کا ہم بآسانی ساتھ نہ دے سکین، قیمت ۳ ر، رسالہ مصنف سے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے پتہ سے ملے گا،

نور البصر فی الکبریت الاحمر، کبریت احمر کسی درود کا نام ہے جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف منسوب ہے، اس کی یہ اردو مین شرح علامہ ابو البرکات محمد عبد المالک صاحب سابق شیر ہال بھاول پور نے تصنیف فرمائی ہے، ہمارے شیر ہال صاحب کو یہ گنج بے بہا کشمیر کی ایک خانقاہ سے ہاتھ لگا ہے اور جسکو انھون نے اپنی فیاضی کی بنا پر وقف عام کیا ہے، اس درود کی زبان اور ترکیب و بیان کی بنا پر ہم ہرگز تیار نہین کہ اس کو شیخ کی طرف منسوب کرین شرح کے اثنا مین قصیدہ غوثیہ کے اشعار بھی لائے گئے ہین جو عوام مین شیخ کیطرف منسوب ہے حالانکہ وہ تمام تر جعلی ہے، قیمت ۳ ر دفتر صوفی پنڈی بہاؤ الدین پنجاب،

الرای الصحیح فی من ھو الذبیح، عربی مین حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ ... ۱۰

اسباق النحو حصہ اول و دوم، سہل طرز پر عربی گرامر اردو ... ۵،۶

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر ... ۱۲

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم مین ... ۲

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمانؑ کا ترجمہ ۲

دیوان فیض ... عہ

مولانا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت ... عہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۱۵۲ ... ۱۲ہ

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲

" " دوسری ریڈر طبع سوم ... ۴

رسالہ اہل السنت و الجماعہ، فرقہ اہل سنت و الجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ... ۵

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطائے مالک پر تبصرہ ... عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک سلطان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت ... ۴

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومین جو جدوجہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین، قیمت ... ۲

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا خدمتین انجام دی ہین، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم ... ۴

بشریٰ، محبت الٰہی اور اسلام ... ۸

مولانا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا علمی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے ضخامت ۴۰۰ صفحے

ایضاً جلد دوم، صحابہ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارنامون کی تفصیل، ضخامت ۵۰۰، قیمت ... للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب "قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ، طبع دوم قیمت عہ

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، قیمت ... عہ

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۂ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم قیمت ... عہ

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عہ غیر مجلد عہ

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت سلیس

اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا
ابطال کیا ہے، مجلد عہ، غیر مجلد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸؍

مولوی عبدالماجد بی اے

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی
مع سوانح مصحفی، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح
قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸؍

تصوف اسلام، اسلامی تصوف کا عطر ۔ ۔ ۔ عہ

پیام امن، موسیو جرڈ بال ایک فرانسیسی مصنف کے
خیالات دربارۂ امن عالم، و اخوت انسانی و خون آشامی
دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا
تبصرہ ہے، جس میں انھیں مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات
کی تفصیل ہے، اردو میں بالکل نئے خیالات ہیں۔ ۷۰ صفحے ۔ ۔ ۸؍

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں
مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے،
قیمت باختلاف کاغذ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸؍ و ۸؍

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابومسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود
اور نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی
سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ ٹائپ
میں چھپی ہے، قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات
اور عام صحابیات کی سوانح عمریاں اور ان کے علمی و اخلاقی
کارنامے، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴؍

سیر الانصار حصہ اول، انصار کے حالات اور
ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، ۔ ۔ ۔ ۔ ۳؍

پروفیسر سید نواب علی ایم۔ اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف
اور فلسفۂ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ
قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید
کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام
کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول ۸؍
قسم دوم، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳؍

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی قومی و فلسفیانہ
نظموں کا مجموعہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳؍

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے
انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعتوں
کے اخلاق، پبلک رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے
بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں صفحہ ۲۳۳، ۱۲؍

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں یونان
کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتوں
تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، اس کے
سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن میں مسلمانوں
کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم
کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا
ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان
میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت
قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸؍

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقایق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی
تشریح، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

تذکرۃ الحبیب یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان، عہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

ستمبر سنہ ۲۶ء

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف مین چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

کتبخانہ دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ ... ے، للعہ

ایضاً حصہ دوم، طبع اوّل قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان للعہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد ہے

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اوّل عہ قسم دوم ے

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت ے

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات بر

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور انکا فلسفہ عہ

سیرۃ النعمان، امام ابو حنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل .... عہ

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ بر

رسائل شبلی، مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ عہ

مقالات شبلی، مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ عہ

سوانح خسرو، خسرو کے حالات زندگی، اور انکی شاعری پر ریویو ۸ر

شعر العجم حصہ اوّل، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور .... ے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور ۱۲ر

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور ۱۲ر

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو ے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ ۶ر

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی مین ریویو ۸ر

موازنہ انیس و دبیر، میر انیس کی شاعری کا ریویو ہے

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت ۶ر

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع، عہ عہ

علم الکلام، مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ اسکی ابتدا سے ترقیان اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس ۶ر

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف۔ جدید علم کلام جسمین عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ مین ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس، قیمت ۶ر

قصیدہ امرتسر، امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلماء مین مولانا نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا طبع رنگین و اعلیٰ مطبع نامی کانپور عہ

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی دستہ گل، بوئے گل، برگ گل، کے نامون سے چھپے تھے اس مین سب یکجا کر دیئے گئے ہین، ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت ۶ر

کلیات شبلی اردو ۱۲ر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورہ والذاریات ۲ر

تفسیر سورۂ اللہب، ۲ر

تفسیر سورۂ والتین، ۲ر

تفسیر سورۂ والکوثر، ۲ر

تفسیر سورۂ القیامہ، ۲ر

تفسیر سورۂ عبس، ۲ر

تفسیر سورۂ والمرسلات، ۲ر

جلد شانزدہم	ماہ صفر ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۵ء	عدد سوم

مضامین

شذرات

اس مہینہ کا سب سے اہم واقعہ مدینہ منورہ کی سمت ابن سعود کی پیشقدمی ہے یہ دیکھکر شریف کے طرفدارون نے ہندوستان مین مختلف قسم کی افواہین پھیلادین اور اسی اثنا مین خواہ غلطی سے یا جان بوجھ کر رائٹر نے بیت المقدس سے یہ خبر تمام دنیا مین پھیلادی، کہ خدانکردہ روضۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نجدیون کی گولہ باری سے نقصان پہنچا ہے، اس خبر نے تمام مسلمانون مین ایک آگ لگادی، اور ایک عجیب طرح کی کشمکش مختلف خیال کے مسلمانون کے درمیان پیدا ہوگئی، بحمد اللہ کہ اس افواہ کی لغویت ثابت ہوگئی ہے، تاہم بعض اکابر مسلمانون کی جلد بازی سے جو نقصان پہنچ چکا ہے بمشکل اس کی تلافی ہوسکتی ہے، افسوس کہ ہمارے دشمن باہم مل رہے ہین، اور ہم پھٹ رہے ہین،

مکہ معظمہ کے بعض مزارات اور موالد پر تاریخی حیثیت سے زمیندار مین، اور مدینہ منورہ کے حملہ کے متعلق ہمدرد مین میرے خیالات ظاہر ہوچکے ہین، اور وہ اکثر ناظرین کے مطالعہ مین آچکے ہون گے، اس لیے ان کے اعادہ کی حاجت نہین، لیکن ہم کو لکھنؤ کے علما اور تعلیم یافتہ اصحاب کی اس تاریخی واقفیت پر ہمیشہ حیرت رہے گی کہ مشہور جلسۂ "تحفظ آثار متبرکۂ حجاز" کی ولولہ انگیز تقریرون مین سب سے زیادہ ماتم حضرت آمنہ، حضرت ابوطالب (رسول اللہ صلعم کے چچا) اور حضرت عبدالمطلب (حضرت صلعم کے دادا) کے مزارون کے یا صرف قبون کے ٹوٹنے پر کیا گیا، حالانکہ حضرت آمنہ کا مدفن مکہ سے بیسیون میل دور ابوا مین ہے ابوطالب کا مزار، حضور صلعم کے چچا کا نہین، بلکہ شریف ابوطالب المتوفی ۱۰۱۲ھ کا ہے اور اسی طرح یہ عبدالمطلب آنحضرت صلعم کے دادا کا نہین، بلکہ شریف عبدالمطلب المتوفی ۱۰۱۲ھ کا ہے

لیکن جاہل مطوفون اور مجاورون نے ان کو کہین سے کہین ملا دیا، صحیح آثار متبرکہ کی شرعی حیثیت سے کس کو انکار ہے، اور انکی تبرک طلبی سے کس مسلمان کا دل خالی ہے،

اسی کے ساتھ ہم ابن سعود اور ان کے علماء کو کہنا چاہتے ہین، کہ اگر حقیقت مین وہ عقائد صحیحہ کو مسلمانون مین پھیلانا چاہتے ہین، تو وہ زمین سے مزارات اور قبون کو توڑ کر نہین پھیلا سکتے، بلکہ وہ صحیح تعلیم، وعظ و پند اور حکمت و موعظت سے پھیلا سکتے ہین، ابن سعود اول آج سے سوا سو برس پہلے کیا، اس سے بہت کچھ زیادہ نہین گذرا لیکن کیا ہوا، ٹوٹی دیوارین پھر بنگئین گرے ہوئے قبے پھر بلند ہوگئے، ٹوٹی ہوئی پتھر کی سلین پھر درست ہوگئین شکستہ لکڑی کے ڈھانچے پھر کھڑے ہو گئے، اسی طرح جو خلاف شرع چیزین آج توڑی گئی ہین، اگر وہ صرف زمین سے توڑی گئی ہین، اور دلون مین اسی طرح بنی کھڑی ہین، تو کل وہ ویسی طرح زمین پر پھر بنجائینگی، اسلئے اصلاح کا مستحکم اور مضبوط طریقہ، صحیح تعلیم، اور کتاب و سنت کی اشاعت ہے،

صحیح تعلیم صرف ان چند کتابون اور رسالون مین محدود نہین ہے، جو ابن عبدالوہاب کی تصانیف ہین، بلکہ تمام ائمہ سلف اور ہر مذہب فقہی کے مستند علماء کی تصنیفات مین موجود ہے، بلکہ درحقیقت خود نفس قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی اشاعت ہی ہر قسم کی بدعتون کے استیصال کے لئے کافی ہے، اس مین کسی مذاہب و فرقہ کے اشخاص کی دل آزاری کی ضرورت نہین، اگر اعراب اور بدون مین مذہبی تعلیم پھیل جائے، تو حجاز سے ہر قسم کی بدامنیون اور لوٹ مار اور خلاف شرع امور کا خاتمہ ہوجائے، صرف تلوار کے زور سے امن ہمیشہ قائم نہین رکھا جاسکتا، مگر یہ فرض تنہا ابن سعود کا نہین، بلکہ تمام دنیا کے مسلمانون کا ہے،

گذشتہ مہینہ کی خبرون مین روس سے ایک خبر آئی ہے کہ وہان کے شاہی کتبخانہ مین اٹھارہ سو برس کی لکھی ہوئی ایک قدیم فارسی کتاب ملی ہے جسکو عربی زبان کی مشہور داستان الف لیلہ کی اصل سمجھا جاتا ہے، اس پر بعض لوگون کو تعجب ہو کہ ایک عربی کتاب جس مین زیادہ تر خلفائے عباسیہ کے متعلق حکایات ہین فارسی مین ۱۸ سو برس پہلے کیسے موجود ہو سکتی ہے، لیکن ہم کو خوشی ہے کہ اس سے ہمارے قدیم مسلمان محققین کی تحقیق اور دیانتداری کا ثبوت ملتا ہے ابن ندیم نے کتاب الفہرست مین تصریح کی ہے کہ فارسی کتاب ہزار داستان (ہزار قصے) کا فارسی سے عربی مین ترجمہ ہوا اور یہی الف لیلہ کی بنیاد اوّل ہے، اس کے بعد اس مین ہزارون قصے، واقعات، حکایات کا بعد کو اضافہ، ردوبدل اور ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی، اور فارسی مذاق کے بجائے اس مین عربی مذاق کا لحاظ رکھا گیا، عموماً جن و پری کے قصے اصل فارسی کے ہین باقی اضافے ہین، لیکن بہرحال موجودہ مواد کے لحاظ سے الف لیلہ ہزار داستان سے بالکل الگ چیز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کے قصون کے لکھنے کا نمونہ ہزار داستان تھا، اور اسی سے اس انداز پر قصون کے لکھنے کی تحریک اہل بغداد مین پیدا ہوئی، کیونکہ الف لیلہ کے مصنفین کی شخصیتون کے ذکر سے تاریخ تمام خاموش ہے، اور ایسی کتاب کے جسمین سلاطین کی خانگی زندگیون کا پردہ چاک کیا گیا ہو مصنفین کی گمنامی کا سبب بالکل ظاہر ہے۔

جناب مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی (بی اے) جنکی مذہبی اصلاحی کوششین بحمد اللہ کہ روزافزون ہین، ان کی تحریک سے ایک صاحب نے تمام علمائے ہند کے فتاوی دربارۂ حرمت تعزیہ داری جمع کئے ہین اور ان مین شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے لیکر اس وقت تک کے علماء کے فتوے موجود ہین، جنمین چند علمائے ندوہ اور علمائے دیوبند کے بھی فتوے شامل ہین اودھ مین رہ کر کوئی تحریک مذہبی اسلئے اور اس کا مرکز لکھنؤ کا ایک خاص گوشہ نہ ہو اس سے بڑھکر

اس کے عدم جواز کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک جوابی اشتہار مین حاجی شبراتی کی طرف سے بحوالۂ جمیع علمائے فرنگی محل نہ صرف اوس کے جواز بلکہ استحباب کا فتویٰ شائع کیا گیا ہے، اور جسکو شک ہو اوسکو فرنگی محل کی ایک مقیم ہستی کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کیگئی ہے،

ہمین اس سے کوئی بحث نہین، اگر "جمیع علمائے فرنگی محل" اس کے جواز و استحباب کا فتویٰ دیتے ہون مگر آج سے چند سال پہلے جناب مولانا عبدالباری صاحب کی تالیف سے فتاوائے علمائے فرنگی محل کا مجموعہ فتاوی قیام الملۃ والدین کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس کے صفحہ ۲۸۳، ۲۹۷ پر حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ فرنگی محلی مولوی خادم احمد صاحب، مولوی علی محمد صاحب، مولوی عبدالهادی صاحب، وغیرہم کے فتاوی مراسم تعزیہ داری کی حرام اور معصیت ہونے کے متعلق موجود ہین کہئے یہ حکم رہے، یا کہئے وہ ارشاد رہے

اس اعلان مین ہدایت کے جلی عنوان کے نیچے عبارت ہے "اہل سنت کو چاہئے کہ لامذہبون، وہابیون، اور غیر مقلدون، اور دیوبندیون اور ندویون کے فتوون سے بچین، اور علمائے سلف کی پیروی کرین" ہمارے خیال مین اس کے بعد ایک فقرہ چھوٹ گیا ہے اور وہ یہ کہ یعنی حضرت ہماری پیروی کرین کیا ہمارا قیاس درست ہے؟

علمائے سلف کی پیروی کرو بالکل صحیح، مگر وہ علمائے سلف کون ہین جنھون نے اسکے جواز کا فتویٰ دیا ہے؟ کیا امام ابو حنیفہ، کیا امام محمد، کیا امام ابو یوسف، کیا امام مالک، کیا تیسری صدی کے علما اور ائمہ، یا بعض علمائے فرنگی محل جو شیعہ شاہان اودھ کے زیر حکومت تھے، اگر کسی نے اسکے جواز کا کبھی مصلحۃً فتوی دیا ہو تو وہ قابل قبول نہین، ورنہ عام علمائے فرنگی محل کا معیار تقوی تو ہمیشہ اس سے کہ اس سے زیادہ بلند تھا،

مقالات

عالم اسلامی کی تنظیم کا مسئلہ

اور

مسلمانون کا انتشار خیال

(۲)

پچھلے مضمون مین "عالم اسلامی کی تنظیم" جس کے دوسرے معنی خلافت وامامت عامہ کے قائم کے ہین، کے بارہ مین دنیائے اسلام کے مشاہیر ارباب فکر کے خیالات پیش کئے جا چکے ہین، جنکو پڑھ کر یہ معلوم ہوگا، کہ اصل مین اس انتشار خیال کے تین اسباب ہین، اور تینون براہ راست یورپ کے اثرات ہین، اصل یہ ہے کہ یورپ کے اس فاتحانہ غلبہ، اور تمدن و ترقی اور شان اور شکوہ کے نظارہ نے ہمارے ترقی خواہ نوجوانون کی آنکھون کو خیرہ کر دیا ہے، اونھون نے اپنی پوری تلاش و تحقیق سے یورپ کی اس موجودہ ترقی و تفوق کے اسرار ڈھونڈے تو اونھین انھین تین باتون کا سراغ چلا، اصول مذہبی کو چھوڑ کر اصول تمدن کو اختیار کرنا، عالمگیر مذہبی برادری کے خیال کو ترک کر کے قومیت اور حب وطن کی روح کو تازہ کرنا، مذہب اور سیاست کو باہم الگ کر دینا،

انھین اصول سہ گانہ کا یہ اثر ہے، کہ کوئی یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام مین سیاست اور نظام حکومت کا کوئی خاص خاکہ فرض نہین کیا گیا ہے، جسکو چھوڑ کر ہم دوسرے بہتر سیاسی خاکہ کو قبول نہ کر سکین، عالمگیر خلافت کا تخیل اسلام مین نہین، کیونکہ یہ قومیت اور حب وطن کی روح اسکی اسپرٹ کے خلاف ہے سیاسی

اور مذہبی طاقتون کو الگ الگ ہاتھون مین ہونا چاہیئے تاکہ سیاسی عناندارون، اور تمدنی مصلحین کے راستہ مین مذہبی احکام کی موجودگی سدِراہ نہ ہوسکے،

ان تمام ضلالتون اور غلط فہمیون کا صرف ایک سبب ہے اور وہ ہمارے علماء کا جمود ہے، اور موجودہ تقلیدی رسمی اعمال وافعال کو اصلی مذہب کا رتبہ دینا، بدعات وخرافات اور رسوم ورواج کو اصل دینداری جاننا، پچھلے دورِ انحطاط کے فقہا اور ان کے فتاوی پر اس قدر جمود گویا کہ وہ غلطیون سے معصوم، اور خطاؤن سے مبرا ہین، اور کتاب وسنت کے اصل ماخذ ومرکز کی طرف تمدنی مشکلات اور مذہبی مسائل کے حل کرنے مین رجوع نہ کرنا، اور یقین کرنا کہ نئے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہوچکا اور ہمارے نوجوان تعلیم یافتون نے یہ سمجھ لیا کہ یہی لوگ اسلام کے اصل نمائندے ہین، اور مسلمان اس وقت جن خیالات، بدعات اور خرافات مین مشغول ومصروف ہین، یہی اسلام اور یہی مسلمانی ہے،

دوسری طرف یورپ کی ظاہری شان وشکوہ، چہل پہل، غلبہ واستیلا، کا ہمارے نوجوان افرادِ ملت پر اور خصوصاً مصر وٹرکی اور شام کے نوجوان مسلمانون پر یہ اثر ہوا ہے کہ وہ یورپ کی ہر ادا کو محبوب، اوس کے ہر فعل کو صواب، اسکی ہر حرکت کو مایۂ نازش، اس کے ہر خیال کو آیت یقین، اس کے ہر نظریہ کو ہمپایۂ وحی، اس کے ہر فیصلہ کو ناقابلِ شکست اسکی ہر آواز کو ہم معنی قم باذنی سمجھتے ہین، اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ غلط، سزاوارِ ترک، اور باعثِ انحطاط ہے،

مولانا شبلی مرحوم نے انھین نوجوانون کا خاکہ ان موزون الفاظ مین کھینچا ہے،

اےکہ بر مائدۂ یورپ مہمان باشی — حیف باشد اگر از جملۂ ایشان باشی
حیف اگر از اثرِ فلسفۂ مغربیان — منکر از فلسفۂ سنت وقرآن باشی
سر ازشیدۂ جلوہ وہر سر نہی — منکرِ معجزۂ موسیٰ عمران باشی
گفتۂ سو لن وآئین جہانبانی او — برزبان داری وبیگانہ ز نعمان باشی

اے پسر زال صد افسانہ و دستان گوئی　　جاہل از معرکہ ہائے شہ مردان باشی

قیصران را ہمہ یک یک بشماری ز آغاز　　بیخبر از عمرؓ و حیدرؓ و عثمانؓ باشی

مولانا کے قلم نے ہمارے نو تربیت یافتہ نوجوانون کی جو تصویر کھینچی ہے، وہ مبالغہ نہین ہے، واقعہ ہے، ایک تعلیم یافتہ مشہور ترک بھائی نے جنکے نام سے ہندوستان کے لوگ بھی واقف ہین، سلسلۂ کلام مین غزوۂ بدر کا نام آیا تو حیرت سے لاعلمی کا اظہار کیا،

غرض اس وقت عام طور سے جو تعلیم پھیل رہی ہے وہ ایسی ہے کہ اس کا نتیجہ ہی یہ ہونا چاہئے کہ ہر اسلامی ملک مین دو قسم کے لوگ پیدا ہو جائین، قدیم مذہبی تعلیم کے فرزند جو مذہب اور اسلامی تمدن کے احکام اور مصالح کو خوبصورتی کے ساتھ جدید قالب اور ضروریات مین ڈھالکر نہین پیش کر سکتے اور دوسری طرف جدید تعلیم کی نسل ہے جو فرنگیت مین ڈھلکر سوائے یورپین تمدن، یورپین علوم اور یورپین قوانین کے اپنے گھر سے بالکل بیگانہ ہے، اس دوعملی مین ظاہر ہے کہ مسلمانون کے کسی ملک مین بھی کوئی قومی نظام نہین بن سکتا، یہی جنگ ٹرکی مین علماء اور فرنگی مآب اشخاص کے درمیان ہے یہی جنگ بخارا اور ترکستان مین قدیمی اور جدیدی دو فرقون کے نامون سے برپا ہے، یہی جنگ افغانستان مین ملاؤن اور عام اصلاح طلب نوجوان کے اندر پیدا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس درد کا علاج کیا ہے؟ مولانا شبلی مرحوم کی زبان مین، اسکا علاج یہ ہے:-

ایکہ پرسی کہ درین کار چہ تدبیر بود

دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر بود

یعنی ضرورت ہے کہ مسلمانون کے ہر ملک مین ایسے علماء پیدا ہون جو جدید علوم و فنون و آداب سے واقف ہو کر، نئے علوم و فنون سے واقف کار افراد پر اپنا اثر قائم کرین، اور شریعت کے آداب و مصالح اور اسرار و حکم سے اُن کو آگاہ کرین، اور ان کے زاویۂ نظر کے مطابق یا وہ اگر

غلط تھے تو اس کو درست کرکے مذہب کے احکام کو دکھائین کہ ان کے فہم مین آئین اور وہ خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کرین، اور ہمارے نوجوان جدید تعلیم یافتہ اشخاص کا فرض ہے کہ مذہبی تعلیم حاصل کرین اور یقین کرین کہ صرف یورپ اور یورپ کے احکام و طرز تمدن کی نقالی ہی انکی سیاسی و اقتصادی بدبختی کا درمان ہو سکتی ہے،

آج کل اسلامی سلطنتونکے کارفرما اور ارکان مجالس تمامتر وہ افراد ہین جو مذہبی قوانین و احکام اور کتاب وسنت اور فقہ سے بالکل بے بہرہ ہین، ان کے سامنے صرف موجودہ یورپین سلطنتون کی نظیرین ہین، وہین کے قوانین انھون نے پڑھے ہین، وہین کا فلسفہ قانون وہ جانتے ہین، اور اسی کو وہ ترقی کا راز اور سلطنتون کے سدھار کا اصلی سبب سمجھتے ہین، یورپ مین سیاست اور مذہب الگ کردیا گیا ہے، مذہبی لوگون کو سلطنت اور وضع قانون سے واسطہ نہین، اور سلطنت اور قانون کے کارپردازون کو مذہب اور دین سے تعلق نہین، لیکن سمجھ لینا چاہئیے کہ سوائے طلاق کے اور کوئی قانون عیسوی مذہب کی انجیل مین نہین، اسلیے عیسوی مذہب قانون سے خالی ہے، اس لیے پادریون کو سلطنت و قانون سے کوئی واسطہ نہین، لیکن اسلام کا یہ حال نہین،

یورپ کے قانون کا اساس، رسم و رواج، اور رومن قانون ہین اور اسلام کے قانون کی بنیاد کتاب اور سنت ہی، اور ان سے ماخوذ ہر زمانہ کی فقہ ہے، یہ کہنا کہ اسلامی فقہ موجودہ سلطنتون کے لیے ناکافی ہے، انتہائی جہالت ہے، ابھی ہماری نئی سلطنتین تو چوتھائی صدی کی عمر بھی بسر نہ کرسکی ہین، لیکن ہماری گذشتہ سلطنتین جو صدہا سال سے دنیا کے طول و عرض مین قائم رہین، انکا مدار انھین اسلامی قانون پر رہا، اور انھون نے وہ عروج و ترقی حاصل کی، اور وہ عدل و انصاف اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان کیا، جسکی نظیر موجودہ سلطنتون مین بھی نہین ملسکتی، خلافت راشدہ، خلافت بنوامیہ و خلافت عباسیہ مین جب تک دم رہا براہ راست کتاب و سنت، اور ائمہ کے فیصلون پر عمل

لیکن تیسری صدی کے بعد جب فقہی فرقے پیدا ہوئے اور تقلید کا آغاز ہوا، تب بھی شافعی، مالکی اور حنفی فقہین بڑی بڑی سلطنتون کا قانون رہین اسپین اور مراکش مذہب کی عظیم الشان سلطنتین فقہ مالکی پر چلین، سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت فقہ شافعی پر قائم تھی، سلجوقیون، مصری چرکسیون، عثمانی ترکون اور مغلون اور پٹھانون کی تمام سلطنتین حنفی فقہ کے اصولون پر حکمران رہین، مگر ان کی دنیاوی ترقیون، فتوحات، مالی خوشحالیون، اور عدل و انصاف مین یہ اسلامی قانون کبھی عائق نہین ہوئے،

ہم کو اس سے انکار نہین کہ اسلامی سلطنتون مین کبھی کبھی ظلم بھی ہوئے مگر یقیناً یہ اسلامی قانون کے ماننے سے نہین ہوئے، بلکہ ان کے نہ ماننے سے ہوئے، وہ مظالم قانون پر عمل کرنے کے نہین بلکہ قانون کے توڑنے کے نتائج ہین، خصوصاً ترکی، تاتاری اور مغل سلاطین کہ انھون نے فقہ اسلام کے ساتھ ساتھ مسلمان ہوجانے کے باوجود بھی چنگیز وہلاکو کے سیاست نامہ کو نہین چھوڑا اور اس کے لیے جب کبھی ایماندار اور بہادر علما کا وجود ہوا انھون نے ایمانی شجاعت کے ساتھ سلاطین کا مقابلہ کیا،

بہرحال یہ سلطنتین گو پوری پوری شریعت اسلامیہ پر عامل نہین رہین، تاہم وہ کامیاب رہین، تو اگر وہ حقیقت مین اسلامی قانون پر کاربند ہوتین اور سلاطین اپنے کو مطلق العنان نہ سمجھتے، بلکہ قانون الٰہی کے پابند رہتے، تو ان کی ترقی اور عدل و انصاف کے نمونے خدا جانے کیا کیا ہوتے، ہمارے جدید ارکان سلطنت کو یہ دھوکا ہے کہ ہماری سلطنتین اسلامی قانون کی پابندی سے برباد ہوئین، حالانکہ وہ ان کے سلاطین کی مطلق العنانیون، اسلامی قوانین کے عدم متابعت اور اسلامی اصول سلطنت کے نہ برقرار رکھنے سے تہ وبالا ہوئین،

ہمارے نوجوان ارکان سلطنت کہتے ہین کہ آج ہم کو نئی نئی ضرورتین درپیش ہین، نئے نئے مسائل سامنے ہین، نئے نئے معاملات اور معاملات کی نئی نئی صورتین آگئے ہین، جنکا جواب ہم کو اسلام کے قانون سے نہین ملتا، لیکن اس کی وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے ہماری پرانی سلطنتون کی طرح علمائے

مجتہدین کے پیدا کرنے کا سامان نہین کیا، کون کہہ سکتا ہو کہ فاروق اعظم کی سلطنت کے ضروریات ہارون الرشید کی سلطنت کے ضروریات کے بالکل برابر تھین، زمانہ کے ہر قدم کے ساتھ معاملات کے نقشے بھی بدلتے رہتے ہین، مگر ہارون الرشید کے ساتھ قاضی ابو یوسف کا وجود بھی تھا،

اس قدر جو کچھ کہا گیا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے موجودہ ارکان سلطنت اسلامی اصول سیاست پر سلطنت کرنے سے گریز کر رہے ہین، اور اسی مین اپنی فلاح سمجھتے ہین کہ انکی سلطنتین مذہب اور مذہبی اثر سے بالکل خالی ہون اور وہ اس کو اپنی کامیابی کا ذریعہ جان رہے ہین، اسی لیے وہ **خلافت** کے قبول کرنے سے جسکی بنا پر انکی سلطنت مذہبی ہو جائیگی اپنے کو بچاتے ہین، جمہوریت جسکی ہوا آجکل دنیا مین چل رہی ہے، وہ لوگ اپنی کوتاہ اندیشی اور علمائے وقت کی تنگ خیالی کے باعث، اسلام کے اصول سیاست اور طریق حکمرانی کے خلاف سمجھ رہے ہین، اس نے بھی اپنی جمہوریت کے بچانے کیلئے خلافت سے دست برداری کرتے ہین، لیکن حقیقت مین یہ غایت درجہ کی اسلام کی روح سے ناآشنائی کا ثبوت ہے، اسلام نے تو جمہوری ہی سلطنت کا نقشہ ہمارے پیش نظر کیا ہے، لیکن ہمارے سلاطین اور امرا نے اس نقشہ کو شخصیت کے رنگ مین بدل دیا ہے،

البتہ موجودہ جمہوریت اور اسلامی جمہوریت مین کچھ فرق بھی ہے، موجودہ جمہوریت کے لیے شریعت الٰہی سے واقفیت ضروری نہین، اسلامی جمہوریت کی صدارت کے لیے دوسرے شرائط کے ساتھ شریعت الٰہی سے واقفیت ضروری ہے،، دوسرا فرق یہ ہے کہ رایون کی کثرت اور قلت غلطی اور صواب کا معیار نہین ہے، بلکہ کتاب وسنت سے قریب ہونا یا نہ قریب ہونا صحت اور خطا کی پہچان ہے، اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہمارے ارکان سلطنت جس طرح رومن لا اور یورپین قوانین سے واقف ہین وہ اسلامی قانون سے بھی آگاہ ہون، بلکہ وہ جس طرح قوانین یورپ کے ماہر ہین وہ خود اسلامی قانون اور اس کے ماخذ سے آگاہ ہون، تو وہ خود علما رہین اور ان کو تنگ خیال علما کی

کی بھی شکایت نہین رہے گی اور ان کو مذہب؟ یا تمدن؟ کی کشمکش سے نجات مل جائیگی،

خلافت یا امامت کیا چیز ہے؟ مسلمانون کی منظم جماعت کی سرداری جبتک مسلمان ممالک کی وسعت ایک دائرہ کے اندر سما سکی تو یہ واحد منظم جماعت کی سرداری تھی، چنانچہ خلافت راشدہ اور خلافت بنی امیہ مین اسپین سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک تمام مسلمان صرف ایک سردار کے زیر علم تھے، بنو عباس جب تخت نشین ہوئے تو اسپین الگ ہو گیا، اور بقیہ ممالک ایک ساتھ رہے، اس کے بعد خلافت عباسیہ کے ضعف اور ترکون، تاتاریون اور دوسری قومون اور ملکون مین اسلام کی اشاعت کے بعد جب بیسیون اسلامی حکومتین قائم ہوگئین تو حقیقت مین خلافت، یا امامت کی حیثیت آجکل اصطلاح مین مسلمان اقوام کی جمعیت کی سرداری کی ہوگئی، گو یہ صورت باقاعدہ نہ تھی لیکن خاکہ یہی تھا، جن لوگون نے ہمارے رسائل "دنیائے اسلام اور خلافت" وغیرہ پڑھے ہین، ان کو اس نظریہ کے تسلیم کرلینے مین کوئی عذر نہ ہوگا، یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام نے امامت یعنی مسلمان جماعتون کی تنظیم اور سردار نظام یعنی امام وامیر کی صحیح اطاعت کو فرض قرار دی ہے، مگر کوئی ایسا حکم نہین دیا ہے جسکی بنا پر مسلمان اوس کے فروعی اختیارات وطریقۂ تنظیم اور دیگر جزئی مسائل کی ترمیم وتجدید مین بالکل مجبور ہون، اسلیے اگر موجودہ ضروریات اور مصلحتین قدیم طریقۂ تنظیم مین کسی مناسب ترمیم اور تجدید کی متقاضی ہون، تو اون پر ہر وقت غور کیا جا سکتا ہے،

اس وقت یورپ بیچین ہے، اس کا امن وامان معرض خطر مین ہے سالہا سال کی خونریزی کے بعد اس نے اپنی بیچینیون کا علاج **جمعیۃ الاقوام** کا نسخہ تجویز کیا ہے، لیکن کسقدر افسوس کی بات ہے کہ اسلام نے **امامت کبری** یعنی تمام دنیا کے مسلمانون کی ایک سرداری، کا نسخہ جو جمعیۃ اقوام اسلامیہ کے ہم معنی ہے، پہلے سے ایجاد کر دیا ہے، لیکن ہماری مسلمان قومین اس نسخہ سے فائدہ نہین اٹھانا چاہتی ہین، اور دوڑ دوڑ کر شتابانہ ہیگ کی عدالت عالیہ کی جمعیۃ الاقوام کی طرف

جاتی ہیں، اور اوس کی رکنیت کو اپنی آزادی اور خود مختاری کا ضامن جانتی ہے، حالانکہ اونکی آزادی اور خود مختاری کی حقیقی ضمانت اگر ہو سکتی ہے تو امامت کبری کی تنظیم سے، جسکو تم مسلمان اقوام کی جمعیت کا لقب دے لو،

ہمنے پچھلے صفحون مین فقہ اسلامی اور قانون دنیاوی پر جو بحث کی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام روحانی اور سیاسی دو الگ الگ قوتون سے واقف نہین عیسائی یورپ کا مدار انجیل کے اس فقرہ پر ہے کہ "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیدو، جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو" لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ، "خدا کے سوا اور کسی کی حکومت نہین" بقول ایک امرکین مصنف کے "قیصر کون ہے جو خدا کی بادشاہی مین ساجھی ہے ؟" اسلام مین چرچ اور اسٹیٹ، دین اور دنیا دو الگ چیزین نہین دنیاداری ہی کو قانون الٰہی کے مطابق انجام دینا دینداری ہے، جو اسٹیٹ کا سپاہی ہے، وہی چرچ کا نمازی ہے، ان دونون کو الگ کرنا ہی تو ہماری تباہی کا سبب ہوا ہے، اگر ہماری دنیاداری دینداری ہوتی، اور دینداری دنیاداری، اور اگر ہمارے سپاہی نمازی ہوتے اور ہمارے نمازی سپاہی تو یہ دن ہی دیکھنے کیون پڑتے ؟ ،

ہماری تفریق اور انتشار کی مصیبت کو جس نے سب سے زیادہ اُبھارا ہے وہ قومیت پرستی کا وہ جذبہ ہے، جو یورپ کی نیشنلزم کی نقالی کر کے ہمنے حاصل ہے، یہی وہ جذبہ ہے جس کے مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا، اور جس جذبہ کو اوس نے "جاہلیت کی عصبیت" کہکر پکارا ہے، اوسکی صدا تو یہ تھی "ہمنے تمکو مختلف قومون اور قبیلون مین اس لیے بنایا ہے تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچانو، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ، تم مین سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے" جس نے کہا "ہان! عجمی کو عربی اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہین" جس نے کہا "ہان! اے انسانون تم سب ایک آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے"،

ہم مین ترک و عرب، عجم و عرب، ہند و چین، کے جھگڑے پیدا ہو گئے، مسلمانون مین اب تک صرف ایک قومیت تھی، اور وہ صرف اسلام کی، مسلمان جس ملک سے جس ملک کو نکل جاتا تھا، وہ اپنے کو تمام حقوق کے لحاظ سے اپنے ہی ملک مین سمجھتا تھا، مگر اب ترک اپنی تورانیت، ایران اپنی پارسیت مصر اپنی مصریت، عرب اپنی عربیت پر نازان ہے، اور اسی جذبہ کی ترقی کو اپنی آیندہ کامیابی کی بنیاد قرار دینا چاہتا ہے، بحمد اللہ کہ ہندوستانی مسلمان اب تک اس نجاست سے پاک ہے،

دیکھنے مین یہ معمولی بات ہے، مگر اس کا نتیجہ آپ جانتے ہین کس قدر اہم ہے، جس جذبہ کو ترقی دو گے وہی تمھاری حیات کا سررشتہ بن جائے گا، اگر مسلمانون کی بنیاد اسلامیت پر رکھی جائے گی تو مذہبی روح کے دوبارہ پیدا ہونے کی امید ہے، جیسا کہ ہندوستان کی اس گذشتہ تحریک مین تمنے دیکھ لیا لیکن جن اسلامی ملکون نے اپنی اپنی کوششون کا محور قومیت اور وطنیت کو قرار دیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہان جاہلیت کا عہد دوبارہ عود کر آنے کا خطرہ دامنگیر ہے، نوجوان مصری اپنے اہرام اور اپنے فراعنہ پر ناز کر رہا ہے، نوجوان ایرانی اپنے زردشت اور دارا اور خسرو پہ فخر کر رہا ہے، نوجوان عرب امرء القیس اور عنترہ پر پھول رہا ہے، اور سبا و حمیر کے تمدن کو یاد کر رہا ہے، نوجوان ترک ہلاکو اور چنگیز کی اولاد ہونے پر شادان اور فرحان ہے، اسلام کا فرزند کوئی نہین، مولانا محمد علی نے وفد خلافت یورپ کی ایک تقریر مین مصری بھائیون کے جواب مین ایک نہایت بلیغ فقرہ استعمال کیا تھا، انھون نے کہا، اگر تمکو موسیٰ پر ناز ہے تو تم ہمارے بھائی ہو، لیکن اگر تمکو اپنے فرعون پر ناز ہے تو ہمکو تم سے تعلق نہین

آج مصر و ایران، اور ترک و عرب ممالک مین نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ یہ قومی جذبات ترقی پا رہے ہین، یہ جس قدر زیادہ ترقی پاتے جائین گے اوسی قدر عالمگیر اسلامی نظام کے دانے بکھرتے جائین گے، اسی پرچہ مین تلخیص و تبصرہ کے زیر عنوان فلسفۂ تاریخ عثمانی کے نام سے عثمانی ترکون کے عروج و زوال کا راز ظاہر کیا گیا ہے، مصنف کہتا ہے، ترکون کی یورپ مین فتوحات اور ترقی

کا ماذیہ تھا کہ ایک طرف ترک و عرب و کرد و دروزی مسلمان قومیں متحد تھین، اور دوسری طرف عیسائی کیتھولک اور آرتھوڈکس کی فرقہ بندیون میں بٹے ہوئے تھے، ہر عیسائی فرقہ دوسرے عیسائی فرقہ کی تباہی سے خوش ہورہا تھا، زمانہ الٹا تو صاف حالت بدل گئی، مسلمان ترک و عرب کی قومیتون مین بٹ گئے، اور ادھر تمام عیسائی قومین متحد ہوگئین، نتیجہ زوال تھا،!

اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ ایک ملک اور ایک قوم کے بھی تمام مسلمان باہم متحد نہین عرب کی ایک قوم آج بیسیون قوم بنگئی ہے عرب کا ایک ملک بیسیون ٹکڑون مین تقسیم ہے، ہندوستان کیا قومی حیثیت سے، کیا مذہبی حیثیت سے، کیا خیالات اور افکار کی حیثیت سے آج اتنے ٹکڑون مین منقسم ہے، کہ شاید آج سے پہلے کبھی نہ تھا، پیرون کی تقسیمین ہین، مذہبون کی تقسیمین ہین، انجمنون کی تقسیمین ہین، ذاتون کی تقسیمین ہین، قومیتون کی تقسیمین ہین، ہر قومیت کے الگ الگ مستقل نام و نسب، مستقل تاریخ، مستقل جد و جہد، مستقل اسکول، مدرسہ، اور انجمن کی بنیاد پڑرہی ہے، ہر پیشہ کے مسلمانون کی ایک مستقل قوم تیار ہورہی ہے،

خوش قسمتی یا بدقسمتی سے میری تاریخ دانی نے شہرہ حاصل کرلیا ہے، حالانکہ "من آنم کہ من دانم"، اس شہرت نے لوگون کو یہ غلط توقع دلادی ہے، کہ مین ہر قوم اور ہر ذات کے نسب و تاریخ کو فوراً بتادونگا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ہفتہ گذرتا ہو جس مین کسی نہ کسی مسلمان ذات اور پیشہ کی مستقل قومیت ثابت ہوجانے کے لیے میرے پاس سوالات نہ آتے ہون، بھوپال سے پوچھا گیا کہ سبزی فروشون کی قومیت اور اس قوم کے نسب کا ماخذ کیا ہو! آگرہ سے سوال آیا ہے کہ قصائیون کی قومی اصلیت کیا ہو، کیا یہ قریشی مورث اعلیٰ قصیؔ کی نسل ہین، اور پنجاب کی ذاتون اور قومیتون کی تفصیلات کا ایک ذکر ہے؟

اتنی تفرقون اور پراگندگیون کے بعد مسلمانون مین حنفی و وہابی کی مردہ بحث پھر زندہ ہوگئی ہے

جس نے ہماری تمام پچھلی کوششون اور محنتون پر پانی پھیر دیا ہے، اور ملک کے اس سرے سے اوس سرے تک ذرون کی طرح مسلمان اوڑ رہے ہین، حالانکہ وہ لوگ جو ملک کی عام اسلامی تحریک کے ساتھ نہین، اون کے سامنے اگر **جزیرۃ العرب** کا سوال نہین تو کیا شدھی اور سنگھٹن کی وہ مخالفانہ تحریکین بھی نہین ہین، جو اس ملک مین مسلمانون کو مقابلہ کا چیلنج دے رہی ہین، اور مسلمانون کی متحدہ محاذِ جنگ کا مطالبہ کر رہی ہین، غرض اس وقت مسلمانون کے سامنے اندرونی اور بیرونی ایسے خطرات درپیش ہین جنسے مسلمان اوس وقت تک عہدہ برآ نہین ہو سکتے، جب تک اونکی عالمگیر تنظیم و اتحاد اور اس کے تحت مین، ملکی اسلامی تنظیم و اتحاد کی صورت نہ پیدا ہو، عالمگیر تنظیم و اتحاد کا نام **خلافت** ہے، اور ملک کے اندر اسلامی تنظیم و اتحاد کا آپ جو چاہیئے نام رکھ لیجئے، لیکن خود تنظیم کیا چیز ہے؟،

سیرۃ النبی صلعم جلد سوم

جس کے مقدمہ مین اولاً نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی نزول ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات مذکور ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین ہے، بعد ازین وہ ہین جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزون کی غیر معتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور آخر مین وہ بشارات نبوی ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین اور جنکے حوالے قرآن و حدیث مین مذکور ہین اور آخر مین خصائص محمدی کا باب ہے،

قیمت درجہ اول . . عـــہ درجہ دوم . . . . سے، تقطیع کلان تعداد صفحات ۸۱۶،

منیجر

ایک خطبۂ علمیہ

ابوالعلاء معرّی،
کے
متعلق مستشرقینِ یورپ کی غلطیان

ہمارے ہان قدماء کے درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ مدرس خود مسئلہ پر زبانی تقریر کرتا تھا، طلبہ سنتے تھے، اور یادداشت لکھتے جاتے تھے، اس طریقۂ درس کا نام املاء تھا، آج کل یورپ کا طرز بھی یہی ہے، اور عموماً ہندوستانی کالجون مین بھی اسی کی تقلید ہوتی ہے، اس طریقہ کا فائدہ یہ ہے کہ کم سے کم وقت مین الفاظ اور کسی خاص کتاب کی پابندی کے بغیر نفس مسئلہ حاضرین کے سامنے آجاتا ہے، طلبہ کا ذہن، عبارت، الفاظ اور ضمیرون کی الجھن مین نہین پڑجاتا،

ہم نے یہ چاہا ہے کہ دارالعلوم ندوہ کے جدید نصاب مین اس طریقۂ درس کو دوبارہ زندہ کرین ہم نے اپنے چند لائق دوستون کو اس سلسلہ کے آغاز کے لیے خطوط لکھے تو سب سے پہلے ہمارے فاضل دوست مولانا میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی، ادیب اورینٹل کالج لاہور نے اس کے لیے سب سے پہلے آمادگی ظاہر کی اور ۲۰ جون ۲۵ء کو لکھنؤ آکر انھون نے ہمارے عزیز طلبہ کے سامنے دو دن دو دو گھنٹے عنوان بالا پر املاء کیا، اثنائے سخن اور آغاز کلام مین انھون نے طلبہ کو یورپ کے اس علمی جدوجہد سے مطلع کیا جو وہ ہمارے علوم و فنون کی حفاظت اور اشاعت مین کر رہا ہے، اس کے ساتھ عربی خوان طلبہ کو غیرت دلائی کہ وہ بلند ہمتی کے ساتھ ان خدمات کے ادا کرنے کے لیے

کیون اپنے کو آمادہ نہین کرتے ،

خطیب ممدوح عربی ادب و تاریخ مین ید طولی رکھتے ہین، اور اسی کے ساتھ قلمی کتابون، یورپین مطبوعات اور علماے یورپ کی کوششون سے پوری طرح آگاہ ہین، اس لیے اس مضمون مین وہ پوری کامیابی حاصل کرسکے ہین،

مشرق کے قدیم الخیال اصحاب تو مغرب کے کمال کے یکسر منکر ہین، لیکن جدید تعلیم یافتہ اشخاص اس کی ہر بات کو وحی آسمانی اور اس کے ہر مصنف کو معصوم یقین کرتے ہین، یہ افراط اور تفریط ہے پہلا جہل مطلق ہے، تو دوسری مرعوبیت، اور دماغی غلامی! خطیب نے اسی لیے، خطبہ کا عنوان "ابو العلامعری کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیان" مقرر کیا تاکہ علماے یورپ کے محاسن اور نقائص دونون ہمارے طلبہ کے سامنے آجائین،

خدا کا شکر ہے کہ ایک طرف ہمارے عزیز طلبہ اور فاضل مدرسین نے خطیب کے فضل و کمال کا اعتراف کیا، دوسری طرف ہمارے دوست نے ہمارے طلبہ اور اساتذہ کے علمی ذوق و شوق، جدید معلومات کی تحصیل و طلب اور ان کے حسنِ مذاقِ اور ذوق سلیم کی پوری داد دی، اور تسلیم کیا کہ یہ خصوصیتین کسی اور عربی مدرسہ مین انھون نے نہین پائین،

ذیل مین اس حصہ کے تحریر شدہ حصہ کو ہم شایع کرتے ہین، اور عربی خوان طلبہ کو اسکو توجہ نگاہ کے ساتھ پڑھنے کی دعوت دیتے ہین،

"سید سلیمان ندوی"

خطیب نے تمہید و شکریہ کے بعد کہا:-

اندلس کی کسی تاریخ مین کبھی کسی اندلسی فاضل کی شان مین متنبی کا یہ شعر نظر سے گذرا تھا.

کبرت حول دیارهم لما بدت　　منها الشموس ولیس فیها المشرق

بات بھی یہی ہے اور اس بیت مین ایک ذرہ برابر مبالغہ نہین کہ اہل اندلس ہر فضیلت کے بجا طور پر سزاوار ہین، ماہ و مہر نے ہرچند لیل و نہار کے ہزار ہا سیاہ و سفید ورق الٹ ڈالے مگر کبھی ایسی دارفتۂ علم و قوم کو پھر اس جہان مین نہ لاسکی اور نہ بظاہر توقع ہے کہ آئندہ لائے،

سو اس وقت آفتابِ علم کا بلادِ مغرب سے طلوع ہونا کوئی اچنبھے کی چیز نہ تھی، مگر افسوس کہ پھر وہ حالت نہ رہی اور وہ آفتاب پھر اپنے پرانے رخ یعنی مشرق سے نکلنے لگا، مگر اب ہمارے کانون مین کوئی سو سال سے وہی بھنبھناہٹ محسوس ہو رہی ہے جسکا باعث بجز اس افسوسناک امر کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم نااہل اخلاف نے اون فاضل اسلاف کی پیروی ترک کر دی اور ہمارا علمی ترکہ اغیار نے اڑالے اور جس طرح ہم ملک سے تہی دست ہوگئے تھے اسی طرح علم و فضل سے بھی عاری ہونے لگے، اجانب بیدار تھے انھون نے اس یوسف گم گشتہ کی پوری پوری تربیت و نگہداشت کی حتی کہ اونکی علمی خدمات کی صدائین اپنی مسلسل گونج سے ہمارے کانون کے پردے پھاڑنے لگین، مگر واہ رے ہماری غفلت! کہ ہمین اس گہری نیند سے نہ جاگنا تھا اور نہ جاگے کاہلی، تن آسانی اور سہل انگاری ہماری ممتاز خصوصیتین ہوگئین اور دنیا ہمین طعنہ دینے لگی کہ یہ ہین انھین نامور اسلاف کے ناکارہ اخلاف حیف صد حیف!

ادھر یورپ نے نہ صرف اپنے بلکہ ہمارے مخصوص علوم و فنون کی وہ وہ بے لوث اور سرگرم علمی خدمتین کین جو ان کے لیے ہمیشہ جلی حروف مین تمغائے امتیاز، اور ہمارے لیے ننگ و عار کا ایک لازوال داغ بنی رہینگی، جس کے مٹنے کی اگر لیل و نہار یہی رہے تو کوئی قریبی توقع رکھنا سعی لاحاصل ہے، انھون نے شرق و غرب کے ہزار ہا عمومی اور خصوصی کتب خانے الٹ ڈالے اور ہماری نادرۂ روزگار کتابون کا ایک ایک کرکے کھوج نکالا، پھر ان کا متعدد نسخون سے مقابلہ کیا ان کو ذیلی حواشی اور ملاحظات سے

ملہ حاشیہ صفحۂ ماقبل) یعنے ان کے گھرون کے پاس کھڑے ہوکر تعجب سے اللہ اکبر! کہا جبکہ ان مین سے سورج طلوع ہوا حالانکہ وہ کوئی مشرق مین نہ تھے بلکہ مغرب مین تھے،

آراستہ کیں یعنی کہ ہمسے ہماری زبان مین ہمکلام ہوئے اور ادھر اپنے ابنائے وطن کے لیے اپنی زبانون مین ترجمے کئے ،

اور اس طرح احباب واقارب ہر دو کے دلون مین اپنی سبقت کی مہر ثبت کردی اور دونون کی گردنین اپنے احسان کے سامنے خم کردین اور ہر مخالف وموافق کی زبان سے خراج تحسین وآفرین وصول کیا مین گویا یورپ کی قصیدہ خوانی پر اتر آیا اور اپنی انتہائی پستی کا ماتم کرنے پر ، اسلیے اب ان باتون کو یہین چھوڑکر اصل مطلب کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہون ، یعنی کہ اہل یورپ نے ہرچند کہ ہماری زبانون کی بیش بہا خدمتین کی ہین مگر چونکہ وہ ہماری فطری اور کسبی عادات کی ترجمانی کے حقیقی اہل نہ تھے اور گویا وہ اپنی لیاقت کے بل بوتے پر اور ہماری نالائقی سے فائدہ اٹھاکر ہمارا بوجھ اپنے دوش ہمت پر لینا چاہتے تھے اور اس طرح ہمارا کام خود انھون نے سنبھالنا چاہا اس لیے بتقاضائے سنت آلہی ضروری تھا کہ حقیقی اجنبیت ومغایرت اور اکتسابی فضیلت ولیاقت خلقی خامی اور کمزوری کو ہمیشہ دبانے مین کامیاب نہ ہو ،

مگر افسوس جبکہ ہمین سرے سے اصل ہی سے کوئی سروکار نہ تھا تو ہمسے یہ امید کیسے وابستہ کیجاتی کہ ہم اصل ونقل مین تمیز کرسکین ، اسیلے ہم گم گشتگان بادیۂ حیرت کے دلون مین روز بروز یہ عقیدہ اور مستحکم ہوتا گیا کہ احباب خدا نکردہ کسی خارق فطرت اور مافوق العادت قوت کے مالک ہین جو انھین ہر دو میدانون یعنی سیاست ولیاقت مین کامیابی سے ہمکنار کررہی ہے ، اور گویا فطرۃً ہم ان محاسن سے محروم پیدا کیے گئے ہین اس لیے بے بسی اور عاجزی ہماری ہورہی ہے اور ہم اوسکے ہوگئے ہین ، نہین نہین !

نقصان ز قابل است وگرنہ علی الدوام فیض عنایتش ہمہ کس را برابر است

سچ پوچھیے تو مفتوحین ہمیشہ ایسے اخلاقی امراض کا شکار رہے ہین ، وللہ فی خلقہ اسرار ،

سونا گزیر تھا کہ ان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دیجائے کہ قدرت نے ہرگز ہرگز ان کے بارے مین بخل سے کام نہین لیا، اور یہ ساری علمی پستی ان کی پست ہمتی کا کرشمہ ہے وبس!

باضعف و ناتوانی ہمچون نسیم خوش باش   بیماری اندرین رہ خوشتر ز تندرستی

جس طرح یہ ضرورت بھی بجائے خود اہمیت مین کسی طرح کم نتھی کہ ان گمراہون کو راہ راست پر لایا جائے اور ان کے اس بت پندار کو توڑا جائے جس کا طاغوتی اثر یہانتک پہنچا ہے کہ وہ مشرق کے بے لوث اور مخلص خادمان علم کی سرفروشانہ مساعی کو بادۂ نخوت سے سرشار ہوکر شان بے نیازی سے ٹھکرا دینے کے عادی ہو گئے ہین،

اس سلسلہ کی پہلی کڑی مقالات یعنی مضامین متعلقہ ابو العلا معری ہین جنکا ایک حصہ بعنوان "معری اور معارضۂ قرآن" معارف مین اسی سال شائع ہو چکا ہے، اسکا سبب صرف یہ ہے، کہ عاجز نے اندنون ابو العلاء پر عربی مین ایک کتاب مسمے "ابو العلاء وماالیہ" لکھی ہے اور چونکہ ابو العلا کے آزادانہ افکار و آراء اہل یورپ کو اس درجہ معمول سے زیادہ بھائے تھے کہ اونھون نے نہایت تگ و دو اور کد و کاوش کرکے اوس کے احوال و اخبار مین بہت سی چھوٹی بڑی مخصوص غیر مخصوص اور بھلی بری کتابین جرمن انگلش اور فرنچ وغیرہ زبانون مین لکھ ڈالی ہین، ضرور معلوم ہوا کہ سردست اسی مضمون کو چھیڑدون جو ایک حد تک ان کے لیے مایۂ نازش اور سمجھا ہوا رہا ہے اور جس مین ان سے اغلاط کے سرزد ہونے کا نسبتہ بہت تھوڑا امکان رہا تھا، مین ابو العلاء کے مفصل سوانح اور نقد و تبصرہ کے لیے قارئین کو اپنی مذکورہ تالیف کا حوالہ دون گا جو اگر خدا کو منظور ہوا اور حالات نے ساعدت کی تو کسی قریب زمانہ مین نکل آئے،

یہان میرا مطلب صرف اون اغلاط فاحشہ اور تناقضات قبیحہ سے ہے جو ابو العلاء کے مختلف مناقب سے اوسکی زندگی کے سمجھنے مین سرزد ہوئے ہین، بدقسمتی سے مین جرمن اور فرنچ کتابون سے

اٹھانے کو کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا مگر چونکہ اہل یورپ نے اس سلسلہ مین ایک دوسرے کی ترجمانی پر ہی قناعت کی ہے، اس لیے مین فی الجملہ یہ کہسکتا ہون کہ مجھے ان کے مضامین پر قدرے عبور ہے، اسی ترجمانی کا نتیجہ یہ اغلاط کا انبار ہے،

اسلیے مین یہان خصوصیت کیساتھ گولیوتھ اور نکلسن صاحبان کے مشترک اور مخصوص اغلاط ہی سے بحث کرون گا، اور ناظرین اپنے طور پر یہ یقین کرلین کہ پورا یورپ کم و بیش انہین اغلاط مین مبتلا ہے،

مارگولیوتھ نے رسائل معری مطبوعۂ آکسفورڈ ۱۸۹۸ء کے شروع مین ایک زبردست پر مغز اور پر مواد مقدمہ نہایت متین لہجہ مین لکھا ہے جسکی صدائے بازگشت نکلسن کی ہسٹری آف عربک لٹریچر، ہسٹوریکل سائیکولوجی آف اسلام اور اسٹڈیز ان اسلامک پوئٹری ہے، مین نے چار کتابون کے لیے علی الترتیب یہ علامات وضع کی ہین (م-آداب، ۱، ئر۲، ۱۱، فکاس) مارگولیوتھ صاحب کا مقدمہ کل ۴۳ صفحات کا ہے اور نکلسن صاحب نے سوانح کے سلسلہ مین دو چار صفحون سے زیادہ کہین نہین لکھا اسلیے یقیناً یہ اغلاط ناظرین کے لیے مایۂ حیرت و استعجاب ہونگی، مین نے بہت سی معمولی اغلاط کو مطلق نظرانداز کر دیا ہے، مارگولیوتھ صاحب نے ترجمۂ رسائل اور تصحیح ترجمۂ معری از معجم الادبا مین اور بھی زیادہ غلطیان کی ہین مگر شاید وہ مقاومین کے تضییع وقت کا باعث بنتین، البتہ بر ضرورت مین ان کو بھی شائع کرسکتا ہون، جس طرح نکلسن صاحب نے افکار معری کی ترجمانی اور الغفران کے ترجمہ مین لاتعداد اغلاط کا ارتکاب کیا ہے، ایک اور صاحب بھی ہین جنھون نے انگریزی مین معری پر ایک مختصر مگر مستقل تالیف لکھی ہے جو بے شمار اغلاط سے لبریز ہے، اور چونکہ وہ عربی دانی کے خود بھی مدعی نہین ہین اس لیے گویا انھون نے نہ ہمارے التفات کو اپنی طرف کھینچا اور نہ ہمارا وقت لیا کہ جرحہا العجماء جبار،

میرا مقصد نہ اپنے پچھلے اعتراف سے مکرنا ہے اور نہ ان محبان علم کی بے غرض کوششون کی ناقدری کرنا بلکہ صرف حقائق کو اپنی اصل شکل مین پیش کرنا ہے اور ان کے بیرونی لبادون کو الٹ

دیا ہو اور یہ بھی تاکہ آیندہ جو اصحاب اس سلسلہ مین کچھ کام کرنا چاہین وہ اپنے پیشرو مقلدین کی طرح پھران اغلاط کا شکار نہ ہون اور ان کے مخلص کی یہ کوشش ان کے لیے کار آمد مواد فراہم کرے اور سابق الذکر سلسلہ کی ایک کڑی ہو جس پر جہانتک مجھے علم ہے بہت کم لکھا گیا ہے تاکہ پھر اس طرح ہماری مردہ غیرت و حمیت گدگدیان لینے لگے اور ہم کسی مفید خدمت کے لیے اُٹھ کھڑے ہون، مضمون کی خشکی پر مین محترم قارئین سے طالب عفو ہون اور ملتجی ہون کہ خدارا وہ علمی ترقی کے راہ مین اوسکو کوئی بڑی رکاوٹ نہ بنا لین ورنہ پھر علوم کی قسمت معلوم!

مارگولیوتھ کے اغلاط،

اغلاط مختلف قسم کی ہین اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو متعدد سرخیون کے ذیل مین ذکر کیا جائے،

علمی کم مائگی،

(۱) رسائل[1] کے اس جملہ وانصفت وما وجہی فی سقاء غیر سرب ماء ارقت منہ قطرۃ فی طلب ادب و لامال، و منذ فارقت العشرین من العمر ماحدثت نفسی باجتداء علم من عراق و لاشام، سے آپ یہ مطلب اخذ کرتے ہین۔ اپنے ایک مکتوب الیہ کو لکھتا ہے کہ وہ اپنی عمر کے بیسوین سال سے کسی عراقی یا شامی سے نہ مال کی ضرورت ہوئی اور نہ علم کی،"

ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ ابو العلاء کے دونون جملون کو بری طرح گڈمڈ کر دینے کا نتیجہ ہے ورنہ ابو العلاء نے بیس سال کی عمر سے پہلے بھی کسی سے مالی امداد نہ طلب کی تھی، صحیح ترجمہ یون چاہیئے، اور جب سے مین نے بیسوان سال چھوڑا کبھی میرے جی مین یہ خیال نہ آیا کہ کسی عراقی یا شامی سے طلب علم کرون،

(۲) کتاب الایک والغصون کی بابت جو ابو العلاء کی سب سے بڑی تصنیف ہے، ذہبی اور ابن خلکان کی بحوالۂ ایک شاہد عینی یہ روایت ہے وقد ذکر بعض الفضلاء انہ وقف علی المجلد الاول

[1] صفحہ ۳۲، [2] مقدمہ صفحہ ۱،

سنہ بعد المائۃ قال ولا اعلم مایوزہ بعد ذلک یعنی مجھ سے ایک فاضل نے کہا کہ اُس نے کتاب الأیک کی ایکسو ایکوین جلد دیکھی ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے نہین معلوم کہ اس مین اور کتنی جلدون کی کمی تھی، مگر مارگولیوتھ[1] اسکا ترجمہ یون کرتے ہین کہ وہ ۱۰۱ جلدون کی کتاب تھی جس نے اور تمام کتابون کو ناکارہ ثابت کر دیا، ان کے ترجمہ کے دونون جزو غلط ہین کہ فحوائے عبارت کا اقتضایہ ہے، کہ ممکن ہے اوسکی ہنوز اور کچھ جلدین رہتی ہون مگر مجھے علم نہین، اعواز کے معنی ناکارہ کرنا دنیا کی کسی لغت مین نہین،

(۳) ابن فورجہ[2] کا املا یون لکھتے ہین، (IENFAURAJAH) حالانکہ یون ہونا چاہیے (IBN FURAJJAH) جس طرح صاحب فوات الوفیات نے ضبط کیا ہے تتمۃ الیتیمۃ للثعالبی کے قلمی نسخہ[3] محفوظہ ببلیوتھک نیشنل پیرس مین مشکولاً موجود ہے، اس بات کی بعض مثالین آئندہ بھی آئینگی،

تصحیفات شنیعہ،

بعض اوقات ناکافی تامل کی بنا پر بری طرح الفاظ مین کتر بیونت یار دوبدل کر ڈالتے ہین مثلاً

(۴) سویقۃ غالب کو جس کا ذکر آئندہ آئے گا سُویقۃ ابن غالب لکھا ہے، اگر یہ غلط ہے ملاحظہ ہو معجم البلدان و ابن خلکان،

(۵) ابو الیسر شاکر کو جس کا ذکر خریدۃ القصر اور نکت الہمیان وغیرہ مین بار ہا آیا ہے، اور جو ابو العلاء کے بھائی ابو المجد محمد کے پوتے کے پوتے ہین آپ ابو النصر لکھتے ہین،

(۶) اور منتخب الدولہ کو جس کو یہ لقب الظاہر الفاطمی نے سنہ ۴۱۲ھ سے کچھ پیشتر دے کر دمشق کا گورنر بنایا تھا اور جس کا اصل نام امیر الجیوش انوشتکین الدزبری تھا آپ منتخب الدولہ بالنی لکھتے ہین ملاحظہ ہو ذیل تاریخ دمشق لابن القلانسی،

[1] م ۲۰۹، [2] م ۲۶ [illegible] اسکا فوٹو یہان لاہور مین ہے جنے بچشم خود دیکھے ہین [3] م ۲۲ [illegible] م ۳۱ و ۱۴۰

(۷) اغانی کے حوالہ سے راوی ہین کہ ابو تمام کی سفارش پر اہل معرہ نے بحتری شاعر کا ایک ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا، حالانکہ اغانی کے علاوہ وفیات مین بھی چار ہزار درہم ہین ذکر ایکہزار،

(۸) ایک جگہ لکھتے ہین کہ قاضی عبد الوہاب المالکی جب بغداد سے مصر کو روانہ ہوئے الخ اور دوسری جگہ کہ وہ مصر سے بغداد کو الخ حالانکہ مسافر اور سفر دونون ایک ہی ہین پھر دونون باتون کے لیے حوالہ بھی ایک ہی دیا ہے یعنی ابن خلکان ۱: ۳۰۳ جو مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ مین ۱: ۳۰۴ پر واقع ہے، یہ صاف تناقض بے سوچے سمجھے لکھدینے کا نتیجہ ہے،

بیدلیل دعوے

عموماً اہل مغرب اور ان کے مقلدین دعوون کے بڑے شیدا ہوتے ہین اور وہ اپنے استقراء غیر تام کے بھروسے پر فوراً دونک فیصلہ کر دیتے ہین جس پر سامع اون کے وسعت معلومات پر انگشت بدندان رہجاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ فیصلہ مین کوئی گنجائش باقی نہین چھوڑتے شاید اسی بنا پر ہماری منطق مین استخراج کو استقراء پر ترجیح دیگئی ہے، قاضی علی بن عبد العزیز الجرجانی کیا خوب کہتے ہین،

وما الحجۃ تبنی قط دعوی عن الصنۃ　　　وان قام فی تقصیدیقھا الف شاھد

مارگولیوتھ صاحب ہرچند کہ اپنی سنجیدگی اور وسعت اطلاع کے باعث علمائے یورپ مین سب سے بہتر ہین مگر گروہ پیش کے حالات سے صاف بچ نکلنا ان کے بس مین نہ تھا اس لیے بقدر رسدی وہ بھی دعادی کے خوان الوان سے زلہ چین ہوئے،

(۹) کہتے ہین کہ کہیو کے شعراء کے نام جو کتب تاریخ مین ملتے ہین اونکی سیاسی اہمیت کے مقابلہ مین بہت کم ہین، پھر حاشیہ پر کوئی ۵ شعراء کے نام گنائے ہین،

یہ دعوی قلت تتبع کا نتیجہ ہے حق تو یہ تھا کہ یون لکھتے کہ وہ انکی سیاسی اہمیت کی نسبت

سلہ م ۳ ص ۱۳۸ دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۸ء، ۲ ص ۱۷۵، ۱۲ سلہ م ۴۹ سلہ م ۴۴، ۲۳ سلہ م ۱۳۰،

سے کہین زیادہ ہین، یہان نامون کی طول طویل فہرست پیش کرنا شاید کوئی دلچسپ مواد فراہم نہ کرتا اس لیے قارئین کو مین اپنی عربی کتاب کا حوالہ دونگا جس مین مین نے کوئی ۵۰ شعراء کا ذکر کیا ہے جو بنو سلیمان، بنو الدوید، بنو عبد اللطیف، بنو ابی الحصین، اور بنو المہنا وغیرہ خاندانون سے تعلق رکھتے تھے

(۱۰) ایک جگہ مدعی ہین کہ ابو العلاء بینائی چلے جانیکے بعد بھی چند سال تک برائے نام بصارت سے متمتع رہا کہ پھولون اور حروف وغیرہ کی تعریف کرنا اس امر کی دلیل ہے،

یہ دعوی پادر ہوا اور بلا دلیل ہے کہ وہ اس کے اثبات مین کوئی کتابی دستاویز نہین پیش کر سکتے، بلکہ خود ابو العلاء اسکی تکذیب کرتا ہے اکثر مورخین اس سے ناقل ہین کہ چیچک کے نوچ... سے بعمر ۴ سال یہ نابینا ہوگیا تھا) مجھے چونکہ سرخ لباس پہنایا گیا تھا اسلیے مین بجز سرخ کے اور کسی رنگ کو نہین پہچانتا، سونا گزیر تھا کہ اگر چیچک کے بعد کسی قسم کی بصارت باقی رہی ہوتی تو بعد رنگو کو بھی پہچان سکے، اس کے دیوان سقط الزند مین ستارون کے وصف مین جو نونیہ قصیدہ ہے وہ شاید مار گولیوتھ صاحب کی نظر سے نہین گذرا جو آنکھ والون کے بس سے بھی باہر ہے اور جس کے برابر حیرت انگیز اشعار شاید کسی اندھے نے نہ کہے ہون دیکھئے تنویر (۱۰۲ ، ۹) اور نکت الہمیان (۲۹۸) جاحظ نے اعشی و بشار دو اندھے شاعرون کے دو معمولی سے شعرون پر حیرت کا اظہار کیا ہے صفدی اس واقعہ کو نقل کرکے کہتا ہے کہ اگر جاحظ کہین ابو العلاء کے نونیہ قصیدہ کو سن پاتا تو خدا جانے اسکی حیرت کا کیا عالم ہوتا، ظاہر ہے کہ ضعیف بصارت اس درجہ ستارون کی تشخیص نہین کر سکتی تو لازمی طور پر یہ غیر معمولی دماغی قوی کا نتیجہ ہوگا، ہلال کو نون سے تشبیہ دینا مستبعد بات نہین کہ یہ تشبیہ ابو العلاء سے پہلے کی ہے اور اندھون کو یہ معلوم ہونا کہ نون گول ہوتا ہے کوئی انوکھی بات نہین،

(۱۱) کہتے ہین کہ ابو العلاء نے بغداد پہنچکر اپنا جہاز چھڑانے کے لیے قاضی ابو الطیب طبری کے

سکنے پر امام ابو حامد اسفرائنی کو اپنے عینیہ قصیدہ سے مخاطب کیا،

یہ دعویٰ نہ کوئی ثبوت رکھتا ہے اور نہ ضرورت اسلئے کہ ابوالعلاء کے پہلے ابوالطیب اور ابو حامد ہر دو فقیہ مساویانہ حیثیت رکھتے تھے، یعنی کہ دونون سے بغداد ہی مین ملاقات ہوئی تھی اور پھر دونون محض فقیہ تھے ہان اگر بالفرض کوئی ادیب ہوتا تو وجہِ ترجیح پیدا ہو جاتی، پھر اس ابوالطیب کی ترغیب کی کیا حاجت تھی ؟

(۱۱) فرماتے ہین الشریف الرضی کی علمی مجلس شاپور کی مجلس کے نمونہ پر قائم کیگئی تھی جس کا ابوالعلاء نے نثر و نظم ہر دو مین تذکرہ کیا ہے الخ

شاپور کے دارالعلم کا تو بیشک ابوالعلاء نے تذکرہ کیا ہے مگر رضی کی کوئی ایسی مجلس سرے سے تھی ہی نہین، کسی تاریخ سے اس کا کوئی سراغ نہین ملتا اور واقعہ یہ ہے کہ شاپور کے دارالعلم اور مرتضیٰ برادر رضی کی علمی محفل کے ہوتے ہوے نوعمر الرضی کو ایک نئی محفل قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی، ہان یہ یاد رہے کہ شاپور رضی کے خسر تھے، اور رضی کے بڑے بھائی مرتضیٰ کی مجلس مین تو علمائے شہر کے ٹھٹھ لگے رہا کرتے تھے ہم نے اپنی کتاب مین اونکی مجلس کے چند دلچسپ واقعات قلمبند کئے ہین، پھر ابوالعلاء کا اس مین حصہ لینا بہت سی معتبر کتابون سے ثابت ہو چکا ہے مگر رضی کی مجلس کا کہین کوئی ذکر نہین ملتا اور نہ ابوالعلاء کا اس سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کہ تشابہ سے مرتضیٰ کی جگہ رضی کا نام لکھ ڈالا ہو، جس طرح ابن تغری بردی بھی اون سے پیشتر اسی تشابہ مین گرفتار ہو چکا ہے،

(۱۲) کہتے ہین کہ ابوالعلاء کے بغدادی دوست ابو احمد عبدالسلام خود جغرافیہ مین شہرۂ آفاق تھے، اسماء نسیبہ پر حکیم الشیرازی کی فہرست کا حوالہ دیتے ہین،

له م ۱۱۲۔ پھر محسن کو بھی اسی غلطی مین آداب ص۱۱۳ مین گرفتار پایا، ص ۲۲،

مین نے نسبتہً ہر سوانح نگار سے بدرجہا زیادہ عبدالسلام کے اخبار جمع کئے ہین مگر افسوس کہ مجھے اسکی جغرافی شہرت کا کہین پتہ نہ چلا، شاید معجم البلدان کی فہرست مین عبدالسلام کا نام آنا ہی حضرت کے وہم کا باعث بنا ہے، مگر یہ تو فرمائین کہ اس مین رسول اللہ صلعم عیسیٰ موسیٰ امرؤ القیس اور اعشیٰ وغیرہ کا بھی تو ذکر ہے، کیا یہ بھی جغرافیہ مین شہرۂ آفاق تھے؟ معجم البلدان تو اولاً ادب وتاریخ وانساب کی کتاب ہے اور ثانیاً جغرافیہ کی، ہان اگر بجائے جغرافیہ لغت وادب وشعر وتفسیر کا نام لیا جائے تو قرین صواب ہو، صاحب ذکریٰ (ص۱۶۷) نے بھی مارگولیوتھ کی کورانہ تقلید کی ہے اوس کے الفاظ یہ ہین "صاحب الصوت البعید فی علم تقویم البلدان"۔ دیکھئے ایک نے رائی کے برابر غلطی کی تھی جسکو دوسرے نے پہاڑ کے برابر بنا دیا، یہ ہین علمی تقلید کے قبیح نتائج،

(۱۴) کہتے ہین[1] کہ بغداد سے واپس ہوتے ہوئے ابوالعلاء موصل تک تو کشتی مین آیا اور پھر سانڈنی پر سوار ہوا، یہ دعویٰ بلادلیل ہونے کے علاوہ خود ابوالعلا کی شہادت کے خلاف ہے کہ وہ رخصت ہوتے ہوئے اہل بغداد کو اس طرح مخاطب کرتا ہے،

اذا ما نسع قلت واللوم کاربی	أجدکمو لم تفهموا طرب النسع
وانی لنا من ماء دجلة نغبة	علی الخمس من بعد المفاوز والربع

نسع یعنی تنگ سانڈنیون کے ہوتے ہین اور مفاوز یعنی مہیب بیابانون سے کشتی کو کیا سروکار؟ ۔ اور پھر اغلب یہی ہے کہ ابوالعلا، کو اپنی کشتی ہنوز واپس ہی نہ ملی تھی پھر اس مین سفر کیونکر کرتا؟ اچھا چلیے یون ہی سہی مگر موصل مین اپنی کشتی کو کس کے پاس چھوڑتا اور کیون، رسائل[2] کے لفظ دسرت عن بغداد۔ ۔ ۔ ۔ ۔

---

[1] لم ۲۸، [2] جب راہ مین کوئی تسمہ چرچرانے لگتا ہے تو مین یون کہتا ہون بجائیکہ ملامت گلوگیر ہوتی ہے کیا تم تسمہ کے اشتیاق کو نہین سمجھے، ! دور دست بیابانون کے بعد جب کہ جانورون کو پانی پیے ہوئے چار چار پانچ پانچ دن گذر چکے تھے ہمین آب دجلہ کا جرعہ کیونکر نصیب ہوتا ہے [3] ۳۲،

سیرا تخطط ابلہ وتنظ نسوعہ وتوقع الغرق سفنہ الخ کسی یقینی نتیجہ تک نہین پہنچاتے،

(۱۵) کہتے ہینؔ کہ پچھلے محققین بظاہر ابو العلا کی قبر کا کوئی سراغ نہین لگا سکے حالانکہ اسکی قبر کا مقام معرہ مین بالکل مشہور و معروف ہے ایک شاہد عینی جس نے ۱۹۰۵؁ء مین معرہ کی سیاحت کی تھی کہتا ہے کہ اسکی قبر شہر کے ایک گوشہ مین محلِ تکریم و تعظیم بنی ہوئی ہے اور کوفی خط مین اس پر ایک کتبہ کندہ ہے، اور اس کے قرب وجوار مین اس کے ایک شاگرد کا مزار ہے اور دونون کے مقابل ایک گنبد مین شیخ محمد مغازی کی تربت ہے، ہمارے ایک دوست نے لکھا ہے کہ مصر کے جریدہ العمران مین چھپا تھا کہ معرہ کے رئیس نورس پاشا نے اس کے مزار کی اصلاح کرائی اور وہان بچون کے لیے ایک مکتب کھول دیا ہے،

ناکافی تأمل اور سہل انگاری کے نتائج

گاہ گاہ ناکافی تأمل اور فقدان غور رسی کی بنا پر بعض عجیب وغریب اوہام کا شکار ہو گئے ہین مثلاً

(۱۶) کہتے ہینؔ اس کے رسائل وغیرہ مین کہین اس کے دونون بھائی ابو الہیثم اور (ابو المجد) محمد کا کوئی سراغ نہین ملتا،

ہان ابو الہیثم کا اسکی اپنی تالیفات مین بیشک کہین کوئی ذکر نہین، مگر محمد کا ذکر تو موجود ہے دیکھیے رسائل ۱۱۳ پر اوس کو وہ ان لفظون مین یاد کرتا ہے، واما سیدی ابو المجد فشغلہ من قلۃ الفائدۃ یعاد یمنع نومہ الخ یعنی برادر مہتر ابو المجد تو غیر دوسرون کی کار برآری مین منہمک رہتے ہین، تعجب ہے کہ خود رسائل ہی کا طابع و ناشر و مترجم یہ کہے کہ اوسکا کہین ذکر نہین، اس غفلت کے باعث بظاہر دو ہین (ا) مارگولیوتھ کو یہ معلوم ہی نہین کہ محمد مذکور کی کنیت ابو المجد ہے حالانکہ اوباء اور خریدہ وغیرہ مین بہ تصریح مذکور ہے، (ب) انھون نے ابو المجدؔ سے کسی متملی (کاتب) کو مراد لیا ہے احتمالاً، مگر یہ احتمال باطل ہے اس لیے کہ ماموں کے خط مین متملی کا ذکر بے محل ہے، اور پھر اوسکو بلفظ سیدی یعنی میرے آقا یاد کرنا اور بھی ناموزون، اور یہ دونون باتین ابو المجد محمد پر خوب چسپان ہین اس لئے کہ وہ

لہ م ۳۰۲، کہ ۳۴۳، تہ م ۱۴۴

بڑے بھائی تھے اور ساتوین صدی ہجری تک اون کے سلسلۂ نسب کی بقا کا ثبوت بذیل شجرہ جسنے اپنی کتاب مین پیش کیا ہے

(۱۷) کہتے ہین کہ بغداد مین المغربی اور ابو القاسم بن جلبات سے اوس کے تعلقات نے اندرونی دائرہ مین اوس کے داخلہ کی راہ کو صاف کر دیا،

باوجود کاوش ہمین کہین نہ معلوم ہوا کہ ابن جلبات ہنوز بقید حیات ہون، ان کا پتہ بجز مسقط الراس کے میتہ کے اور کہین سے نہین چلتا، یتیمۃ الدہر مین مذکور ہے کہ وہ شاپور کی مجلس کا شاعر تھا اور مصنف کہتا ہے کہ عضد الدولہ نے بغداد مین اوسکو ایک نہایت جلیل القدر منصب پر فائز کیا تھا، عضد الدولہ کی وفات کے بعد وہ اس منصب سے معزول کئے گئے جس کا نتیجہ بظاہر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ (معرہ) خانہ نشین ہوگئے ہون

المغربی کے متعلق مارگولیوتھ نے بہت کچھ غلطیان کی ہین جن کو ہم معلوم نہین کہ یہان وہ المغربی ہین ایک تو باپ یعنی ابو الحسن علی اور دوسرا فرزند یعنی ابو القاسم الحسین جو ابو العلا کا گہرا دوست اور اس کی فضیلت کا معترف ہے، ابو القاسم الحسین اس وقت تک سرے سے بغداد پہنچا ہی نہ تھا، پھر اوس کے اہل بغداد سے تعلقات کے کیا معنی؟ ابو القاسم شام مین پیدا ہوا، پھر عنفوان شباب مین اپنے باپ کے ہمراہ مصر چلا گیا جہان شباب کے بقیہ ایام گذارے پھر جب حاکم العلوی نے اوسکے باپ کو سنہ ھ مین قتل کر دیا تو یہ بھاگ کر حسان بن مفرج صاحب کے ہان پہنچا اور چند سال حاکم کے خلاف مصروف سازش رہا پھر کہین سنہ ھ کے چند سال بعد بغداد کے اندر پہنچا جس طرح بلا اختلاف تمام عربی تاریخین شاہد ہین مثلاً ابن القلانسی اور ابن الاثیر وغیرہ۔

(۱۸) کہتے ہین کہ المغربی نے جبکہ مصری لشکر حلب کا محاصرہ کئے ہوئے تھا عام اہل معرہ کو اپنے ایک سیلی خط سے مخاطب کیا جسکا اثر یہ ہوا کہ تمام اہل معرہ مصریون کیساتھ ملگئے پھر جب ان پر حلبی دال الحمدانی القلعہ ہوئے مصری انھین بچانے آئے اس غلطی کے کھولنے کا محل کوئی اور موقع تھا مگر تسلسل بحث کے لیے ہمنے یہین ذکر کیا، یہ قول چند اوہام کا مجموعہ ہے (۹) دونون مغربیون مین کوئی تمیز نہین رکھی کہ مبتلائے گمرہی دسیاسیات ابو الحسن

ام ۵ ہ سنہ ترجمہ رسائل ہ بغداد کو دیکھا کہ یہ دعوی نکلسن نے بھی دائرۃ المعارف مین کیا ہے

تھا اور خط لکھنے والا ابو القاسم جو باعث صغر سن کسی طرح سیاسیات مین حصہ نہین لے سکتا تھا ملاحظہ ہو
معری کا وہ وفیات الاعیان وغیرہ مین اس کا حال (ب) ابو القاسم نے یہ رسالہ مصر سے بھیجا تھا نہ کہ حلب
سے، ملاحظہ ہو معری کا وہ جوابی رسالہ جس کا نام رسالۃ المنیح ہے صفحہ دان ضاب اس واق البقیۃ بعد
(ج) یہ غلط ہے کہ اہل معرہ حمدانیون کو چھوڑ کر مصریون کی طرف مائل ہون اس لیے کہ اسی زمانہ مین یعنی ۳۹۴ھ
مین ابو العلاء نے سقط کا پہلا قصیدۂ لامیہ سعید الدولۃ نبیرۂ سیف الدولہ کی مدح مین طیار کیا تھا، ملاحظہ ہو
قلمی نسخہ موجودہ بلیو تھک نیشنل پیرس، نیز ابو العلاء نے مصریون سے نفرت ظاہر کرنے کے لیے بیسیون
اشعار کہے ہین جو ہمنے اپنی کتاب مین دیئے ہین منجملہ ان کے دو شعر یہ ہین،

یقولون فی المصر العدول وانما ‏ حقیقة ما قالوا العدول عن الحق
ولست بمختار لقومی کونهم ‏ قضاة ولا وضع الشهادة فی حق

نیز ابو العلاء حمدانیون کی طرف اپنے میلان کو بدین الفاظ ظاہر کرتا ہے،

لا تأمنن فوارسا من عامر ‏ الا بذمة فارس من وائل

تبریزی کہتے ہین کہ ملوک حلب وغیرہ آل وائل سے ہین اور ملوک عراق اور الجزیرہ آل عامر
مین [illegible] سے ذکر یادہ عامر سے شکایت ظاہر کرتا ہے اور وائل کا شکریہ، پھر اس مین حساب کی طرف بھی
اشارہ ہے کہ وائل کا ایک سوار عامر کے چند سوارون کے برابر ہے الخ (د) ابو العلاء کے رسالۃ المنیح کو سیاسیات سے کوئی تعلق
نہین جس طرح ہمنے اس کے مضمون سے اپنی کتاب مین بتفصیل بحث کی ہے لطیفہ ڈاکٹر ذکی معری نے اس موقع پر
مارگولیوتھ کے رد کرنے کی بڑی کوشش کی ہے مگر آنجناب والد کا نام ابو الحسن الحسین بن علی المغربی بتاتے ہین جو
باپ اور بیٹے کے نام کا مجموعہ ہے، دیکھو ذکری ص ۱۵،

لہ کہتے ہین مصر مین [illegible] لوگ ہین سچ پوچھو تو باطل پرست ہین بھائی مین تو اپنی قوم کیلئے کبھی یہ بات پسند نہ کرونگا کہ وہ قضا کا منصب
سنبھالین یا [illegible] پر شہادتین دیتے پھرین [illegible]

صاعد اندلسی

از

قاضی احمد میان اختر، جوناگڑھی

اندلس کے اسلامی عہد میں جو قابل تحسین علماء گذرے ہین ان مین قاضی صاعد کا نام نامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ ایسے جید عالم فاضل، فلسفی اور سائنٹسٹ کے حالات سے مؤرخین نے بالکل اعتنا نہین کیا، سوائے ابن بشکوال کے کہ جس نے صرف چار سطرون مین اس یگانۂ روزگار فاضل اجل کے حالات لکھدینا کافی سمجھا، سیر و اخبار کی کتابون مین اکثر صاعد کا نام حوالہ کے طور پر آتا ہے لیکن انکی زندگی کے متعلق کچھ بھی معلومات حاصل نہین ہوتین، اسلئے ان کے حالات کا پتہ لگانا ہمارے لیے بہت دشوار ہوگیا ہے، اس وقت ہمارے پاس انکی ایک زبردست علمی یادگار کتاب طبقات الامم[1] کی صورت مین موجود ہے، جو خوش قسمتی سے قلمی نسخون پر سے پہلے بیروت اور پھر مصر مین شائع ہوچکی ہے[2]، اور اپنے مصنف کی زندگی کے بعض پہلوؤن پر روشنی ڈالتی ہے، اسکی مدد سے ذیل مین ہم ان کے مختصر حالات قلمبند کرتے ہین،

نام، نسب، ولادت صاعد نام، باپ کا نام احمد بن عبدالرحمن بن محمد بن صاعد، کنیت ابوالقاسم، نسب کے لحاظ سے وہ عربی النسل اور خاندان بنو تغلب سے ہین، اصل وطن آبائی قرطبہ[3] ہے مگر ۴۲۰ھ (۱۰۲۹ء) مین پیدا ہوئے

---

[1] اس کتاب کو ہم نے اردو کا لباس پہنایا ہے جو عنقریب سلسلۂ دارالمصنفین مین شائع ہوگی، ا۔ اختر

[2] اس کتاب کو بیروت کے ایک عیسائی پروفیسر لوئیس شیخو نے ایک قلمی نسخہ پر سے، جو اس کو دمشق سے دستیاب ہوا تھا، پہلے اپنے عربی رسالہ المشرق ۱۹۱۱ء مین اور بعد ازان ۱۹۱۲ء مین برٹش میوزیم کے دو قلمی نسخون سے تصحیح کرکے مثل تدوین و طباعۃ یورپ شائع کیا، چند سال پیشتر بیروتی اڈیشن پر سے ایک اور اڈیشن مصر مین چھپا ہے جو اول الذکر کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے،

[3] کتاب الصلۃ لابن بشکوال ص ۲۲۴ طبع یورپ، صفدی (نکت الہمیان ص ۲۰۲) نے اچھی سیدہ کے ترجمہ مین صاعد کا حوالہ دیا ہے ... ان کو صاعد الجیانی لکھا ہے، جیان قرطبہ کا کوئی قصبہ ہے، اور غالباً اسی مناسبت سے ان کو قرطبی کہا جاتا ہے،

تحصیل علوم | معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے تمام علوم متداولہ، حدیث، فقہ، ادب، تاریخ، فلسفہ، طب، ریاضیات، ہیئت و نجوم وغیرہ کی تحصیل کی تھی، اور ان علوم مین کافی مہارت اور دستگاہ بہم پہنچائی تھی، امام ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ)، فتح بن قاسم اور ابو الولید الوقشی [۱] ایسے اندلسی فضلائے عصر سے فن حدیث مین استفادہ کیا [۲]، اور ان سے حدیث روایت کی، نہایت ذکی الطبع، وسیع المعلومات اور صاحب روایت و درایت [۳] تھے، فن نجوم مین خود صاعد کا بیان ہے کہ انھون نے اندلس کے ایک عالم ریاضیات ابو جعفر احمد بن خمیس الطلیطلی سے بہت کچھ اخذ کیا ہے [۴]، علوم نظری و عملی مین انکی وسعت معلومات اور تبحر علمی کی مثالین طبقات مین بکثرت نظر آتی ہین،

---

[۱] ان کی نسبت صاعد طبقات مین لکھتے ہین:-

"علوم و فنون کا ماہر، علم فقہ، آثار، علم کلام، وغیرہ مین دخل رکھنے والا، شاعر بلیغ، علم الانساب، ہندسہ و منطق کا محقق عالم، نحو و لغت، شعر و خطابت، تاریخ و سیر مین کوئی اس پر فضیلت نہین رکھتا، ہر علم مین کچھ نہ کچھ دخل رکھتا ہے، مین ۴۳۸ھ مین طلیطلہ مین اس سے ملا تھا الخ (ص ۷۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۰ برس کی عمر مین ان سے ملے جو غالبًا ان کا طالب علمی کا زمانہ تھا، طبقات کے ایک قلمی نسخہ مین عبارت ذیل موجود ہے جو مطبوعہ نسخہ مین نہین ہے:

وکان متہطو یلا فی الاخذ علیہ والتعلم منہ فلقیت منہ بحر علم و وجدت نزاھۃ و طرف جامع المکارم الاخلاق مستوفی علی غرائب الفضائل، وھو حی فی وقتنا ھذا قد اتی علی الخمسین اخبرنی انہ ولد سنۃ ثمانی واربعمائۃ (طبقات الامم ص ۱۱۲، روایات ملک)

ترجمہ: مین نے مدت مدید تک ان کی خدمت مین رہ کر تحصیل علوم کی اور ان سے تعلیم پائی، تو مین نے ان کو علم کا ایک بحر زخار، معدن شرافت و نجابت اور مکارم اخلاق مین عجیب و غریب فضائل سے متصف پایا، وہ اس وقت تک زندہ بقید حیات ہین، انکی عمر پچاس تک پہنچ گئی ہے، انھون نے مجھ کو بتایا ہے کہ وہ ۴۰۸ھ مین پیدا ہوئے۔

[۲] ان تینون بزرگون مین سے ابن حزم اور ابن الوقشی کا تذکرہ صاعد نے طبقات مین لکھا ہے، فتح بن قاسم کے حالات مجھ معلوم نہین ہوئے، امام ابن حزم کے حالات جو صاعد نے لکھے ہین وہ ذاتی واقفیت پر مبنی ہین، اسلئے قفطی، ابن خلکان، ابن ابی اصیبعہ، ذہبی (تذکرۃ الحفاظ) مراکشی (المعجب) مقری نے صاعد کے حوالہ سے نقل کیا ہے،

[۳] ابن بشکوال، [۴] ابن خمیس کی تعریف صاعد کی زبانی یہ ہے:-

"ہندسہ، نجوم اور طب کا عالم، علوم اللسان مین دخل رکھتا تھا، فن شعر مین اچھی مہارت تھی، علم الاعداد، ہندسہ، فرائض وغیرہ مین دستگاہ رکھتا تھا، ایک زمانہ دراز تک طلیطلہ مین درس دیتا رہا، ہیئت و نجوم مین اس کو اچھی واقفیت تھی، مین نے اس فن مین بہت کچھ اس سے اخذ کیا،

(طبقات ص ۷۲)

عہدۂ قضاۃ | فضیلت علمی کے ساتھ ہی صاعد کو خوش قسمتی سے عزت دنیوی بھی حاصل تھی، امیر المامون یحییٰ بن النظافر دالی طلیطلہ نے، جو علم دوست اور اہل علم کا سرپرست تھا، ان کو طلیطلہ کے عہدۂ قضاۃ پر مامور کیا تھا، ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ وہ اپنے معاملات مین آزاد تھے، اور حقوق کے مقدمات مین صرف ایک شاہد کی شہادت قبول کر لیتے تھے، اور دوسرا شاہد اسکی سوگند کو ٹھہراتے، اور شہادت خط پر فیصلہ دیتے تھے

اہل علم کے تعلقات | اندلس کے مشاہیر علماء سے صاعد کے گہرے علمی تعلقات رہے ہین، طبقات مین انھون نے بعض بعض مقامات پر اپنے ان تعلقات علمی کو ظاہر کیا ہے،

ابو مروان عبید اللہ بن خلف الاستجی نے، جو علم نجوم و احکام نجوم کا محقق عالم اور اپنے زمانے کا بے مثل ماہر فن تھا، اصول علم نجوم پر ایک محققانہ رسالہ لکھا تو اسکی ایک نقل اپنے ہاتھ سے لکھکر صاعد کو بھیجی، چنانچہ لکھتے ہین:-

ولہ فی التسییرات و مطارح الشعاعات	تسییرات کواکب (سیارون کی چالون) اور شعاعون
وتعلیل بعض اصول الصناعۃ رسالۃ	کے مواضع سقوط (کا معائنہ کرنے) اور فن نجوم کے بعض
فاضلۃ لم یتقدمہ احدٌ الیہا کتب	اصول کی توجیہ پر اسکا ایک محققانہ رسالہ ہے جسین کوئی شخص
بہا الیَّ من مدینۃ کورتہ[1]	اس سے پہلے سبقت نہین لیجا سکا شہر کورتہ سے اس نے مجھے یہ رسالہ لکھکر بھیجا تھا

اسحاق بن قسطار اندلس کا ایک یہودی عالم تھا جو فلسفہ، منطق، طب وغیرہ مین اچھی مہارت رکھتا تھا، اس کے ساتھ صاعد کے دوستانہ روابط تھے، اس کے تذکرہ مین لکھتے ہین:-

کان حمید المذھب جمیل الاخلاق	بہت دیندار اور با اخلاق تھا، مین اکثر اس کے پاس بیٹھا کرتا تھا
جالستہ کثیرا فما رأیت یھودیا مثلہ	متانت و سنجیدگی، صداقت اور کمال مروت مین کسی یہودی
فی رجاحتہ وصدقہ وکمال مروتہ[2]	کو مین نے اس کے مانند نہین دیکھا،

---

[1] طبقات (بیروت) ص ۸۶ [2] طبقات الامم ص ۹۰ بیروت

اس سے صاعد کی بے تعصبی اور مروت و اخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے، کہ باوجود مذہبی آدمی ہونیکے وہ غیر مذاہب کے اہل علم سے گہرے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، موجودہ زمانہ مین اس کی مثال کم نظر آئے گی، اس قسم کے علمی روابط سے متعلق طبقات مین بکثرت اشارات پائے جاتے ہین مگر بخوف طوالت ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین،

وفات صاعد نے اسی عہدۂ قضارۃ پر بعمر ۴۲ سال شوال ۴۶۲ھ (۱۰۷۰ء) مین بمقام طلیطلہ داعی اجل کو لبیک کہا، طلیطلہ کے ایک عالم یحییٰ بن سعید بن الحدیدی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی[1]؛

تبحر علمی صاعد کے تبحر علمی اور وسعتِ معلومات کی زندہ مثال خود انکی کتاب طبقات الامم ہے، جس سے چند مثالین بطور نمونہ ہم یہان درج کرتے ہین تاکہ انکی وسعتِ نظر اور محققانہ طرز کا کچھ اندازہ ہو سکے،

تاریخ تاریخ مین اُن کا پایہ بہت بلند اور طرز محققانہ ہے، مورخانہ تدقیق، اور اصولِ روایت و درایت مین یہ البیرونی اور ابن خلدون سے کسی طرح کم رتبہ نہین ہین، افسوس ہے کہ انکی تاریخی تصنیفات دستبردِ زمانہ سے ناپید ہو چکی ہین ورنہ انکی تاریخی طرز تحریر کا صحیح اندازہ ہو سکتا، اقوامِ عالم کی تاریخ بیان کو خاص طور پر عبور تھا، اور اس موضوع پر انھون نے ایک کتاب **جوامع اخبار الامم** لکھی تھی، طبقات مین جہان وہ اقوام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ان کے مساکن و معایش، ان کی زبان، ان کے رسوم و عوائد اور ملل و ادیان کا بیان جس تحقیق و تدقیق، جامعیت و اختصار سے کرتے ہین اس سے معلوم ہوتا ہی کہ گویا وہ ہمارے زمانہ مین بیٹھے ہوئے، موجودہ تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر لکھ رہے ہین، علمائے تاریخ سے جہان کہین اختلاف ہوتا ہے تو وہ اس کو بھی ظاہر کر دیتے ہین، طبقاتِ ملوک فارس کی مدت سلطنت عرب مورخین مین متنازع فیہ رہی ہے، البیرونی نے آثار الباقیہ مین اور حمزہ اصفہانی نے سنی ملوک الارض مین[2] اس سے متعلق موبدان مجوس کی مختلف روائتین نقل کی ہین، اس بارہ مین علمائے

---

[1] ابن بشکوال، [2] ملاحظہ ہو کتاب الباقیہ ص ۱۰۳، ۱۱۱، ۱۲۱، ۱۳۱، طبع یورپ؛ سنی ملوک الارض ص ۱۷ تا ۱۴۱، مطبوعہ طبع کاویانی،

عرب کے اقوال کو البیرونی نے آثار مین غلط ٹھہرایا ہی، صاعد نے اپنی تحقیق کی بنا پر ملوک فارس کی مدت سلطنت تین ہزار ایک سو چونسٹھ سال لکھی ہے جو البیرونی کی بتائی ہوئی مدت کے مطابق نہین ہے،

مؤرخین کے اس اختلاف پر صاعد نے اپنی کتاب اخبار الامم مین مفصل بحث کی ہے، چنانچہ لکھتے ہین:-

ولاھل العلم بتاریخ الامم تنازع فی مدۃ مملکۃ الفرس لیس ھذا موضع ذکرہ وقد اتینا باختلافھم فی ذلك فی کتابنا فی جامع اخبار الامم عن العرب والعجم واصح ما قیل فی ذالك الخ[1]

مملکت فارس کی مدت سلطنت علمائے تاریخ الامم کے نزدیک مبحوث فیہ ہے اور یہ اس کے ذکر کا موقع نہین ہے ہم مؤرخین کے اس اختلاف کو ہمنے اپنی کتاب جوامع اخبار الامم عن العرب والعجم مین بیان کیا ہے، اس امر مین صحیح تر قول یہ ہے،

″ ″ ″ ″ ″

اکثر مورخین نے بطلیموس صاحب المجسطی کو ان بطالمۂ یونان مین سے خیال کیا ہے جو اسکندر اعظم کے بعد حکمران ہوئے ہین، صاعد نے خود بطلیموس کی تحریر سے اس قول کی تردید کردی ہے، فرماتے ہین:

وکثیر من الناس ممن یدعی المعرفۃ باخبار الامم یجعلہ احد البطالمۃ الیونانیین الذین ملکوا بعد الاسکندر وذلك خطأ بین وغلط واضح لان بطلیموس ذکر فی کتاب المجسطی وفی النوع الثالث من المقالۃ الثالثۃ منہ الجامعۃ لجمیع حرکات الشمس

مدعیان علم تاریخ الامم مین سے اکثر لوگ اس کو ان بطالمۂ یونان مین شمار کرتے ہین جو اسکندر کے بعد بادشاہ ہوئے حالانکہ یہ ایک فاحش غلطی ہے، اس لیے کہ بطلیموس نے اپنی کتاب المجسطی کے مقالۂ سوم کی نوع ثالث مین جو تمام حرکات شمس اور ان کی رصد کے متعلق تمام احوال کی جامع ہے، بیان کیا ہے کہ مین نے عہد اذریانوس کے انیسوین سال مین اعتدال خریفی کا بذریعۂ رصد مشاہدہ کیا،

[1] طبقات ص ۴۹

ولما رصدها وسائر احوالها انه رصد
الاعتدال الخريفي في السنة التسع عشرة
من سني ادريانوس فذكر انه تجمع من
اول سني بخت نصر وقت هذا
الاعتدال الخريفي ثمانمائة سنة وتسع
وتسعون سنة وثلاثون يوما و
ست ساعات وجزأ هذه السنين
فقال انه يجتمع من اول سني بخت
نصر الى موت الاسكندر يعني الماقذني
جد الاسكندر ذي القرنين اربعمائة
سنة واربع وعشرون سنة مصرية
ومن موت الاسكندر الى ملك
اوغسطس يعني اول ملوك الروم
مائتا سنة واربع وتسعون سنة
من اول سنة من سني ملك
اوغسطس الى وقت الرصد الخريفي
المذكور مائتا سنة واحدى وستون
سنة وستة وستون يوما وساعتا
تبين بطليموس بهذا التفصيل والتحليل

اور لکھا ہے کہ اس کو سنہ بخت نصر کے سال اول سے
لیکر اس وقت کے اعتدال خریفی تک ۸۹۹ برس تیس
دن اور ۶ گھنٹے گزرے ہیں، پھر ان سنین کو اس نے اس
طرح تقسیم کیا ہے سنہ بخت نصر سے لیکر اسکندر ماقدونی
(جو اسکندر ذی القرنین کا دادا ہے) کی موت تک ۴۲۴
سال مصری (قبطی؟) اور اسکندر کی وفات سے اگسٹس
روم کے پہلے بادشاہ تک ۲۹۴ سال ہوتے ہیں، اور اگسٹس
کے سال اول سے اعتدال خریفی مذکور کی رصد تک ۲۶۱
برس ۶۶ دن اور ۲ گھنٹے، اس تفصیل و دعوے سے
بطلیموس نے اپنے زمانہ کی تصریح کر دی ہے، لہذا
اس کا زمانہ عہد اگسٹس سے ایک سو اکسٹھ برس
بعد ہے،

اور اقوام گذشتہ کی تاریخ کے ماہرین اور قرون ماضیہ کی
تاریخ کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ اگسٹس رومی
بادشاہ ہے جو خاندان بطالمہ یونان کی آخری ملکہ کلیوپٹرا
پر غالب آیا تھا، اور صرف اسی بات سے اس شخص کی تردید
ہو جاتی ہے جو بطلیموس کو بطالمہ یونان سے خیال کرتا
ہے اس امر میں صرف یہی دلیل کافی ہوگی انشاء اللہ

حقیقتہ وقتہ وان عصرہ کان بعد
عصر اوغسطس بمائة واحدی و
ستین سنة واجمع اهل العلم باخبار
الامم السالفة والمعرفة بتواریخ
الاجیال الخالیة ان اوغسطس هذا
ملک رومی وانہ تغلب علی قلوبطرا
آخر ملوک البطالمة الیونانیین
وفی هذا ما یبین خطأ من زعم انہ
احد البطالمة الملوک وفیہ کفایة
ان شاء اللہ تعالیٰ[1]

تاریخ علوم | مصنفین اسلام مین صاعد پہلے شخص ہین جنھون نے علوم اقوام کی تاریخ لکھی، اور ان کے بعد بھی ہمین نہین معلوم کہ کسی نے آج تک عربی مین اس موضوع پر قلم اٹھایا ہو، اگرچہ ان سے پیشتر ابن الندیم نے الفہرست ایسی ضخیم اور مبسوط کتاب لکھدی تھی مگر وہ کثرت اسماکتب کی وجہ سے ایک طول طویل خشک فہرست ہے پھر وہ کسی خاص ترتیب پر مرتب اور مدون نہین ہے اس لیے وہ کوئی باقاعدہ علوم کی تاریخ نہین کہی جاسکتی، صاعد سب سے پہلے مصنف ہین جو علوم عرب قبل و بعد از اسلام، انکی ابتدا اور تدریجی ترقیون سے ہم کو روشناس کرتے ہین، کسی قوم کی "علمی تاریخ" (لٹریری ہسٹری) لکھنا یورپ کی ایجادات مین شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ سب سے پہلے یہ شرف علم پرست مسلمانون ہی کو پہنچتا ہے،

تاریخ طبیعی | نوع انسانی سے قبل نوع حیوانی کے وجود اور ان کے معدوم ہوجانے سے متعلق نیچرل ہسٹری

[1] طبقات ص ۳۰-۲۹

کا ایک اہم نظریہ ہے جو سائنس دانون مین مختلف فیہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ نوع انسانی کے وجود مین آنے سے پیشتر ضرور نوع حیوانی روئے زمین پر موجود تھی، اور کہ آتش فشان پہاڑون اور زلزلون کے تصادم سے وہ ہلاک ہوگئی بعض علما جو ڈارون کے ہمخیال ہین اس بات کے قائل ہین کہ وہ ہرگز فنا نہین ہوگئی بلکہ اسکی جگہ اس سے بہتر انواع کے حیوانات نے لے لی ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ انسان ہی نے اس کو مار کر فنا کر دیا، لیکن جون جون تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہ قیاسات محض ہیچ یا افتادہ اور دور از کار معلوم ہوتے ہین، چنانچہ حال ہی مین تاریخ طبیعی کے ایک عالم مسٹر پریٹر (PRATER) نے "ازمنۂ قدیمہ کے حیوانات"[1] پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمام تاویلات جو پیش کیگئی ہین محض ظنیات ہین جو کسی طرح متیقن نہین ہین، بعض علمائے سائنس کو ان قیاسات کے تسلیم کرنے سے انکار ہے یعنی کہ وہ نہ تقدیم نوع انسانی کے قائل ہین اور نہ اسبابِ مذکورہ کو مانتے ہین کہ انسان ہی نے اس نوع کو معدوم کر دیا، انھی مین سے ایک علامہ صاعد کو بھی سمجھنا چاہیے جو ایسی رائے کو فلسفہ و حکمت سے بعید سمجھتے ہین، چنانچہ قدمائے مصر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہین:-

کانوا یرون انہ کان فی عالم الکون و الفساد قبل	قدمائے مصر یہ رائے رکھتے تھے کہ عالم کون و فساد
نوع الانسان انواع کثیرۃ من الحیوان علی صور غریبۃ	مین نوع انسان سے پہلے کئی انواع حیوانات موجود تھین
و تراکیب شاذۃ ثم کان نوع الانسان فغلب تلک	جنکی عجیب و غریب صورتین تھین، جب نوع انسانی وجود
الانواع و قاتلها حتی افنی اکثرها و شرد بقیتها	مین آئی اور وہ ان پر غالب ہوگئی تو ان مین سے اکثر کو
الی البراری و الفلوات فمنهم الغیلان و السعالی	فنا کر دیا اور بقیہ حیوانات کو مار کر جنگلون مین بھگا دیا،
و غیر ذلک مما ذکرہ عنهم الصدفی فی تاریخ المؤلف[2]	انھی حیوانات مین سے غول بیابانی اور سعالی بیابانی بتائے جاتے ہین

[1] مطبوعہ روزنامہ بمبئی کرانیکل مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۲۵ء یہ لکچر نیچرل ہسٹری سوسائٹی کے جلسہ منعقدہ ۱۸ جولائی ۱۹۲۵ء مین دیا گیا تھا۔ [2] ابن نامی کسی مصنف کا پتہ نہین چلتا، غالبًا یہ الصدفی کی تصحیف ہے جو مصر کے نامور مورخ عبدالرحمن بن احمد بن یونس الصدفی المتوفی ۳۴۷ھ کی تصنیف ہے وہ کتابین تاریخ مصر پر ہین (ملاحظہ ہو ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۸) ایک کتاب کا نام "المقید فی اخبار الصعید" اور دوسری کا نام "طبقات العلماء المصریین" ہے (اکتفاء القنوع ص ۲۴۵)

فی اخبار مصر فان کان ذلک حقاً فهو ممّا یبعده فی هذا الرأی من نظام الحکمة وقانون الفلسفة[۱]

ذکر ابومعشر نے اپنی تاریخ مصر مین کیا ہے، اگر یہ صحیح ہو کہ انکی یہ رائے تھی تو وہ اپنی اس رائے مین نظام فلسفہ و قانون حکمت سے کس قدر دور جا پڑے تھے!

فلسفہ صاعد کو فلسفہ و حکمت سے ایک خاص مناسبت ہے، طبقات مین علوم قدیمۂ یونان پر جو کچھ انھون نے تحریر فرمایا ہے اس سے فلسفہ مین انکی زبردست واقفیت کا ثبوت ملتا ہے،

طبقات[۲] مین انھون نے ارسطو کی کتاب سوفسطیقا اور کتاب الحیوان کا حوالہ دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو اصل یونانی متون تک ان کی رسائی نہ ہو، لیکن اس مین تو شک نہین ہے کہ کتب یونانی کے عربی تراجم پر ان کو دسترس تھی، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ارسطو کے فلسفہ کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے، ابوبکر محمد بن زکریا رازی اسلام کے وہ مایۂ ناز فلسفی اور طبیب ہین جنھون نے ارسطو ایسے عظیم الشان فلسفی پر سخت اعتراضات کیے ہین، اور کئی مسائل علمی مین اسکی مخالفت کی ہے، صاعد ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین: —

وکان شدید الانحراف عن ارسطاطالیس وعائباً له فی مفارقته معلمه افلاطون وغیره من متقدمی الفلاسفة فی کثیر من آرائهم وکان یزعم انه افسد الفلسفة وغیّر کثیراً من اصولها، وما اظن الرازی احفظه علی ارسطاطالیس ووجده الی تنقصه الا ما رأی ارسطاطالیس ... الا انه ... کتابه فی العلم الالٰهی وکتابه من الطب الروحانی وغیر ذلک من کتبه الدالّة علی استحسانه مذهب ...

یہ ارسطو کے سخت مخالف تھے، انھون نے ارسطو کے اپنے استاد افلاطون وغیرہ فلاسفۂ متقدمین کی اکثر آراء کو ترک کر دینے پر سخت معترض تھے، انکی رائے تھی کہ ارسطو نے فلسفہ کو خراب کر ڈالا، اور اس کے اکثر اصولون کو متغیر کر دیا، لیکن میرے خیال مین رازی کے ارسطو پر اس قدر برہم ہونے اور اسکی تنقیص کرنے کا بجز اسکے اور کوئی سبب نہین ہے کہ ارسطو نے علم الٰہی اور طب روحانی وغیرہ تالیفات مین فرقۂ ثنویہ[۳] سے شرکت کی ہے اور جو انھون نے ابطال ثنویت مین

۱؎ طبقات ص ۳۰ ۲؎ ص ۲۶ و ۳۰ (بیروت) ۳؎ فرقۂ ثنویہ وہ جو دو چیزون یعنی نور و ظلمت کو قدیم اور ازلی مانتا ہو بخلاف مجوس کے کہ وہ ظلمت کو حادث اور نور کو ازلی مانتے ہین، نیز جوہر، طبع، فعل، جہت، مکان، اجناس، ابدان، ارواح مین ان دونون (نور و ظلمت) کے اختلاف کے قائل ہین، (شہرستانی برحاشیہ ابن حزم ج ۲ ص ۸۰)

المذهب الثنوية فی الاشراك و کآراء البراهمة فی ابطال النبوة، و کاعتقاد عوام الصابئة التناسخ، و لولا الذی وفقه الله تعالیٰ اليه شيئ و حبب اليه نصر الحق و ارسطاليس بانه محص آراء الفلسفة و نخل مذاهب الحکماء فنفی خبثها و اسقط غثها و انتقی لبابها و اختار صفوها فاعتقد منها ما توجبه العقول السليمة و تراه البصائر الناقدة و تدين به النفوس الطيبة، و اصبح امام الحکماء و جامع فضائل العلماء،

اور عام صابیہ تناسخ میں ہم آہنگی کا اظہار کیا ہو اور اس نیچر نے انکی مخالفت کی ہو، اگر خدا ارسطو کو ہدایت کی توفیق عطا کرتا اور وہ امداد حق کے خواہان ہوتے تو ارسطو کی بابت یون کہنا درست ہوتا کہ اس نے فلسفہ کو پاک صاف کر دیا، مذاہب حکماء کو چھانکر ان کا میل کچیل نکالکر پھینکدیا، لب لباب الگ کر دیا، اور صاف کر لیا جو باتین عقل سلیم صاحبانِ نقد و بصیرت اور پاک نفس لوگون کے نزدیک واجب تھین، ان پر اپنا اعتقاد رکھا اس طرح وہ حکماء کا پیشوا اور علماء کے محاسن کا جامع بنگیا[1]

ملل و ادیان | صاعد نے مذاہبِ اقوام کا خاص طور پر مطالعہ کیا تھا، اس موضوع پر انکی ایک کتاب "مقالات اہل الملل والنحل" ہے جو انکی دوسری تصانیف کی طرح مفقود ہوگئی ہے، ان کا یہ ایک نظریہ ہے کہ ہر قوم اپنے ابتدائی دورِ مذہبی مین صابیہ (ستارہ پرست) تھی، طبقات مین جہان انہون نے امم قدیمہ عالم کی تقسیم طبقات پر کی ہے وہان لکھتے ہین:۔

فهذه الامم کانت جميعاً صابئة تعبد الاصنام تمثيلاً بالجواهر العلوية و الاشخاص الفلکية من الکواکب السبعة و غيرها

یہ سب امتین صابی المذہب تھین جو قیمتی جواہرات سے بنائے ہوئے بتون اور اجرام سماوی مین سے کواکب سبعہ وغیرہ کی پرستش کرتی تھین،

یہ نظریہ ایک فلسفیانہ اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ انسان اپنے اولین دورِ اعتقاد مین جبکہ اس کے اردگرد کوئی خاص فضائے مذہبی موجود نہ تھی تو کھلے ہوئے آسمانون کی وسعت بے پایان اس کو حیران بناتی رہی، اور اجرام سماوی کی درخشانی اسکی نگاہون کو خیرہ کرتی رہی، وہ اس طلسم قدرت

کا راز سمجھنے سے عاجز اگر ان کے آگے اپنا سر جھکا دیتا ہے، پھر اپنے متخیلہ کے مطابق قیمتی اشیا (جواہرات وغیرہ) سے انکی شبیہین بنا کر انکی پرستش کرتا ہے، ان کے نام پر ہیاکل اور بتکدے تعمیر کرتا ہے، قربانیان چڑھاتا ہے، اور ان کواکب سبعہ کو عالم سفلی مین مؤثر مانتا ہے، اس طرح بت پرستی عالم وجود مین آتی ہے، قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی تخیل عقیدت کا جو منظر دکھایا ہے وہ اسکی بہترین مثال ہے جس سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

فن نجوم فن نجوم سے قاضی صاحب کو بہت دلچسپی ہے، اور اس چھوٹی سی کتاب مین انھون نے نجوم واحکام نجوم سے اپنی پوری واقفیت اور مہارت تامہ کا ثبوت دیا ہے، منجمین اور فن نجوم کے علما پر خردہ گیریان کی ہین اور جابجا انکی اغلاط پر تنبیہ کی ہے،

مسلمہ ابن احمد المعروف بالمجریطی نے جو اندلس مین ریاضیات کا امام تھا، محمد بن موسیٰ الخوارزمی کی تاریخ فارسی کا عربی مین ترجمہ کیا تھا، لیکن جو غلطیان اصل مصنف نے کی تھین وہ ترجمہ مین بھی قائم ہین، ان اغلاط پر صاعد نے اپنی کتاب "اصلاح حرکات النجوم" مین تنبیہ کی ہے، چنانچہ لکھتے ہین :-

ووضع اوساط الکواکب فیہ کاولی تاریخ الہجرۃ وزاد فیہ جداول حسنۃ علی انہ اتبعہ الی خطئہ فیہ ولم ینبہ علی مواضع الغلط منہ وقد نبہت علی ذالک فی کتابی المؤلف فی اصلاح حرکات النجوم والتعریف بخطأ الراصدین [1]	اس کتاب مین اوساط کواکب کو اس نے سنہ ہجری سے لیا ہے اور عمدہ جدولون کا اضافہ کیا ہے، مگر یہ کہ اس نے غلطیون مین خوارزمی کی پیروی کی ہے، اور ان پر اس کو تنبیہ نہین ہوا ہمنے اپنی کتاب اصلاح حرکات النجوم مین ان اغلاط کو دکھایا ہے،

عبداللہ بن احمد السرقسطی (المتوفی ۴۴۸ھ) نے جو علم ہیئت ونجوم کا امام تھا، ہندوستان کے

[1] طبقات ص ۷۶

زبردست ہیئت دان برہم گپتا (۶۲۸ء) کی کتاب برہم سدہانت پر اعتراض کئے تھے اور ایک رسالہ لکھا تھا جس مین اسکی غلطیان دکھائی تھین، صاعد نے ان اعتراضات کی تردید کی اور انکی غلطیون پر اپنی کتاب مین تنبیہ کی، چنانچہ لکھتے ہین:-

ورأيت رسالة له كتب بها الى ابي	مین نے اس کا ایک رسالہ دیکھا ہے جو اس نے ابی مسلم
مسلم بن خلدون الاشبيلي يذكر فيها	ابن خلدون اشبیلی کو لکھ کر بھیجا تھا، اس مین اس نے حرکات
فساد مذهب السند هند في حركات	و تعدیل کواکب سے متعلق طریقۂ سدہانت کی خرابی
الكواكب وتعديلها ويحتج باشياء قد	کا ذکر کیا ہے، اس کے دلائل کی ہم نے تردید کی ہے،
رددنا عليه وبينا موضع الغلط منها	اور اپنی کتاب اصلاح حرکات النجوم مین اس کی غلطیان
في كتابنا المؤلف في اصلاح حركات	دکھائی ہین،
الكواكب والتنبيه على خطأ المنجمين[1]	

" " " " " "

فن طب | فن طب مین بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اچھا دخل تھا، اگرچہ اس فن مین انھون نے اپنی کسی تصنیف کا ذکر نہین کیا،

ابو مروان عبد الملک بن مروان بن زہر اشبیلی جو ایک نامور طبیب تھا اور جسکی شہرت کا آوازہ مشرق و مغرب مین پھیل چکا تھا اس کے تذکرہ مین لکھتے ہین:-

[1] طبقات ص ۷۹

وله في الطب آراء شاذة منها	طب مین اسکی انوکھی رائین ہین، مثلاً حمام کی ممانعت جس کے
منعه من الحمام واعتقاده انه	متعلق اسکی رائے ہے کہ یہ اجسام کو متعفن اور امزجہ
يعفن الاجسام ويفسد تركيب	کی ترکیب مین فساد پیدا کر دیتا ہے، حالانکہ یہ رائے متقدمین
الامزجة وهذا رأي يخالف	اور متاخرین دونون کے خلاف ہے، وہ خواص دعام
فيه الاوائل والاواخر ويشهد	سب اس رائے کے غلط ہونے پر شاہد ہین، بلکہ اگر

فضلة للعوام والخواص بل اذا استعمل على الترتيب الذي يجب بالتدريج ينبغي ان يكون رياضة فاضلة ومهنة نافعة لتنقيه المسام وتطرية للفضول وتلطيفه لما غلظ من الكيموسات[1]

اس تدریجی ترتیب سے جو ضروری ہے، جاری کیا جائے تو بہت بڑی جسمانی ورزش ہے اور مسامات کو کھولنے، فضول مواد جسم کو پاک کرنے اور کیموساتِ غلیظ کو لطیف کرنے میں بہت مفید ہے،

تصانیف صاعد کی تصنیف سے حسب ذیل کتابیں ہیں،

(۱) مقالات اہل الملل والنحل، (۲) اصلاح حرکات النجوم والتعریف بخطاء الراصدین (۳) جوامع اخبار الامم من العرب والعجم (۴) صنوان الحکمۃ[2] (۵) تاریخ الحکماء[3] (۶) التعریف بطبقات الامم،

کاسیری (CASIRI) نے اسکوریال کی قلمی کتابوں میں صاعد کی دو کتابوں:-

(۷) تاریخ الاندلس اور (۸) تاریخ الاسلام کا ذکر کیا ہے[4]،

---

[1] طبقات ص ۸۸ ، [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۹۹ علم طبقات الحکماء کے تحت میں طاش کبری زادہ (مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۲۳۳) نے اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

وقد اعتنى بذلك كثيرون منهم الصاعد الذي هو من مشاهير الحكماء وصنف فيها كتاب صنوان الحكمة ورأيته في عنفوان الشباب وهى كتاب لطيف لكن نسيت اسم مصنفه"

اور اس فن کی طرف کئی لوگوں نے توجہ کی ہے ان میں سے صاعد ہیں جو مشاہیر حکماء سے ہیں اور انھوں نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام صنوان الحکمۃ ہے، میں نے جوانی میں اس کتاب کو دیکھا تھا بہت عمدہ کتاب ہے مگر اس کے مصنف کا نام بھول گیا،

نواب صدیق حسن خان مرحوم نے بھی (ابجد العلوم ج ۱ ص ۵۳۰) یہی عبارت لکھی ہے مگر حوالہ نہیں دیا، نہیں معلوم خود انھوں نے یہ کتاب دیکھی تھی یا طاش کبری زادہ سے نقل کیا ہے، براکلمین کی فہرست رائل لائبریری برلین ج ۱۰ ص ۲۰ میں نمبر ۲ پر ایک کتاب "تتمہ صنوان الحکمۃ" بیہقی کی تصنیف سے ہے غالباً یہ اسی کتاب کا ذیل ہے حکماء کے حالات میں پروفیسر سخاؤ نے کتاب الہند بیرونی کے حواشی میں اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں،

[3] طاش کبری زادہ (مفتاح ج ۱ ص ۲۲۸) نے "علم التواریخ" کے تحت میں صاعد کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے، ایک تو یہی صنوان الحکمۃ اور دوسری تاریخ الحکماء، ابن خلکان (ج ۲ ص ۷۰) نے بھی فارابی کے تذکرہ میں صاعد کی کتاب طبقات الحکماء کا حوالہ دیا ہے، پھر آگے چلکر اس نے صاعد کی کتاب طبقات الاطباء کا حوالہ دیا ہے، غالباً یہ دونوں کتابیں ایک ہیں، [4]

BIBLIOTHECA ARABICO HISPANO II P. 261

[5] نمبر ۱ سے ۳ تک کا ذکر خود صاعد نے طبقات میں کیا ہے،

یہ تمام کتابین آج مفقود ہین جنمین سے سوائے طبقات الامم کے عام کتبخانون مین کسی ایک کا بھی پتہ نہین چلتا،

طبقات الامم | یہ کتاب قرون وسطیٰ کی علمی تاریخ ہے جس مین تمام دنیا کی علمی قومون کے علوم وفنون کے حالات درج ہین، مصنف نے اس مین امم قدیمہ کے طبقات تاریخی اور علمی حیثیت سے قائم کئے ہین، اور اقوام عالم کے متعلق بہت مفید اور کارآمد باتین منظم اور مدون طریقہ پر جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ لکھی ہین وہ کسی تالیف سابق مین نظر نہین آتین، صاعد نے یہ کتاب سنہ ۴۶۰ھ مین یعنی اپنی وفات سے دو سال پیشتر لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدۃ العمر علمی مشاغل اور تصنیف و تالیف مین منہمک رہے ہین،

اس کتاب نے اہل اندلس کے ہان بہت قبولیت حاصل کر لی تھی، اور وہ اس پر بجا طور سے فخر کرتے تھے اور اہل مشرق کو یہ کتاب روایۃً سناتے تھے[1] چنانچہ جب ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن مرزوق الیحصبی اندلسی حج کو جاتے ہوئے اسکندریہ سے گذرے تو انھون نے ابو طاہر سلفی (المتوفی سنہ ۵۷۶ھ) کو یہ کتاب سنائی، یہ کتاب یحصبی نے ابن بزال سے اور ابن بزال نے خود صاعد سے سنی تھی[1]،

مشرق مین بھی اس کتاب کی خاص قدر و منزلت کیگئی، ابو الفرج ابن العبری نے اپنی کتاب مختصر الدول مین اہل عرب اور ان کے علوم سے متعلق دو تذکرے اس کتاب سے نقل کیے ہین[2]، اسی طرح ابن خلکان، ابن القفطی، ابن ابی اصیبعہ، یاقوت، ذہبی، مقری اور مراکشی (صاحب المعجب)

---

[1] کتاب التکملۃ لکتاب الصلۃ لابن الابار ج ۲ ص ۳۶۳ طبع مجریط، و نفح الطیب ج ۱ ص ۵۰۹ لیڈن،

طبقات کا مطبوعہ نسخہ بھی غلط اور ایک آدھ جگہ ناقص ہے پھر اس کے فاضل مصحح نے ہر قلمی نسخون سے مقابلہ کرنے کے باوجود اسکو غیر مفید حواشی سے بھر دیا ہے، اسلئے پڑھتے وقت احتیاط کرنی چاہیئے، اسکی روایات پر جو اور کتابون مین شامل ہین ایک تنقیدی نظر ڈالنی چاہیئے،

میرے مخلص دوست مولوی محمد عبد العزیز صاحب میمنی نے اطلاع دی ہے کہ طبقات کا ایک عمدہ قلمی نسخہ ریاست ٹونک کے کتبخانہ مین ہے، اگرچہ کہیں کہیں ناقص ہے، [2] دیکھو مختصر الدول صفحات ۱۵۹ … طبع بیروت

وغیرہ نے اس کتاب سے اخذ کیا ہے،[1] ان مین سے بعض تو صفحے کے صفحے بلا حوالہ نقل کرلیے ہین، حاجی خلیفہ نے اس کتاب سے بخوبی استفادہ کیا ہو اور اسکی بہت تعریف کی ہے[2] علم الرصد کے بیان مین اس نے ایک طویل اقتباس اس کتاب سے نقل کیا ہے،[3] اس سے ثابت ہوتا ہو کہ اگلے لوگون کے نزدیک یہ کتاب کس وقعت کی مستحق تھی،

ماٰخذ صاعد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھون نے اس کتاب مین اپنے ماخذون کا جابجا حوالہ دیا ہے اور جہان کہین کسی سے زبانی روایت سنی ہے تو اس کے نام کی بھی تصریح کر دی ہے، اس کتاب مین صاعد نے حسب ذیل ماٰخذ کا ذکر کیا ہے[4]:-

(۱) کتاب الاکلیل وصفۃ جزیرۃ العرب للہمدانی،

(۲) التنبیہ والاشراف للمسعودی،

(۳) کتاب المعارف لابن قتیبہ

(۴) کتاب الالوف وکتاب المذاکرات لابی معشر الفلکی

(۵) کتاب الفہرست لابن الندیم

(۶) صلۃ التاریخ الطبری للفرغانی

(۷) زیج ابن الادمی معروف بنظام العقد،

اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ صاعد کا مذاق علمی تاریخی کسقدر بلند اور صحیح، اور نظرِ انتخاب کس قدر اعلیٰ تھی!

[illegible]

فلسفۂ تمدن اور اسلام،

از

مولوی عبدالباسط صاحب بی اے

مذہبی ضروریات کا اندازہ کرتے ہوئے اب ہم موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی انسان کے مدنی الطبع ہونے سے بحث کرتے ہین، امرمسلم الثبوت ہے کہ انسان فطرۃً مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے یعنی انسانون کی ایک جماعت کثیرہ کا راحت کے ساتھ عمرطبعی تک پہونچنے اور آیندہ نسلون کو راحت و آرام سے عمرطبعی تک پہونچانے کی غرض سے باہم مل کر بود و باش اختیار کرنا انسانی فطرت ہے،

جب راحت کے ساتھ عمرطبعی تک پہونچنے اور آیندہ نسلون کو عمرطبعی تک براحت آسائش پہونچانے کے لئے ایک کثیر جماعت باہم مل کر رہتی ہے، تب اسمین تعامل اور تعاون شروع ہوتا ہے یعنی تمام وہ امور جو شخصی اہلی اور نوعی زیست کے باقی رہنے اور بہتر ہونے کے لئے ضروری ہین ان کو وہ بہت سے اشخاص آپس مین علی قدر مراتب بانٹ لیتے ہین، ہر شخص کے تمام ان کامون مین سے جو وہ روزانہ انجام دیتا ہے بعض ایسے ہوتے ہین جو وہ صرف اپنی ذات کیلئے کرتا ہے اور زیادہ وہ ہوتے ہین جو دوسرون کے فائدہ کیلئے ہوتے ہین،

تصاحب و تعامل سے جو مطلق آزادی کسی جزیرے کے ایک تنہا باشندے کو ہوسکتی ہے اس مین ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے، تنہائی مین وہ اپنے فعل کا خود مختار تھا لیکن اجتماعی زندگی مین یہ ناممکن ہو جاتا ہے، یہان دوسرون کا خیال غالب ہوتا ہے، تنہائی مین صرف اپنی زیست راحت سے بسر کرنے کی فکر ہوتی ہے، اجتماعی زندگی مین نوع انسان کی زیست کی فکر اس پر اور زیادہ ہو جاتی ہے،

اب جبکہ بالطبع مدنی الطبع ہونا ثابت ہوگیا تو ضرورت اس امر کی ہوئی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا برتاؤ ایک دوسرے کیساتھ کس اصول پر ہونا چاہیے آیا یہ کہ اس ذاتی خواہشات پر دوسرون کی ضروریات کو ترجیح دینا چاہیے، یا اپنی ضروریاتِ زندگی کو مقدم سمجھنا ضروری ہے، جب ہر فرد کے انفرادی افعال جو زیست مین دخل رکھتے ہین، اس اعتبار سے کئے جائین کہ وہ فاعل کی زیست کو راحت و آرام کیساتھ عمر طبعی تک پہونچائین تب وہ نافع للذات کہلاتے ہین اور جب وہ اس اعتبار سے کئے جائین کہ ان سے اپنی ذات کے برخلاف دوسرون کو فائدہ ہو تب وہ نافع للغیر کہلاتے ہین، بالفاظ دیگر اپنے ذاتی مقاصد کی طلب کا نام **انانیت** ہے اور دوسرون کے مقاصد کی طلب کو **اخوانیت** سے تعبیر کرتے ہین،

انسان مین راحت پسند اور صحبت پسند ہونا دونون امر طبعی ہین اور وہی تمام ان افعال کی بنا ہین جنکا تعلق زیست سے ہے، اس لئے تمام افعال خواہ وہ نافع للذات ہون یا نافع للغیر باہم ایسے وابستہ ہین کہ ایک دوسرے سے جدا نہین ہوسکتے، تصاحب و تعامل کی حالت مین جس قدر نافع للذات افعال واجب ہین اسی قدر نافع للغیر بھی واجب ہین، اب وہ اشخاص جو صرف نافع للذات افعال کرتے ہین، اور نافع للغیر کو چھوڑ دیتے ہین، وہ اصول تصاحب و تعامل کو برہم کرکے قوم کی تباہی کا سبب ہوتے ہین، اور چونکہ خود بھی قوم کے ایک فرد ہین اس لئے ہلاک ہوجاتے ہین، اسی طرح وہ اشخاص جو اپنا وقت عزیز زیادہ تر افعال للغیر مین گذارتے ہین اور ضروری نافع للذات افعال کی پرواہ نہین کرتے وہ بھی بالآخر فنا ہوجاتے ہین،

ہربرٹ اسپنسر نے اس موضوع پر کافی توجہ کی ہے، اور انانیت اور اخوانیت دونون کام توافق و تطبیق کی کوشش کی ہے، اس نے دکھایا ہے کہ ان دونون مین سے کسی مین بھی اگر افراط پسندی سے کام لیا جائے تو خود اس کی بربادی لازم آتی ہے، اگر ہر شخص اپنے ہی اغراض کا طالب ہو تو کسی ایک فرد کی بھی غرض حاصل نہ ہوگی، اس لئے کہ ہر شخص اکثر حالات مین دوسرون کی مدد کا محتاج ہوتا ہے اور تمام

افعال اپنی زیست کیلئے انجام نہین دیسکتا، دوسری طرف اگر ہر شخص اپنی ذات کو تمام تر صرف دوسرون ہی کیلئے وقف کردے تو یہ خود ان کے لئے مضر ثابت ہوگا، اس لئے کہ اگر ہر شخص خود اپنی خبرگیری سے بے پروائی برتے تو وہ اس اہلیت اور قابلیت کو نقصان عظیم پہونچائیگا جو اس مین دوسرون کی اعانت کی ہے، اور اصل فائدہ مفقود ہوجائیگا اس بحث کو فاضل مذکور نے نہایت دلچسپ طریقہ پر بیان کیا ہے اور بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ ہمارا مقصد نہ تو خالص انانیت ہونا چاہئے اور نہ محض اخوانیت بلکہ ان دونون کی تطبیق وتوفیق،

لیکن اگر بیان بالا نظر غائر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ فی الحقیقت انانیت اور اخوانیت مین اس سے بھی کم منافات اور تباین ہے جیسا کہ ہربرٹ اسپنسر کو نظر آتا ہے اس لئے کہ نفس کی حقیقی تکمیل صرف مقاصد اجتماعیہ ہی کی تکمیل سے ممکن ہے، چنانچہ ہیگل کا مقولہ ہے کہ ہم اپنی تکمیل اپنی قربانی ہی سے کرسکتے ہین، اور اس طریقہ سے ممکن ہے ہم کو اپنی ذات کا تحقق ہوتا جاتا ہے، اسی حد تک کلی نقطۂ نظر سے قریب ہوتے جاتے ہین یعنی وہ نقطۂ نظر جس سے ہماری نگاہ مین اپنی شخصی بھلائی کسی دوسرے کی بھلائی سے زیادہ اہم نہین رہجاتی، اس مین شک نہین کہ اپنی انفرادی ترقی کا خیال دوسرون کی ترقی کے مقابلہ مین ہمارے لئے ہمیشہ لازمی ہے، کیونکہ اپنی ذاتی ضرورتون کو ہر شخص خود ہی خوب سمجھ سکتا ہے اور اپنی ذاتی ترقی وتکمیل کے وسائل خود ہی خوب جانتا ہے لیکن اپنی ذات کی فلاح اندیشی جماعت کی فلاح اندیشی کے نقطۂ نظر پر مبنی ہو تو اس کو صحیح معنون مین انانیت نہین کہا جاسکتا، اگر غور سے دیکھئے تو یہ ایک فرد کی تکمیل ہے لیکن جماعت کے لئے بعض ذاتی خواہشون کو اجتماعی منافع کیلئے قربان کردیا جاتا ہے اور ذاتی ترقی کا اصل مقصد اجتماعی ترقی ہوتی ہے جب یہ مسلّم ہوجائے تو انانیت اور اخوانیت مین کوئی تعارض باقی نہین رہتا کیونکہ اس صورت مین ہم نہ صرف اپنی بھلائی چاہتے ہین اور نہ محض دوسرون کی بلکہ دونون کی اور یہ سمجھکر کہ دونون ایک ہی کل کے جزو ہین،

انفرادی ہستی بحیثیت ایک فرد ہونے کے بالکل نیست ہے چنانچہ ارسطو نے انسان کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ ایک سیاسی حیوان ہے اور اخلاقیات پر جب تک اس کو سیاسیات یعنی نظم جماعت یا سوسائٹی کے

جو وہ قرار دیا جائے تسلی بخش بحث نہیں ہو سکتی، کیونکہ جس قدر بھی فرائض و محاسن اخلاق ہیں وہ ہر قدم پر جماعت ایک دوسرے کیساتھ باہمی روابط پر موقوف ہیں، اگرچہ دور جدید انفرادی آزادی اور شخصی حریت کا حامی نظر آتا ہے لیکن حکماے قدیم کے خیالات اس کے بالکل برعکس معلوم ہوتے ہیں چنانچہ افلاطون کی مشہور کتاب جمہوریت ہے جسمین وہ انسان کی اجتماعی فطرت سے اس درجہ متأثر تھا اور اجتماعی پہلو سے حیات انسانی کے مطالعہ کو اس قدر ضروری جانتا تھا، کہ انفرادی محاسن اور شخصی آزادی کی تجویز کی بجائے پہلے اس نے اچھی حکومت کے ممیزات معلوم کرنے کی کوشش کی، ان پر کافی روشنی ڈالنے کے بعد اس کے نزدیک عمدہ شخص واحد کا امتیاز نہایت آسان تھا، یہی وجہ ہے کہ اخلاقیات مین افلاطون کی سب سے بڑی تصنیف اسکی کتاب جمہوریت ہے جسمین اس نے ایک نصب العینی حکومت کا خاکہ کھینچا ہے، یونانیون کی عام رائج تقسیم کی رو سے اس حکومت کے وجود کیلئے افلاطون کے نزدیک چار بڑے فضائل کا کسی شخص واحد مین پایا جانا ضروری تھا یعنی حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت، ان فضائل کی جو اہمیت حکومت کیلئے ہے، اس سے وہ انفرادی زندگی مین ان کی اہمیت کا نتیجہ نکالتا تھا،

نہ صرف افلاطون بلکہ ارسطو کو بھی انسان کے مدنی الطبع ہونے کا کچھ کم دعویٰ نہ تھا، اس نے اخلاقیات پر جو بلند پایہ کتاب لکھی ہے اس کا حصہ اولین یہی ہے کہ اخلاقیات سیاسیات کا ایک جزو ہے، اس کی تصنیف ان تمام فضائل سے مملو ہے جو کسی حکومت مین عمدہ شہریون کے لئے ضروری ہین اور جنکو وہ یونان مین موجود پاتا تھا، لہذا معلوم ہوا کہ یونانیون کا بہترین علم اخلاق ایک ایسی حکومت کے تخیل پر مبنی ہے جس کے اندر رہکر افراد کو اپنی زندگی کی تکمیل کرنا چاہئے اور فرقہ رواقیہ یا (STNEFRILOSPHN) کا مسلک صرف اس وقت وجود مین آیا جب کہ یونانی حکومت کا بہترین زمانہ گذر چکا تھا، اور ان پر روم کے باشندے فاتحانہ حکومت کر رہے تھے، **رواقیت** کی رو سے نیکوکار انسان جس کو وہ حکیم کے نام سے موسوم کرتے تھے کسی خاص رشتہ اجتماع کا پابند نہین ہوتا تھا بلکہ خود اپنی مستقل اور آزاد زندگی رکھتا تھا لیکن باوجود اس کے وہ اسکو تسلیم کئے بغیر نہین رہے کہ ایک اعلیٰ اخلاقی عمدہ آدمی شہری ہوتا ہے، ان کی تعلیمات جسمانی، روحانی، اور اخلاقی بلند اور اعلیٰ یقین

لیکن اصول تمدن سے اجتماعی روابط کی ان مین بہت کمی پائی جاتی تھی جس نے ان کو زمانہ کی نظرون مین تقریباً تمدن سے
اور خارج از انسانیت بنا دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ انکی تعلیمات انفرادی آزادی کے قریب لفاظیون کا ایک مجموعہ
معلوم ہوتا ہے، یہان آکر ہم کو اس کا بھی انکشاف ہو جاتا ہے، کہ مسیحیت مین رہبانیت کس حدتک جائز ہے
اس رواقیت کے اصول پر مسیحیت نے بھی یہی راہ اختیار کی یعنی عیسائی مذہب کی بنیاد بھی بلاقید ملک و ملت رواقیت
پر ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افراد کی مستقل بالذات اور مستغنی عن الاجتماع حیات کی قائل نظر آتی ہے، اس کا
مسلک یہ ہے کہ "ہر شخص کو خود اپنی نجات کی راہ نکالنا چاہئے"، اور زندگی کے اعلیٰ نصب العین کے حصول کیلئے
والدین، اعزہ و اقارب اور دوست احباب تک کو چھوڑ دینا چاہئے، چنانچہ بڑے بڑے خدا پرست جنگل بیابان
یا پہاڑ کے کھوہ مین عبادت الٰہی مین مصروف رہنا پسند کرتے رہے ہین اور اس متمدن زندگی پر اس رہبانیت
کی زندگی کو بہمہ وجوہ ترجیح دیتے ہین لیکن اگر اصول مسیحیت اور اس زمانہ کے حالات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا
کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسیحیت کو اپنے زمانہ مین چونکہ ایک بالکل نئے حالات کی دنیا سے مقابلہ کرنا تھا اس لئے لازمی
طور پر اس کو شروع مین رہبانیت پر کسی قدر زیادہ زور دینا پڑا لیکن جب اس نے کچھ عرصہ بعد ایک بڑی دنیا
کو فتح کر لیا تو اس کا اجتماعی رخ سامنے آنے لگا، اور بالآخر وہ اس امر پر زور دینے مین بھی کسی دوسرے مذہب
سے پیچھے نہین رہا، کہ ؎ بنی آدم اعضاے یک دیگر اند کہ در آفرینش زیک جوہر اند، اور کمال کی
کے سیلے خدا اور بندون دونون کے ساتھ اتحاد و اتصال ضروری ہو گیا چنانچہ عیسائی دنیا مین بھی اب
یہی رخ زیادہ اہم اور ضروری خیال کیا جاتا ہے،

اس کے بعد جب ہم مذہب اسلام کی طرف نظر کرتے ہین، تو صاف الفاظ مین ہمکو نظر آتا ہے کہ لا
رهبانية في الاسلام یعنی اسلام مین غیر متمدن زندگی کسی طرح جائز ہی نہین ہے اصول
شرع یہ تعلیم دیتے ہین کہ ہم کسی طرح بھی غیر متمدن زندگی بسر کرکے عاقبت مین نجات کے مستحق نہین ہو سکتے
وہ رہبانیت کی زندگی کو سرے سے ہی ناجائز بتاتے ہین، اور اگر ذرا بھی غور و خوض سے کام لیا جائے،

تو معلوم ہوگا کہ در اصل انسان ایک دوسرے کا دنیوی ضروریات مین اس قدر محتاج بنایا گیا ہے کہ وہ رہبانیت
کی زندگی براحت بسر ہی نہین کر سکتا، یہ مسئلہ اس وقت بالکل صاف ہوجاتا ہے، جب یہ فرض کر لیا جائے
کہ کسی خاص جگہ کے تمام باشندے رہبانیت کی زندگی بسر کرنے لگین قیاس اسکو تسلیم نہین کر سکتا کہ انکی
مایحتاج اشیاء کی فراہمی کس صورت سے ممکن ہے، جب ایک اصول چند افراد کے لیے نہ صرف مشکل بلکہ
محال محض ہو تو اقوام کے لیے وہ کس طرح قابلِ تقلید ہو سکتا ہے، انسان کو شخصی زندگی قائم رکھنے والی
چیزون کے بعد جس اشد ضرورت کا احساس ہوتا ہے وہ نوع انسان کے گروہ کو ایک جا جمع ہوکر رہنے
کی ضرورت ہے، اس مین شک نہین کہ ہر انسان ذاتی طور پر بالکل آزاد ہے اور کوئی چیز اسکو مقید نہین کر سکتی
لیکن اس کا اگر دوسرا رخ اٹھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک دوسری حیثیت سے وہ اس قدر ضعیف اور عاجز
ہے کہ اس کو اپنی زندگی کی حفاظت کی غرض سے اس آزادی کا ایک بہت بڑا حصہ قربان کرنا پڑتا ہے،
اسی وجہ سے علمائے تمدن کا اتفاق ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے برخلاف اجتماع کے لیے مجبور ہے،
کیونکہ اس کے بغیر اس کی زندگی ناممکن ہے اور وہ اس سے کسی وقت بھی مستغنی نہین ہو سکتا لہذا ظاہر
ہے کہ وہ ایک دوسرے سے متحد ہوکر رہے،

بغیر دیوانون اور فاترالعقل لوگون کے باقی ہر شخص کی زندگی تقریباً ایک مربوط شیرازہ ہوتی ہے،
اس کے افعال کم و بیش ایک مرتب نظم و نسق کے تحت مین واقع ہوتے ہین اول روز سے جب وہ اس
عالم مین آنکھ کھولتا ہے تو اسکو ضروریاتِ زندگی دوسرے کی طرف دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور
کرتی ہے، ایک شیرخوار بچہ کو جب بھوک بیتاب کرتی ہے تو وہ رو کر اپنی مان سے دودھ طلب کرتا
ہے، جب وہ بڑا ہوجاتا ہے تو ستر پوشی کے لئے اس کو کپڑے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اسی طرح جب
شیر مادر سے ان کا تغذیہ بند ہوجاتا ہے تو حیوانات اور نباتات کی طرف اس کو اپنی توجہ مبذول کرنا
پڑتی ہے، جس قدر وہ ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر اس کی ضروریات زندگی بڑھتی جاتی ہین اور روز بروز

بیحد ہو تی جاتی ہین، ان تمام ضروریات کو ایک فرد واحد کسی طرح تنہا انجام نہین دلیسکتا، دیگر افراد بنی نوع ملکر اپنا اپنا کام انجام دیتے ہین اور اس طرح ایک دوسرے کی ضرورت کی انجام دہی مین وقت صرف کرتے ہین،

ایک بڑھئی عمدہ عمدہ کرسیان، الماریان، اور انواع و اقسام کا فرنیچر تیار کرتا ہے وہ سب اسکی ذات خاص کے لیے بالکل بیکار ہے لیکن ایک عمدہ کوٹھی یا محل کے لیے نہایت ضروری ہے، بڑھئی کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اناج اور کپڑا ہے لیکن وہ خود اس کے پیدا کرنے بنانے سے عاجز محض ہے، ایک کسان غلہ دیکر بڑھئی سے کولھو یا ہل تیار کرالیتا ہے، لوہار سے دیگر آلات زراعت لیتا ہے، دھوبی سے کپڑے دھلواتا ہے درزی سے کپڑے سلواتا ہے، غرض ایک پیشہ ور کا کام دوسرے پیشہ ور سے بآسانی نکل جاتا ہے اور اسی طرح متمدن زندگی ترقی کرتی جاتی ہے، اب ہر جگہ کا جداگانہ تمدن ہے کہ وہان کے باشندے کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہین، اس کے لئے کوئی خاص قانون مقرر نہین ہو سکتا، آزاد سے آزاد اور وحشی سے وحشی شخص بھی اپنے اجتماعی ماحول کے اثر سے کلیتہً محفوظ اور غیر متأثر نہین رہ سکتا، جو جماعت قوم یا نسل جس آب و ہوا یا خطۂ زمین مین بود و باش اختیار کرتی ہے اس کے ماحول سے اثر پذیر ہونا اس کو ناگزیر ہے،

اسی وجہ سے مختلف ممالک اور مذاہب کا تمدن مختلف ہوتا ہے، یہی اخلاقی آب و ہوا جس مین کوئی شخص زندگی گذارتا ہے اس کی خواہشون کا اصلی عالم ہو جاتی ہے، لیکن اصولاً ہر انسان اپنی ذات کو ذات نہین بلکہ کسی جماعت کا ایک جزو سمجھتا ہے یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ مِل جیسے مصنف تک نے جو بعض حیثیات سے سخت انفرادیت کا قائل ہے اسی پر زور دیا ہے وہ کہتا ہے کہ اجتماعیت انسان کی فطری اور لازمی شے ہے کہ بعض غیر معمولی حالات یا عمداً تجرد کی کوشش کے سوا انسان اپنی ذات کو جماعت سے علیحدہ تخیل کر ہی نہین سکتا اور جس قدر نوع انسان وحشیانہ عہد کی آزادی سے دور ہوتا جاتا ہے

اسی قدر یہ شیرازہ زیادہ مضبوط و مستحکم ہوتا جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ انسانی ماحول کی جو چیز کسی حالت اجتماعی کے لیے لازمی ہوتی ہے وہ روز بروز ہر فرد جماعت کے تخیل کا غیر منفک جز بنجاتی ہے"

لہذا ہم جب کسی جماعت کو مشترک زبان، مشترک قانون، مشترک مذہب اور مشترک مقاصد کے رشتہ سے باہم پیوستہ دیکھتے ہین تو ایک وسیع معنی کے لحاظ سے کہہ سکتے ہین کہ اس کے تمام افراد ایک ہی عالم مین زندگی گذارتے ہین، اس مین کوئی شک نہین کہ ان مین شخصی اور انفرادی امتیازات قائم رہتے ہین بعض اشخاص ان مشترک رشتون سے کم وابستہ ہوتے ہین اور بعض زیادہ، بلکہ بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لحظہ ہر آن اُن مین سے ہر ایک کے عالم مین کافی تغیر واقع ہوتا رہتا ہے، تاہم مقامی رسوم اور ماحول کا اثر ان کے شخصی امتیازات پر غالب رہتا ہے، دوسرون کے متعلق معلومات بہم پہنچانے روزمرہ کے کامون مین ایک دوسرے کی احتیاج بطور خود ہی کسی جماعت کے افراد مین ایک مجانست و موانست پیدا کر دینے کے لیے کافی ہین، اور جب اس پر تعلیم و تربیت کا اضافہ ہو جاتا ہے تو اس کی قوت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، چنانچہ اسکی زندہ مثال ہماری آنکھون کے سامنے اہل یورپ اور بالخصوص اہل امریکہ موجود ہین، یہ لوگ ایک زبان رکھتے ہین، ایک قانون کی کڑی سے منضبط ہین اور اپنے تمام اجتماعی مقاصد مین بھی ہم آواز ہین تعلیم و تربیت اتحاد و انسیت سونے پر سہاگہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ متمدن اسی ضروریات زندگی مین بافراغت بسر کرنے والے اور دیگر اقوام پر بہت سی باتون مین فوقیت رکھتے ہین، موجودہ عظیم الشان جنگ مین امریکہ کا نمایان حصہ اظہر من الشمس ہے،

برخلاف اس کے ہندوستان ہے جہان چپہ چپہ کی زبان مختلف، ہر قوم و جماعت کا مذہب نیا، ہر ایک کا جداگانہ قانون، نہ کوئی غرض و غایت مشترک، نہ اتحاد و موانست، ایک دوسرے کا دشمن، ایک کی ترقی دوسرے کے لیے باعث حسد ہے، جگہ جگہ کا رسم و رواج مختلف، کسی ایک فرقہ کا لباس دوسری جماعت کے لیے باعث ننگ و عار ہے اور ایک قوم کا اکل و شرب دوسرون کے لیے باعث تضحیک و استہزا ہے

جہان مغایرت کا یہ عالم ہو وہان کی تمدنی حالت اور ترقی ظاہر ہے، اقوام سے لیکر ایک ایک فرد تک تمدنی زندگی سے کوسون پیچھے ہے اور مجبوراً تقلید کا حامی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ سے کسی نہ کسی متحد قوم کے زیر اثر رہا ہے اور ان کے طرز اور تمدنی معاشرت کو احتراماً واجب سمجھتا ہے،

زمانۂ حال کے مختلف مصنفین اس خیال کے حامی ہین کہ جس طرح کسی جاندار کے جسم کے تمام اعضا مین ایک مشترک حیات کام کرتی ہے اسی طرح کی ایک مشترک حیات انسانی جماعت کے مختلف اعضا یا افراد مین بھی پائی جاتی ہے، بعض لوگون نے اس خیال کو تمثیل کے پیرایہ مین پیش کیا ہے، یعنی انسانی جماعتون اور حیوانی یا نباتاتی اجسام کی ساخت مین وجوہِ مماثلت دکھانے کی کوشش کی ہے؛ اس مین کوئی شک نہین کہ اس قسم کی تمثیلات بعض اوقات حقیقت فہمی مین معین ہوتی ہین لیکن بحیثیت مجموعی ان سے بصیرت اور حقیقت رسی کی بجائے ذہانت اور طبّاعی کا ثبوت زیادہ ملتا ہے، بہرنوع انسانی شخصیت کوئی مستقل بالذات ہستی نہین ہے بلکہ دوسری شخصیتون کے ساتھ کچھ روابط قائم کئے بغیر اس کا تصور تک ناممکن ہے، انسان کی زندگی کا دار ومدار انھین روابط پر منحصر ہے، جیسے الگ کر لینے کے بعد یہ فنا ہوجاتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ کسی عضو کو جسم سے کاٹ لین تو وہ مردہ ہوجاتا ہے، آدمی کی زندگی جس نصب العین اور جن اخلاقی رسوم وعوائد مین نشو ونما پاتی ہے وہی اسکی اخلاقی زندگی کا تمام تر آب ورنگ ہوتے ہین،

تصوّف اور اسلام

اسلامی تصوف کا عطر، قدماء صوفیہ کے حالات اور انکی تصانیف پر تبصرہ مؤلفہ مولوی عبدالماجد صاحب بی اے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۲۸ صفحہ قیمت عہ

نیجر

تلخیص و تبصرہ

عرب کی موجودہ حالت

پر

ایک علمی مجلس مین مذاکرہ،

گذشتہ جون کے وسط مین رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے ایک جلسہ مین مشہور انگریزی سیاح مسٹر ایچ، سینٹ جان فلبی (H.ST.JOHNPHILBY) سی، آئی، ای نے عرب کی موجودہ حالت پر ایک عالمانہ تقریر کی، اس کے بعد ان کو سیاحتِ عرب کے متعلق خدمات کے صلہ مین برٹن میموریل لکچر کا تمغہ عطا کیا گیا ہے، مسٹر موصوف پہلے شخص ہین جنکو یہ عزت حاصل ہوئی ہے، مجلس مذکور کے رسالہ نے اس جلسہ کی مختصر کاروائی شائع کی ہے، مسٹر فلبی کی تقریر سے پہلے جلسہ کے صدر مسٹر ڈورڈ مکلگن نے تمغہ عطا کرتے ہوئے کہا کہ:-

"یہ تمغہ سر رچرڈ بارٹن کی یادگار مین قائم کیا گیا ہے، سر رچرڈ کو علمی ذوق اور تحقیقات کا شوق اس قدر تھا کہ اس نے ان کو چین سے بیٹھنے نہ دیا، انھون نے وسطِ ایشیا اور عرب کا خاص طور سے دورہ کیا، اور یہی چیز تھی جس نے ان کو بامِ شہرت پر پہنچا دیا، مسٹر فلبی نے بھی عرب ہی کی سیاحت مین شہرت حاصل کی ہے، اسلیے اس عزت کا ان سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے، انھون نے گذشتہ دس سال کا اکثر حصہ عرب یا اس کے متصل ممالک مین گذارا ہے، اور انھون نے ایک نہایت ہی دلچسپ کتاب "ہارٹ آف عربیا" قلب عرب" (نجد) بھی شائع کی ہے، مسٹر فلبی سر رچرڈ کی طرح شرقی

زبانون کے عالم بھی ہین، اس حیثیت اور دوسری وجوہ کی بنا پر سر بارٹن کی ذمہ داریون کا بار گران اب ان کے کاندھون پر ہے، مسٹر فلبی کو ہندوستان کی سول سروس سے تعلق تھا اور صدر کو بھی، اور دونو نے اپنے وقت کا ایک معتد بہ حصہ پنجاب مین گذارا ہے، اس کے بعد صدر نے تمغہ دیا،

مسٹر فلبی نے اس اعزاز کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ لوگ یہان اونکی عزت افزائی کے لیے جمع نہین ہوئے ہین، بلکہ یہ اجتماع سر بارٹن کے اعزاز مین ہے، آج سے چار سال پہلے سر بارٹن کی پیدائش کو ایکسو سال گذرے تھے اور اسکی یادگار مین مورٹ لیک مین جہان تمام عمر کی جد و جہد کے بعد وہ اطمینان کی نیند سو رہے ہین، دعا مانگی گئی تھی، لیکن لندن مین ان کی یادگار سے متعلق یہ پہلا جلسہ ہے ایسے حالات مین حجاز کے متعلق کچھ کہنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ سر بارٹن نے ۱۸۵۳ء مین مکہ کا سفر کر کے سب سے پہلے شہرت حاصل کی تھی، اس کے بعد وہ دمشق مین برطانی سفیر رہے اور اگرچہ اس سلسلہ مین اونھون نے شام و فلسطین کے متعلق کافی معلومات حاصل کئے لیکن ان کا اصلی میدان عمل حجاز ہی رہا، اس لیے اس اولین موقع پر اوسی ملک کے متعلق کچھ کہنا دراصل اوس ملک کی طرف توجہ پیدا کرنے کا باعث ہوگا"،

"حجاز کی موجودہ تاریخ ۱۹۰۴ء مین حجاز ریلوے کی بنا سے جو سلطان عبد الحمید مرحوم نے ڈالی اور نوجوان ترکی حکومت کے ۱۹۰۸ء مین حسین بن علی کو شریف مکہ مقرر کرنے کے بعد سے شروع ہوتی ہے، ۱۹۱۶ء مین حجاز ترکون کے کمزور ہونے سے نکل جانے کے بعد آزاد ہوگیا، لیکن شاہ حسین کے دعوائے حکومت عرب نے اوس کے ہمسایہ وہابی ابن سعود کو اس کا حریف مقابل بنا دیا، ۱۹۱۹ء مین ابن سعود نے شریفی فوج کو شکست فاش دی اور اگرچہ اوس وقت بھی مکہ معظمہ کا دروازہ اوس کے لیے کھلا ہوا تھا لیکن اس نے پیشقدمی نہ کی، حسین نے اس سے عبرت حاصل نہ کی اور جب ۱۹۲۴ء مین ترکون نے خلافت کا منصب موقوف کر دیا تو اس نے اپنی حماقت سے اس عہدہ جلیلہ کا دعویٰ کر کے تمام

دنیائے اسلام کو اپنا مخالف بنالیا، ابن سعود آگے بڑھا اور اس نے نہایت آسانی سے ملک کے بیشتر حصہ پر قبضہ کرلیا، شریف حسین تخت سے الگ ہوگیا اور اگرچہ علی اب تک جدہ، مدینہ اور دوسرے شمالی اضلاع پر قابض ہے، تاہم حکومت حجاز کے عروج، زوال اور خاتمہ کی تاریخ مکمل ہوچکی ہے،

حسین کی ناکامیابی کے دو اسباب ہین، اول تو اس کا وہ مخلوط اخلاق ہے جو قیام قسطنطنیہ کی وجہ سے ترکی، عربی ہوگیا ہے، اور جس نے اس کے بدوؤن کے متعلق خیالات مین بڑی تبدیلی پیدا کردی ہے اور دوسرے اسکی وہ کوشش تھی جو اس نے عہد موجودہ کی متمدن اشیاء کی ترویج کے متعلق کی، ایک ایسے ملک مین جہان اب تک غلامی رائج ہو اور جہان آگ کے ذریعہ ایک مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہو، اس نے لاسلکی سلسلہ اور ہوائی جہازون کو رائج کیا، ایک طرف تو تعلیم و تجارت سے تغافل برتا گیا جس سے تمام تعلیم یافتہ طبقہ اوس سے بیزار ہوگیا، اور دوسری طرف پولیس اور فوج کے فقدان سے بدو خودسر ہوگئے، اس لیے جب وہابیون نے حملہ کیا تو اوس کے پاس کوئی فوج مدافعت کے لیے موجود نہ تھی،

حجاز کے متعلق ہمارے معلومات اون متعدد سیاحون کے مرہون منت ہین جو وقتاً فوقتاً وہان گئے، ان مین قابل ذکر برکہارٹ، بارٹن، کینے، ڈاؤٹی، ہوبر، دیول، اور لارنس قابل ذکر ہین، ان مین بارٹن سب سے زیادہ ممتاز ہے، بارٹن نے برکہارٹ کی قبر کی شکستہ حالت دیکھ کر لوگون کے فقدان ذوق کی شکایت کی تھی اور اب خود اس کی قبر اسی حالت مین ہے، برطانی حکومت کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے، جب ۱۸۸۳ء مین ہوبر حجاز مین مارا گیا تو فرانسیسی حکومت نے قومی خرچ سے جدہ مین اس کا مقبرہ بنادیا اور اب تک وہی اسکی حفاظت کے فرائض انجام دیتی ہے"،

مسٹر فلبی کے بعد ڈاکٹر ہوگارتھ (DR. HOGARTH) نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "اگرچہ بارٹن کی شہرت کا آغاز اس کے سفر مکہ سے ہوتا ہے لیکن یہ سفر وہ اصل عرب کی سیاحت اور نجد تک پہنچنے کا مقدمہ تھا، بارٹن کا خیال تھا کہ وہ پہلے مراسم حج ادا کرے اور اس کے بعد مسلمان

ہو جائے، چنانچہ وہ مرنے کے دن تک اسی مذہب کا پیرو رہا، وہ سمجھتا تھا کہ حج کے بعد اس کو عرب کی سیاحت مین کافی سہولت ہو گی، لیکن اس کو معلوم ہوا کہ شمالی عرب کی سیاحت راہِ مکہ سے زیادہ دشوار ہے، چنانچہ مدینہ پہنچنے کے بعد اس نے اپنا سفر ملتوی کر دیا اور اپنی مشہور کتاب شائع کی، فاضل مقرر مسٹر فلبی نے حجاز کے موجودہ حالات کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، لیکن اوسکی رائے مین حجاز سیاسی حیثیت سے مردہ نہین ہوا ہے اندرونی قبائل نے پہلی مرتبہ ہی اس پر قبضہ نہین کیا ہے، بلکہ نوی صدی مین اور آج سے ایک سال پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے، ممکن ہے کہ کسی قریبی مستقبل مین شریفی خاندان پھر غالب آجائے، لیکن اس کے ساتھ وہ اس خیال مین متفق ہے کہ حجاز ریلوے حجاز کے زوال کا بہت بڑا سبب ہے، اگر مدینہ سے مکہ تک کا راستہ مامون ہو جائے تو اس مین کامیابی ہو سکتی ہے، سلطان عبدالحمید نے اگرچہ یہ ریل حربی نقطۂ نگاہ سے بنائی تھی لیکن اس نے اسے مذہبی رنگ دیا اور دنیائے اسلام سے مالی مدد حاصل کی، مگر اس کا جو حشر ہوا اس نے اوسکی وقعت کا بالکل خاتمہ کر دیا ہے، بدوؤن نے اس کی اسلیے مخالفت کی کہ اگر مکہ سے مدینہ تک یہ سلسلہ قائم ہو گیا تو ان کے اونٹون کی نفع بخش تجارت کا خاتمہ ہو جائیگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریل مکہ تک نہ پہنچ سکی ایک دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا اب بھی مسلمانون مین حج کا وہی شوق باقی ہے اور کیا اب بھی ویسی ہی بڑی تعداد وہان جاتی ہے، اب تک اس کے متعلق اعداد و شمار حاصل نہین ہو سکے ہین، تاہم اگر اس مین کمی آگئی تو مکہ اور مدینہ جو صرف حج کی وجہ سے اس قدر اہمیت رکھتے ہین اپنی اقتصادی اہمیت کھو بیٹھینگے اور معمولی شہر ہو کر رہ جائین گے،

فلسفۂ تاریخ عثمانی،

سید محمد جمیل بیہم نے ایک کتاب تین سو صفحون مین، "فلسفۂ تاریخ عثمانی" کے نام سے بیروت سے شائع کی ہے، فاضل مصنف نے نہایت شرح و بسط سے استحکام حکومت عثمانیہ کے وجوہ پر بحث کرنے کے بعد اسکی عہد بعہد کی ارتقائی منزلین اور تہذیب و مدنیت کے سلسلہ مین اس کے اصلاحی کارنامے دکھلائے

اور ان پر نہایت فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بحث کرکے سلطنت عثمانیہ کی دوسری ہمعصر سلطنتوں کے طرزِ حکومت اور ارتقائی و اصلاحی کارناموں کا موازنہ کیا ہے، اور ترکوں کے عروج و زوال کے اسباب بتائے ہیں،

مصنف نے یورپ میں دولت عثمانیہ کی کامیابی کے فلسفہ پر نظر ڈالتے ہوئے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ: ترک جن ایام میں حکومت قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے اس وقت وہاں کے عالم عیسویت میں مذہبی منازعات چھڑے ہوئے تھے، وہاں کے عیسائی آرتھوڈکس اور کیتھلک دو فرقوں میں منقسم ہوکر آپس میں ہنگامہ آرا تھے، ارتھوڈکس نے فتح عثمانی کے موقع پر حکومت عثمانیہ کا اس بنا پر ساتھ دیا کہ اگر وہ کیتھولک فرقہ سے متحد ہونگے تو رفتہ رفتہ ان کی ہستی فنا ہو جائے گی اور وہ بھی کیتھولک فرقہ سے اپنے کو نہ بچا سکیں گے،

یہ تو ترکوں یا مسلمانوں کی ترقی کا راز تھا، انقلاب زمانہ دیکھو کہ ترکوں یا مسلمانوں کے زوال کا سبب بھی بالکل یہی ہے، ادھر کیتھولک آرتھوڈکس بلکہ پروٹسٹنٹ بھی آپس میں ملکر ایک ہو گئے اور ادھر ترکیت و عربیت کے نفاق نے جنم لیا، عربوں نے سمجھا کہ اگر ہم دولت عثمانیہ کا ساتھ دینگے تو آیندہ ہماری عربی قومیت فنا ہو جائے گی، اس لیے اُنھوں نے ترکوں سے کنارہ کشی کی اور یہ دولت عثمانیہ کے زوال کا راز ہے، کیا آج بھی مسلمان اس نکتہ سے سبق حاصل کرین گے؟-

اگر یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی نشر و تبلیغ کا مقصود، گذرے ہوئے وقائع و حوادث سے اپنی اجتماعی و انفرادی زندگیون کے لیے تجربے اور عبرتین حاصل کرنا ہے، اور اگر یہ بھی صحیح ہے کہ تاریخ اپنے اوراق بار بار الٹتی ہے تو ہمین موجودہ قضیۂ نجد و حجاز مین حکومت عثمانی کے اس عروج و زوال کے فلسفہ سے سبق لینا چاہیے، آج مدعیان علم و فضل جو اپنے دردناک اور یاس انگیز لب و لہجہ مین پبلک پلیٹ فارمون اور اخبارات کے کالمون مین "حنفیت و وہابیت" کے فتنۂ خوابیدہ کو جگا رہے ہین اور بعض ایک طرف کے لیے اس اصول ارتقا، اور دوسرے پہلو سے قسطنطنیہ کی قدیم عیسائی سلطنت کے اسباب

تنزل پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا سرزمین پاک حجاز مین قضیۂ نجد و حجاز نہین! بلکہ قضیۂ حجاز و خانوادۂ شریف حسین کے حل کرنے کے لیے اغیار کی حکومتون کو مدعو کرنا اس تاریخی نظر پر نگاہ رکھتے ہوے جائز ہے، وانتم تعقلون ؟ ،

المجمع العلمی دمشق

لفظ "جوبلی"

ہماری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی پنجاہ سالہ "جوبلی" آیندہ دسمبر مین ہونے والی ہے، لیکن آپ یہ بھی جانتے ہین کہ اس لفظ کی اصلیت کیا ہے ! یہ لفظ اصل مین عبرانی زبان کا ہے، اسے عبرانی مین "یوبیل" کہتے ہین، سامی زبانون کی "ی" یورپین زبانون مین "ج" سے بدل جاتی ہے، اسلیے "جوبیل" ہوگیا، "یوبیل" کے لغوی معنی "مینڈھے" کے ہین، ظاہرا جشن جوبلی اور مینڈھے مین کوئی مناسبت نظر نہین آتی، لیکن یہ معلوم کرنے کے بعد اس کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ . . یہودی ہر پچاس برس پر حصول آزادی کا جشن منانے کے لیے آپس مین مجتمع ہوکر اظہار مسرت کے طور پر قرنا پھونکا کرتے تھے، چونکہ قرنا مینڈھے کی سینگ کا ہوتا تھا اس لیے اس مناسبت سے اس پنجاہ سالہ جشن آزادی کے جلسہ کو "یوبیل" کہا جانے لگا، کیونکہ اس جلسہ کی سب سے نمایان کاروائی قرنا بجانا ہوتی تھی، [illegible] زمانہ سے اب ہر پنجاہ سالہ جلسہ کو "یوبیل" اور یورپ کی زبانون مین "جوبلی" کہنے لگے،

اگر اس انکشاف کا علمی حیثیت سے ثبوت چاہو تو وہ یہ ہے: کتاب مقدس کے عہد عتیق کا عبرانی نسخہ اٹھا کے دیکھو، اس کے یوشع ۶: ۵ مین "قرن یوبیل" پاؤگے جو عربی کے نسخہ مین "قرن الہتاف" ہے یعنی آواز دینے کی سینگ جس کے ذریعہ سے لوگون کو آواز دیجا سکے، اور اردو کے نسخہ مین اس کا ترجمہ "نرسنگھے" کیا گیا ہے،

([illegible])

اخبارِ علمیّہ

اغانی کا نیا اڈیشن، کتب خانۂ قاہرہ کی ادبی مجلس نے طے کیا ہے کہ عربی کی مشہور ضخیم ادبی انسائیکلوپیڈیا کتاب الاغانی کو اعراب اور مشکل جملون کی توضیح کے ساتھ نہایت اہتمام سے شائع کرے، اس کی طباعت مین تقریباً ۴ ہزار مصری پونڈ صرف ہونگے، اور یہ رقم راتب پاشا کے صاحبزادے علی راتب پاشا ادا کرینگے، سب سے پہلے ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) مین اسکی ۲۰ جلدین شائع ہوئی تھین، اس کے بعد آر ابر دنو نے مختلف قلمی نسخون سے ۲۱وین جلد مرتب کی اور بریل نے ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) مین اسے شائع کیا، ان جلدون کی فہرست گبڈی نے بنائی اور وہ ۱۹۰۰ء مین چھپی، پھر ان تمام جلدون کی شیخ احمد شنقیطی نے تصحیح کی، اور وہ دوبارہ ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) مین زیورِ طبع سے آراستہ ہوئین، اب جدید اڈیشن مین دوسری کتابون سے بھی بہت کچھ لیا گیا ہے اور خیال ہے کہ ان جلدونکی ضخامت بھی بڑھ جائیگی، کتب خانۂ قاہرہ اپنی علمی تحقیق و صحتِ طبع کے لیے مشہور ہے، اور ہم کو امید رکھنی چاہیئے کہ یہ نئی جلدین پہلے سے زیادہ بہتر ہونگی، کیا ہمارے ملک مین ایک بھی علی راتب پاشا نہ

شاہی مشرقی مجلس، گذشتہ مئی میں انگلستان کی شاہی مشرقی مجلس (رائل ایشیاٹک سوسائٹی) کا سالانہ اجلاس ہوا تھا، پروفیسر مارگولیس اس کے صدر تھے، متعدد اہم تقریرین ہوئین اور اسی سلسلہ مین ڈاکٹر سائسی کو جو السنۂ قدیمہ کے بہت بڑے عالم ہین، اور جنھون نے آن کی تحقیق و ترتیب مین اپنی زندگی کے پچاس سے زیادہ سال بسر کئے ہین، تمغۂ نیل کا طلائی تمغہ

دیا گیا، یہ تمغہ ۱۸۵۷ء مین مقرر کیا گیا تھا، اور اس وقت تک دس آدمیون کو مل چکا ہے،

اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا بھی دلچسپ ہوگا کہ گذشتہ سال ۱۱۰۲ اشخاص مجلس کے رکن ہوئے اور اس وقت ارکان کی مجموعی تعداد ۹۳۵ ہے،

یورپین ملکون کا موازنۂ قوت، یورپ اگرچہ ظاہرا جنگ و خونریزی سے بیزار نظر آتا ہے، تاہم اوس کے اربابِ حل و عقد جس خفیہ طریقہ سے اپنی حربی قوت کو مضبوط کر رہے ہین ان کا حال ذیل کے اعداد سے معلوم ہوگا،

نام ملک	میعادِ خدمت	صلح کے وقت	جنگ کے وقت	طول جنگ کے وقت
فرانس	۱½ سال	۶۵۷۰۰۰	۱۲۰۰۰۰۰	۸۰۰۰۰۰۰
روس	۲ "	۸۰۰۰۰۰	۱۶۰۰۰۰۰۰	۰۰۰۰۰۰
اطالیہ	۱½ "	۳۰۸۰۰۰	۶۵۰۰۰۰	۷۵۰۰۰۰۰
پولینڈ	۲ "	۲۷۶۰۰۰	۵۵۰۰۰۰	۵۰۰۰۰۰۰
رومانیا	۲ "	۱۴۰۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	۲۲۵۰۰۰۰
جوگوسلیویا	۲ "	۱۱۶۰۰۰	۲۵۰۰۰۰	۲۰۰۰۰۰۰
زیکوسلیویا	۱½ "	۱۵۰۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	۲۰۰۰۰۰۰
بلجیم	۱ "	۹۰۰۰۰	۱۸۰۰۰۰	۱۵۰۰۰۰۰
اسپین	۲ "	۱۸۰۰۰۰	۳۵۰۰۰۰	۳۸۰۰۰۰۰
یونان	۲ "	۸۶۰۰۰	۱۹۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰

بین الاقوامی زبان، برماند سے بک انگلستان کا سہ ماہی رسالہ ہے، آجکل اس مین دنیا کی مشترک زبان کے متعلق متعدد اساتذۂ فن اور ماہرین السنہ وسیاسیات کی تحریرین شائع ہورہی ہین اور یہ مسئلہ درپیش ہے کہ کونسی زبان بین الاقوامی تسلیم کیجائے، بعض اصحاب انگریزی کے حامی ہین اور بعض فرانسیسی کے، تاہم کوئی فیصلہ اس کے متعلق نہ ہوسکا اور خیال ہے کہ یہ مسئلہ بھی تصفیہ کے لیے مجلس اقوام کے سامنے پیش ہوگا، ان تمام مضامین مین کہین پر بھی کسی مشرقی زبان کا تذکرہ نہین ہے، سچ ہے حکومت کے ساتھ علوم وفنون، زبان اور تمدن کا بھی زوال وخاتمہ ہوتا ہے

امریکہ کا قرضہ، قدیم زمانہ مین صرف غریب افراد ہی مقروض ہوتے تھے، سلطنتین دولتمندی کی آخیر سرحدین سمجھی جاتی تھین، مگر اب دنیا کی کوئی مہذب سلطنت اس بار سے خالی نہین، صرف ولایات متحدہ امریکہ کے قرضے جو دنیا کے ہر براعظم پر واجب الادا ہین انکی فہرست دیکھیے،

براعظم	سرکاری قرضہ	غیرسرکاری قرضہ	میزان
کناڈا وغیرہ	۱۰۶۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر	۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر	۲۴۶۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر
لاطینی امریکہ	۸۴۰۰۰۰۰۰۰ 〃	۳۲۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃	۴۰۴۰۰۰۰۰۰۰ 〃
یورپ	۱۵۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃	۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃	۱۹۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃
ایشیا وغیرہ	۴۴۰۰۰۰۰۰۰ 〃	۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃	۶۹۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃
میزان	۳۸۴۰۰۰۰۰۰۰ 〃	۵۲۵۰۰۰۰۰۰۰ 〃	۹۰۹۰۰۰۰۰۰۰ 〃

دنیا برف سے تباہ ہونیوالی ہے، ڈاکٹر ڈونلڈ میکیلین جو ایک بڑے ماہر علوم اور سیاح ہین حال ہی مین منجمد شمال کے سفر سے واپس آئے ہین، اُن کا بیان ہے کہ گرین لینڈ

مین برف کی ضخامت بڑھ رہی ہے اور ممکن ہے کہ ایک مرتبہ پھر تمام دنیا برف سے ڈھک جائے، ماہرین ارضیات کے بیان کے مطابق دنیا ایسے پانچ تجربے حاصل کر چکی ہے سب سے پہلے ۱۶۰۰۰۰۰ سال پہلے تمام دنیا برف پوش ہو گئی تھی، پھر ۸۰۰۰۰۰ سال پہلے، پھر ۴۰۰۰۰۰ پھر ۲۰۰۰۰۰ پھر ۱۰۰۰۰۰ پہلے اور اسکے بعد سے محفوظ ہے برف کے اس آخری عہد کے پچاس ہزار سال بعد پھر دنیا برف پوش ہو گئی، اسلیے دنیا کو اب اس حالت مین آنے کے لیے تقریباً ۵۰۰۰ سال باقی ہین،

کس دن کام زیادہ ہوتا ہی، ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ عام لوگون کا یہ اعتقاد کہ انسان ہفتہ کی تعطیل کے بعد دوسرے دن کام کے لیے زیادہ تیار و مستعد ہو جاتا ہے، صحیح نہین ہی، بلکہ کام کرنے کی سب سے زیادہ استعداد بچھلے دنون مین ہوتی ہے، چنانچہ انھون نے تقریباً ۱۱۲ اشخاص پر اس نظریہ کا تجربہ کیا ہے اور ان کے تجربہ نے اوس کی تصدیق کی، وہ اعداد یہ ہین،

نام دن	صلاحیت کار فی صد درجہ	نام دن	صلاحیت کار فی صد درجہ
یکشنبہ (یوم تعطیل)	۸۹ فی صدی	چہار شنبہ	۱۰۰ فی صدی
دوشنبہ	۹۱ فی "	پنجشنبہ	۸۸ "
سہ شنبہ	۹۷ "	جمعہ	۸۸ "
"	"	شنبہ	۸۷ "

مصنوعی ہوا، حال مین ایک قسم کی مصنوعی ہوا طیار کیگئی ہے، جو غوطہ زنون اور کان کنون کے لیے عام ہوا سے بہت زیادہ مفید ہے،

ادبیات

کالیداس،

از

پروفیسر محمد اکبر منیر سیاح ایران وعراق، ملتان کالج،

اہل ہند نے فارسی شعراء کو داد ہزارون دفعہ دی ہے، مگر ولایتی ایرانیون نے کبھی اس احسان کا بدلہ نہین ادا کیا، غالبًا یہ پہلا موقع ہے کہ کسی ہندی شاعر کی تحسین کا فرض فارسی زبان کا ایک شاعر ادا کر رہا ہے،

چو ابر آمد از کہسار خیزد　　　یکے سازد زمین و آسمان را
خرامد روی دشت و کوہ و صحرا　　　پیام خرمی آرد جہان را
چو خرگہ میزند در صحن گلزار　　　کند روشن روانِ باغبان را
ببارد قطرہ ہا چون گوہر ناب　　　بیاراید عروسِ بوستان را
چو گردون پر ز اختر می شود باغ　　　بماند جوئے گلشن کہکشان را
چمن از گل بخندد چون لبِ حور　　　بساطِ گلستان ماند جنان را

ہمانا شعرِ کالیداس بُد ابر
کہ خرم ساخت باغِ روح وجان را

بسے گردید این گردونِ گردان　　　بسے لیل و نہار آمد زمان را
جہان بیمروت رنگہا ریخت　　　کہ بر بود لبِ گیتی ستان را

بسے شاہانِ سرافراز بودند، | کہ اسمے ہم نماندہ آن شہان را
ولیکن شعر کالیداس برجاست | کہ آموزد حیاتِ جاودان را
ہنوز آن نغمہ کز "شکنتلا"[1] خاست | بوجد آرد طیورِ گلستان را
ہنوز ش پیکِ ابری[2] چون خرامد | حیاتِ نو دہد مر عاشقان را
حدیثِ روشنِ شاہانِ ہندی[3]، | نماید گلستانِ باستان را
چگویم با تو شعرِ نغز او چیست!؟ | ببین آئینۂ آبِ روان را
طبیعت با طبیعت گشتہ توام | برون دادند اسرارِ نہان را
ہماناجو بارے ز آسمان شد | کہ در کہسار برگیرد مکان را
بسے در سنگہائے کوہ درماند | بسے نہفت رازِ آسمان را
بسانِ چشمہ آخر منفجر گشت | برون زد پیکرِ آتش فشان را
سرودے زد بہ بانگِ آبشارے | بوجد آورد تیرہ خاکدان را
فلک بطپید از جوشِ محبت | کہ فرمان داد مہرِ خوش عنان را

کہ تا خورشید بربود ش زکہسار
بگردون بر دجوئے نغمہ خوان را

---

[1] شکنتلا:- از روی لغت کسیکہ مرغان او را تربیت کردہ باشند، تا بار معروف کالیداس است کہ شاہکار او دیکے از شاہکار ہائے ادبی بزرگ دنیا شمار میرود، [2] پیکِ ابرے:- اشارہ ایست بہ اشعار معروف کالیداس "میگھ دوت" (پیکِ ابر) [3] حدیثِ روشنِ شاہانِ ہندی:- مقصود ازین اشعار "رگھو ونش" (خانوادۂ رگھو) میباشد کہ کالیداس درخصوص رام و نیاکانِ او گفت،

بیا برخیز کالیداس! از خواب — یکے بین کشور ہندوستان را
ببین دادند چون برباد تاراج — ریاض خطۂ جنت نشان را
بجو احوال ہند از باد صحرا — بپرس از کوہسار این داستان را
دل من خون چکاند بر زبانم — چسان گویم حدیث خونچکان را!
نمودہ ہندیان سُست عنصر — فرامش مستی روح وروان را
ببینم گلہ از گوسفندان، — ببینم مردم بے خانمان را۔
بود در وحدت ما گیرد در آغوش — کہ یابم فیض طبع ہمزبان را
نوائے برکشم آنگہ بہ گلزار — کہ مرغان باز جویند آشیان را

سرود من بہ نہضت وکوہ وصحرا
بود بانگ درام کاروان را

سیر الصحابیات

از

مولوی سعید صاحب انصاری،

جس مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہراتؓ، بنات طاہراتؓ اور عام صحابیات کے سوانح اور ان کے اخلاقی ومذہبی علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۷۵ قیمت عہ/ر

منیجر

باب التقریظ والانتقاد

سیر المصنفین

ادھر چار پانچ سال سے اردو کے قدر دانون اور ہوا خواہون کو اپنی زبان کی تاریخ کی دریافت وتحقیق کا شوق برابر بڑھ رہا ہے، خدا مبارک کرے، ان کوششون کا نتیجہ یہ ہے، کہ آزاد مرحوم کی افسونگری کا طلسم ٹوٹتا جاتا ہے، اور حقیقت آئینہ ہوتی جاتی ہے، اسی سلسلہ مین سیر المصنفین بھی داخل ہے جو اردو مصنفون کے حالات مین لکھی گئی ہے، یہ اپنے مضمون کی پہلی کتاب ہے، اس کے مؤلف اور جامع مولوی محمد یحیٰی صاحب تنہا بی اے ایل ایل بی وکیل غازی آباد ہین، تنہا صاحب کا تنہا یہی کارنامہ نہین ہے بلکہ اس سے پہلے وہ اردو ادب مین کئی کتابون کا اضافہ کر چکے ہین،

پیش نظر کتاب ابھی اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے، مصنف نے اردو مصنفون کو تین دورون مین تقسیم کیا ہے، پہلا دور ۱۷۹۸ء سے ۱۸۳۶ تک، دوسرا دور ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۷ تک، اور تیسرا دور ۱۸۵۷ سے ۱۹۱۴ء تک ہے، جلد اول پہلے اور دوسرے دور کے مصنفین پر حاوی ہے، شاید تیسرا دور دوسری جلد کا مضمون ہوگا، چوتھا موجودہ دور جو ۱۹۱۴ سے چل رہا ہے مصنف نے اس کو اس لیے قلم انداز کر دیا ہے کہ شاید زندہ مصنفین کو اپنی تصنیفات کے متعلق کھلی تنقید ناگوار اور گران گذرے، لیکن اول تو سیر المصنفین کی موجودہ جلد تنقید وتبصرہ سے سراسر خالی ہے، اور شاید ایسی ہی اور جلدین بھی ہون، اسلیے اس کا ڈر فضول ہے، دوسرے یہ کہ زندہ مصنفین کے احساسات اور جذبات کے شیشہ کو ہمارے دوست ٹھیس لگانا نہین چاہتے، تو کیا وہ یہ نہین جانتے کہ ہر مصنف اپنی تصنیف کو چھپنے

کے بعد خود اہل تنقید کے پاس بھیجتا ہے، اخبارات اور رسائل والے اس پر اچھی اور بری، خوش کن اور رنج دہ ہر قسم کی رائین اس کے متعلق ظاہر کرتے ہین، تو تنہا، تنہا صاحب کی اس احتیاط سے نکتہ چینون کی خردہ گیری سے کیا موجودہ مصنفین محفوظ ہین؟ خود ہمارے زندہ دوست نے اپنی یہ کتاب خود اپنی ہی زندگی مین اخبارات ورسائل مین تنقید کی غرض سے بھیجی ہے، تو کیا ہم بالفعل اسکی تنقید سے اسلیے محترز ہین کہ ابھی مصنف الحمدللہ زندہ ہے؛ اور اسکے مجروح دل کو صدمہ نہ پہنچے؛

بہرحال سیرالمصنفین کی یہ پہلی جلد ۲۲۰ صفحون مین پھیلی ہوئی ہے، اردو کا پہلا مصنف، مصنف کی تحقیق مین میر محمد عطاحسین خان تحسین، نوطرز مرصع والے ہین، جو ۱۱۹۵ھ مین لکھی گئی، چنانچہ انھین تحسین سے شروع ہوکر یہ جلد امیر مینائی پر ختم ہوئی ہے، پہلے دور مین حسب ذیل بائیس اشخاص کا تذکرہ ہے،

عطاحسین تحسین، ڈاکٹر جان گلگرائسٹ، سید حیدر بخش حیدری، میرزا علی لطف، آشفتہ حسن، میر بہادر علی حسینی، میرامن دہلوی، شیخ حفیظ الدین احمد، میر شبیر علی ببر، مولوی شاہ رفیع الدین، مولوی شاہ عبدالقادر، مولوی اسمعیل دہلوی، نہال چند لاہوری، میرزا کاظم علی جوان، سری للو لال کوی، مولوی اکرام علی، مظہر علی ولا، مولوی امانت اللہ، منشی بینی نرائن، میرزا جان طپش، محمد خلیل خان اشک،

دوسرے دور مین حسب ذیل اشخاص ہین فقیر محمد خان گویا، مرزا رجب علی سرور، مرزا غالب، ماسٹر رام چندر، مولوی غلام محمد شہید، منشی غلام غوث بیخبر، منشی عبدالکریم، منشی امیر احمد مینائی،

اس کتاب کی بہترین تعریف یہ ہے کہ یہ ایک ایسے مضمون پر لکھی گئی ہے جس پر اب تک کوئی کتاب نہین لکھی گئی، اور اسلیے یہ نقش اول ہے، اور اسی بنا پر یہ بحد اصلاح و تکمیل کی محتاج ہے، جو مطالب اور مضامین اس مین یکجا کئے گئے ہین وہ تمامتر اردو رسائل، اور آبحیات سے لیے گئے ہین، ترتیب کے بعد صرف یہ اضافہ ہے کہ ہر کتاب سے کچھ صفحے نمونہ کے طور پر نقل کئے گئے ہین،

اسکی سب سے بڑی کمی اس کتاب مین یہ ہے کہ تحقیق و کاوش سے اس مین مطلق کام نہین لیا گیا

اردو کا پہلا مصنف تحسین کو (۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء) قرار دینا، تحقیق کا خون کرنا ہے، آزاد مرحوم نے تو اردو نثر کی تاریخ "دہ مجلس" سے شروع کی تھی، تنہا صاحب نے اس سے بھی کم کر دی، اردو کی قدیم نثر و نظم کی تاریخ کا اب اتنا دفتر سامنے آگیا ہے کہ اب اس سے دو صدی پیشتر اس کا سراغ لگایا جا سکتا ہے،

۲۔ مصنف نے آزاد مرحوم کی حرف حرف تقلید کی ہے، حالانکہ تحقیق کا قدم اس اثنا مین بہت آگے بڑھ چکا ہے، اور آزاد مرحوم کا نقش اول اب بے بنیاد اور بے اساس ہوگیا ہے،

۳۔ جابجا مصنف نے دوسری کتابون اور رسالون سے حرف حرف عبارتین نقل کی ہین مگر حوالہ سے گریز کیا ہے، یہ طریقہ صحیح نہین،

۴۔ مواد کی بیحد کمی ہے، اگر کم از کم حیدرآباد ہی کی مطبوعہ فہرست سامنے رکھ لیجاتی تو مصنف کو بہت سی نئی چیزین مل جاتین، معارف اور اردو کے گذشتہ فائلون مین بھی کچھ نہ کچھ ذخیرہ ملتا،

۵۔ کتاب مین غیر متعلق باتین بھی آگئی ہین، مثلاً مقدمہ مین رسم الخط کی بحث، زبان کا مسئلہ کہ سیر المصنفین سے ان کو تعلق نہین، مرزا غالب پر جو کچھ لکھا ہے وہ یادگار غالب کا نچوڑ ہے، اس تکرار غیر مفید کی حاجت نہ تھی، خندہ پر مولوی نذیر احمد مرحوم اور ڈاکٹر بجنوری کا مناظرہ بھی موضوع سے خارج ہے، شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمۂ قرآن کے متعلق مولوی نذیر احمد کی رائے کے بہانہ سے جو طویل عبارت نقل کیگئی ہے وہ بھی اَن میل ہے، بیخبر کے حال مین غالب کے دو مطبوعہ خطون کی نقل بھی بے محل ہے کہ ان سے نہ بیخبر کا حال معلوم ہوتا ہے، اور نہ وہ بیخبر کی تحریر کا نمونہ ہے، شاہ رفیع الدین کے ذکر مین شاہ عبد العزیز کی تاریخ وفات درج کرنا بیجوڑ ہے وغیرہ،

۶۔ غلطیان کافی ہین، مثلاً مشہور شاہ ولی اللہؒ کو متخلص باشتیاق جان کر اردو کا شاعر کہنا، یہ غلطی اورون سے بھی ہو چکی تھی، مگر اسکی تصیح بھی ہو چکی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی نسبت مولوی بشیر الدین صاحب دہلوی کی تقلید مین یہ کہنا کہ وہ فارسی تصنیف ہے

کس درجہ غلط ہے، اسی طرح ازالۃ الخفا، کو شاہ عبد العزیز کی تصنیف بتانا ایک فاش غلطی ہے، ازالۃ الخفا عن تاریخ الخلفاء شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے، شاہ عبد العزیز کا نام لیا تھا تو اونکی تفسیر عزیزی کا ذکر کرنا تھا،

کتاب کا نام سیر المصنفین رکھنا بھی ہمارے نزدیک کچھ زیادہ مناسب نہین، اس نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ یہ عام مصنفین کی سوانحمریان ہین، حالانکہ یہ صرف اردو مصنفون کی تاریخ ہے، اسلیے اس کے لیے بہتر نام، مصنفین اردو کافی تھا،

بہرحال باین ہمہ یہ مجموعہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہونے کے لحاظ سے قابل قدر ہے، کہ متفرق مضامین یکجا ہوگئے ہین، اور اسلیے مصنف ہمارے شکریہ کا مستحق ہے، بعد مین آنے والون کے لیے اصلاح و تکمیل کا دروازہ کھلا ہوا ہے، قیمت عہ، پتہ:- منیجر دارالاشاعت غازی آباد،

مکاتبات و مراسلات فارسی ایسٹ انڈیا کمپنی

با دربار پیشوا

از حافظ احمد علی خان صاحب، ناظم رامپور اسٹیٹ لائبریری

پونا مین مرہٹون کے علمی ذوق کی بدولت تحقیقات تاریخی کی ایک انجمن ہے جس کا نام بھارت اتہاس سنشودھک منڈل ہے، مرہٹی اور سنسکرت کے متعلق یہ انجمن بہت نمایان خدمت کر رہی ہے، کل مہاراشٹر کے پرانے خاندانون سے قدیمی خط و کتابت کے کاغذات جمع کیے اور انکی نقلین شائع کر دین، بہت سے شعراء کا کلام اور انکی سوانحمریان مشتہر کین آجکل اس کے سکریٹری گنگادھر راؤ نارائن راؤ موجوم دار ہین، (شاید مجموعہ دار کوئی لقب ہو) انکی توجہ فارسی خط و کتابت پر بھی مائل ہوئی، چنانچہ ایک سو اکتالیس فارسی خطوط جو ایسٹ انڈیا کمپنی یا اس کے اہلکارون کی طرف سے پیشوا یا امرائے دربار کو بھیجے گئے تھے اصلی فارسی زبان مین شائع کئے ہین، اور اس کے ساتھ ہر خط کا خلاصہ مرہٹی زبان مین بھی چھاپ دیا ہے، اسی سال مین چھپی ہے پانچ روپے قیمت ہے

دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالعزیز ابن محمد جعفر پنشنر ہیڈ ماسٹر بہادر سے اسکول پونا نے فارسی خطوط کی تصحیح کی ہے، دو سو چھپن صفحون پر خطوط ختم ہوئے ہین، چھ صفحون پر خطوط دستخط اور مہرون کے فوٹو ہین، ان دستخطون اور مہرون کی فہرست بھی مرہٹی زبان مین لگا دی ہے جسکا پڑھنا دیوناگری دان لوگون کو آسان ہے ۴۳ صفحون پر مرہٹی مین خطوط کا خلاصہ ہے، افسوس کہ فارسی کی تصحیح کامل نہین ہوئی، اس کمی کی وجہ سے بعض مقام پر عبارت کا مطلب سمجھ مین نہین آتا تاہم اسقدر خدمت بھی غنیمت ہے،

سکریٹری انجمن اس کے مرہٹی کے دیباچہ مین یون لکھتے ہین:-

"بھارت اتہاس سنشودھک منڈل کی یہ اٹھائیسوین کتاب ہے، مہاراشٹر کی تاریخ صرف مرہٹی پر منحصر نہین ہے، فارسی، انگریزی، ہندی، فرنگی، کانٹری، مارواڑی اور فرنسیسی وغیرہ مین بھی تاریخی سواد موجود ہے، ان مین سے خصوصاً فارسی زبان تو کچھ مدت تک ہندوستان کی مخصوص راج بھاشا تھی، تواریخ، فرمان اور رسالے سینکڑون اس مین موجود ہین اور تاریخ کے لئے مفید اور نہایت قیمتی ہین، فارسی زبان مین موجود وسرمایہ تاریخی مہاراشٹر کی تاریخ کی گویا جان ہے،

آج تقریباً چالیس سال سے مہاراشٹر کے فضلا اپنی تاریخ کے لیے سرمایہ بڑی کوشش محنت اور محبت سے جمع کر رہے ہین لیکن فارسی زبان سے جیسا کہ چاہیے فائدہ نہین اوٹھایا اسکی وجہ یہ نہین ہے کہ اس سے فائدہ حاصل کرنا ممکن تھا، بلکہ یہ سبب ہے کہ فارسی دان کم ہین اور جو ہین ان کو تاریخ کا مذاق نہین ہے، یہ کس قدر عجیب بات کہ سو سوا سو سال پہلے اسی پونا مین فارسی دان مرہٹے اور برہمن بہت سے تھے اور یہ فارسی تعلیم پشت بہ پشت بڑھتا ہوا رہا، مرہٹے تک باقی تھی، مگر آج خود پیشوا کے فارسی نویس خاندان ہی مین سے فارسی غائب ہو گئی ہے، سوراج کے ساتھ ہی ہمارے ہاتھ سے حکومت کے سامان بھی جاتے رہے

اور فارسی زبان جو سامان حکومت مین سے ایک عنصر تھی وہ بھی ہاتھ سے گئی، اب پھر الف سے شروع کرنا پڑا،

البتہ یورپ مین فضلار نے فارسی کو خوب سیکھا اور اسکی تعلیم جاری رکھی، پیشواؤن کے عہد مین کمپنی کے اکثر عہدہ دارون نے عربی فارسی وغیرہ زبانین سیکھ لی تھین، تاریخ فرشتہ اور بابر کی تزک وغیرہ سو برس ہونے کو آئے کہ انگریزی مین ترجمہ ہو چکے، لیکن ہم نے ابھی تک انکا ترجمہ نہین کیا، پیشوائی کے اخیر عہد کے کئی فارسی کے عمدہ ترجمہ مرہٹی مین ہمارے دیکھنے مین آئے مگر اب رنگ ہی پلٹ گیا،

فی الحال پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے فارسی ذرائع سے سامان لے کر انگریزی مین تاریخین لکھنا شروع کی ہین، ڈاکٹر خان (شفاعت احمد خان) پینی پرشاد، قانون گو بزرگون نے بھی اسی طرح کام کیا ہے، مگر یہ انکی انگریزی تاریخین تو انگریزی ادب کو تقویت دیتی ہین اور ان مین سے کوئی اصل فارسی ذخیرہ کو شائع نہین کرتا، صرف حوالے دے کر قیاسی منصوبے باندھ کر تاریخین لکھنا علمی نظر سے کسی طرح تاریخ سے منسوب ہونیکے قابل نہین ہو سکتے، جس طرح کہ ہم مرہٹی زبان کے تاریخی سرمایہ کو مشتہر کر رہے ہین اسی طرح ہم کو فارسی زبان کی اصل تاریخون کو مشتہر کرنا چاہیئے تاکہ صحت وسقم کا مواد نہ ہو سکے جادو ناتھ سرکار نے ایک حصہ فارسی تاریخ کا شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر ابھی تک شائع نہین ہوا،"

ان خطوط مین کوئی اہم تاریخی واقعات نہین ہین تاہم ایک محقق مورخ کے لئے بہت کچھ مفید ہین،

گورنر جنرل چارلس ارل کارنوالس سپہ سالار افواج شاہی و کمپنی نے معرفت سید نورالدین

حسین خان انگریزی وکیل مادھوراؤ نارائن پیشوا کو ۲۸ راگست ۱۷۹۰ء کو لکھا:-

"حقیقت محصول تیرتھ پراگ یعنی الہ آباد کہ بہ مد نظر آرام و رضا جوئی زائران بہ نسبت ایام پیشین خیلے تخفیف نمودند برائے اطلاع مخلص لطف فرمودہ اند و مخلص بہ مقتضائے محبت و مداو نقل افراد مرسولہ نوابصاحب ممدوح بقید ہر قسم پیش آن مشفق ارسال میدارد در جائے واثق کہ ارادہ نواب معظم الیہ بہ ہمان طریق از فرط رحم و شفقت کہ ملو براطمینان و حفاظت زائران است بوجہ احسن جلوہ ظہور خواہد یافت، باقی مراتب از اظہار مسٹر مالٹ صاحب بہادر بہ اطلاع آن مشفق خواہد درآمد"۔

یہ پیشوا کی حکومت کے نزع کا وقت ہے، امراء سب عیش پرست ہیں، مگر مذہبی احساس یہ ہے کہ پونا سے بیٹھے بیٹھے نواب وزیر اودھ سے کمپنی کی معرفت یہ تحریک کرا رہا ہے، کہ الہ آباد کے میلہ پر ہندوؤں سے محصول کم کیا جائے، یہی گورنر ۱۹ نومبر ۱۷۹۰ء کو اسی پیشوا کو لکھتا ہے کہ ۱۸ اکتوبر کی رات میں قلعہ نندی درگ عرف گردون شکوہ فتح ہو گیا، دوستون کو مبارک ہو،

یہ دوست اس وقت انگریز، پیشوا اور نظام تھے، دشمن ٹیپو سلطان تھا، دوستون نے ملک ٹیپو سلطان کی سلطنت کو ختم کرا دیا، اور آخیر کو پیشوا بھی اسی گھاٹ اتارے گئے، نظام باقی ہیں اور انگریزون کا روز افزون اقتدار،

اس کتاب میں سید نورالدین حسین خان کے چار مہری خط ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کمپنی کے نوکر اور کچھ دنون پونا کے دربار میں انگریزی وکیل تھے، برٹش میوزیم کی فہرست ریو کتب قلمی فارسی کی جلد اول صفحہ ۳۰۴ پر نواب نجیب الدولہ کی سوانحعمری درج ہے، اس میں کوئی حمد و نعت نہیں ہے ابتدائی ورق پر یہ تحریر ہے:-

• "این کتاب از تصنیف خانصاحب قبلہ دوجہان سید نورالدین حسین خان بہادر فخری

کردہ احوال نجیب خان نجیب الدولہ بہادر رقم زدۂ کلک عطوفت سلک گشتہ واز شروع تا آخر

اد نوشتہ اند، زیادہ والسّلام خیریت انجام"

مؤلف کا کوئی حال نہین ہے، اس تاریخ کی نقل جناب صاحبزادہ محمد عبد السّلام خانصاحب بہادر پنشنر جج اودھ نے ولایت سے منگا کر اپنی مؤلفہ تاریخ "سرگذشت نواب نجیب الدولہ" مین نقل فرمادی ہے اور مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ مین ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء مین چھپوا کر مشتہر کی ہے، غالبًا یہ رسالہ انہین سید نورالدین حسین خان کا ہے، رسالہ مین وہ لکھتے ہین کہ سورج مل جاٹ اور نواب نجیب الدولہ کی جنگ مین عماد الملک کے ساتھ ہاتی پر تھا، یہ واقعہ ۱۱۷۷ھ کا ہے، نورالدین حسین خان کے خطوط ۱۱۷۷ھ کے ہین،

کتاب المأثور

از مولوی سید ہاشم صاحب ندوی، مصحح دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

یہ کتاب حال مین بیروت مین طبع ہوئی ہے علامہ ابو العمیثل عبد اللہ بن خلید المتوفی ۲۴۰ھ کی تصنیف ہے، اس مین تقریبًا چھ سو الفاظ کے متعدد اور مختلف معانی سے مختصر طریقہ پر بحث کیگئی ہے، ادبار کے اقوال اور شعرا قدیم کے اشعار استشہاد مین پیش کئے گئے ہین، عربی مین اس عنوان پر متعدد کتابین لکھی گئی ہین، اس عنوان (کتاب ما اتفق لفظہ واختلف معناہ) کے ذیل مین ابو سعید عبد الملک المتوفی ۲۵۱ھ اور ابو العباس محمد بن یزید النحوی اور ابراہیم بن یحیی الیزیدی المتوفی ۲۲۵ھ اور ابو السعادات ہبۃ اللہ بن علی الشجری المتوفی ۵۴۲ھ[1] وغیرہ نے بھی کتابین لکھی ہین، علامہ ابن خلکان نے علامہ ابو العمیثل کے علم لغت اور ادب کی بڑی تعریف کی ہے، انکی ذکاوت اور فطانت کو مثالًا پیش کیا ہے، مصنف کی غیر معمولی شہرت کے لحاظ سے اس کتاب کی قدر و قیمت زیادہ ہوگئی ہے، اسکے علاوہ علامہ ابو العمیثل کی اور بھی بہت سی تصنیفین ہین جنمین مشہور یہ ہین، کتاب التشابہ، کتاب الابیات السائرۃ، اور کتاب معانی الشعر وغیرہ

[1] علامہ ابن الشجری کی کتاب الامالی اور حماسہ دائرۃ المعارف مین زیر تصحیح ہے، انکی یہ تصنیف بھی اگر دستیاب ہو جاتی تو کیا کہنا تھا،

چونکہ علامہ ابوالعتیل ایک زبردست شاعر بھی تھے اس بنا پر ان کے چند منتخب اشعار بھی اس کتاب کے خاتمہ پر طبع کر دیئے گئے ہین، جو دلچسپی سے خالی نہین ہین،

یورپ کے مشہور مستشرق مسٹر کرنکو (سالم کرنکوی) نے اس کتاب کی تصحیح کی ہے اور اس پر جرمنی زبان مین ایک دیباچہ لکھا ہے، جو مصنف کے حالات پر مشتمل ہے، مسٹر کرنکو نے اس کتاب کو ہندوستان کی مایۂ ناز ہستی نواب عماد الملک بہادر مدظلہ العالی کے نام نامی سے معنون کیا ہے، جو نہ صرف ہندوستان کی علمی مجالس کے سرپرست ہین بلکہ یورپ اور دیگر اسلامی ممالک کے علمی طبقہ مین بڑی عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین، خدا تعالیٰ انکی ذات کو ہم تشنگان علم کے لیے خیر و عافیت سے قائم رکھے،

یہ کتاب طلبہ کے لیے بہت زیادہ مفید اور کارآمد ہے، درس کے ساتھ اگر مطالعہ مین رکھی جائے تو اچھا ہے، طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ ہے، مسرز پروبستھن، رسل اسٹریٹ نمبر۴۱، لندن سے طلب کیجائے، اگر متعدد فرمائشین ہونگی تو دائرۃ المعارف مین منگا لیجائینگی تاکہ لوگون کو سہولت ہو،

سیر انصار

حصہ اوّل،

سیر انصار کا وہ حصہ جس مین انصار کرام رضی اللہ عنہم کے سوانح و حالات اور ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع سے بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گیے ہین، ضخامت ۳۶۵ صفحہ، قیمت ہے

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

قصص القرآن، مؤلفہ مولوی علیم الدین صاحب، قرآن مجید مین انبیا علیہم السّلام کے جو واقعات مذکور ہین اونھین یکجا کر کے ایک ایک نبیؑ کے الگ الگ حالات بیان کئے گیے ہین، یہ افسوس ہے کہ واقعات کی تفصیل مین، اسرائیلیات سے بہت زیادہ مدد لیگئی ہے، اس لیے اس کا نام قصص القرآن کی بجائے "قصص الانبیاء" زیادہ موزون ہوتا، قصص القرآن کے سلسلہ مین یاجوج و ماجوج، ہاروت و ماروت، اصحاب فیل اور اصحاب قریہ وغیرہ کے واقعات کی بھی تفصیل ہے، پھر چند سبق آموز حکایتین درج ہین، سب سے آخر مین آنحضرت صلعم کے چند معجزے لکھے گیے ہین، جن مین صحت کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے، انبیاء علیہم السّلام کی فہرست مین حضرت ادریس اور حضرت ہود علیہما السّلام کے نام نہین ہین ضخامت ۱۳۰ صفحے تقطیع چھوٹی، کتابت و طباعت متوسط ہے، کاغذ اچھا ہے، قیمت ۱۲ر پتہ مرغوب ایجنسی چوک متی لاہور،

معارف القرآن، مؤلفہ مولوی محمد زاہد القادری، یہ سورہ والعصر کی تفسیر ہے، ابتدا مین مختصر سا دیباچہ ہے جس مین کتاب اللہ سے مسلمانون کی غفلت شعاری کا ذکر کرکے اونھین اس طرف توجہ دلائی گئی ہے، پھر اگلے مفسرین کی افراط و تفریط کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر ایک تمہید مین والعصر کی اجمالی تفسیر ہے، اس کے بعد سورہ کی ایک ایک آیت لیکر علیحدہ علیحدہ تفسیر کیگئی ہے.. جس کی تفسیر مین پہلے "خسارت" کے چار مدارج قائم کیے گئے ہین، کفر و شرک، باطل پرستی، لہو و لعب اور مال و اولاد کی محبت سے سرشار ہوکر یاد خدا سے غافل ہونا، اس تقسیم کے بعد ان مین سے ہر ایک

کی تشریح کیگئی ہے، اس آیت کی تفسیر کے آخر مین "خاسرین کی ایک خاص جماعت" کے عنوان سے علماء سو وعلماء حیل کے گمراہ کن طرز عمل کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر۔۔ آمنو کی تفسیر ہے اس مین آیت آمنت باللہ ۔۔۔ پیش کر کے ایمان کے ارکان سبعہ کی مفصل تفسیر ہے اسی ذیل مین علم کلام کے بعض معرکتہ الآراء مسائل کے اجمالی تذکرے بھی ہین، پھر۔۔۔ الصلحات کی تفسیر کرتے ہوئے متصوفین کے بعض گمراہ کن عقائد وخیالات کی تردید کیگئی ہے، رسالہ مفید، اور قابل مطالعہ ہے، ضخامت ۔۔ صفحے کاغذ معمولی، کتابت متوسط اور طباعت معمولی ہے، قیمت ۸ر پتہ:۔ منیجر ہلالی پریس دہلی،

سفرنامۂ برہما، اس نام سے مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی پروفیسر السنۂ مشرقیہ مہاودیالے کالج احمد آباد نے اپنے سفر برہما کے سلسلہ کے تمام روزنامچے یکجا کر کے اونھین ایک بسیط اور فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے، یہ مقدمہ ۷۶ صفحون پر مشتمل ہے جو بجائے خود دلچسپ، کارآمد اور معلومات کے لحاظ سے نہایت مفید ہے، مقدمہ مین پہلے برہما کے جغرافی حالات ہین، پھر برہما کی مختلف زبانون کی مفصل تاریخ اوران پر تبصرے ہین، پھر وہان کے مختلف مذاہب بیان کر کے اونکی برہما مین نشو ونما، عہد بعہد کی ترقی، طریقۂ اشاعت اور اقوام برہما کی بلحاظ مذاہب تقسیم وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اس کے بعد مختصر اً تجارتی حالات ہین، پھر آخر مین برہما کے عام اخلاق وعادات، رسم ورواج اور طرز معاشرت وغیرہ پر تفصیلی نگاہ ڈالی گئی ہے، اس کے بعد روزنامچہ ہے، جس مین تاریخ وار ہر قسم کے پیش آمدہ واقعات درج ہین، اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب جس قدر جزئی جزئی حالات دریافت کر سکے وہ سب قلمبند کر لیے ہین، اسلیے اس مین برہما کے ہر قسم کے جغرافی، تاریخی، اقتصادی، تعلیمی، علمی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی حالات ملتے ہین، اس کامیابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ سفر ہی مقاصد پیش نظر رکھ کر اختیار کیا گیا تھا اس سفرنامہ سے برہما کے متعلق اردو مین بیش بہا معلومات کا اضافہ ہوگیا، اگر چاہین تو اس سفرنامہ سے صرف ترتیب مین تغیر وتبدل کر کے برہما کی بہترین تاریخ

مرتب کیجاسکتی ہے، پچھلی جنگ آزادی اور تحریک خلافت کے تمام واقعات جن سے برہما کا تعلق ہے، آگئے ہین، مسلمانان برہما کی ہر قسم کی کیفیت اس مین مذکور ہے، ہندوستان کے اس دور افتادہ ٹکڑے کی اس سے بہتر تاریخ اور سرگذشت ہماری زبان مین موجود نہین، کتابت کی بعض غلطیان رہ گئی ہین اس لیے شروع مین ایک غلط نامہ کا اضافہ کیا گیا ہے، مقدمہ اور روزنامچون کے مضامین پر نظر ڈالکر ایک فہرست مرتب کرکے ابتدا مین درج کیگئی ہے، زبان کی غلطیان کہین کہین ہین، مگر بہت کم ضخامت ۴۰۰ صفحے معارف سائز کاغذ متوسط ہے، کتابت معمولی اور طباعت متوسط ہے قیمت بلا اختلاف کاغذ عیر، عہر، پتہ:- مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی عربک پروفیسر صادقیہ (کالج) احمد آباد یا دار المصنفین اعظم گڈہ سے طلب کیجئے،

اچھوت قومین، یہ انفرمیشن بیورو پنجاب کی طرف سے شائع کیگئی ہے، اس مین سب سے پہلے پنجاب کے بعض بے خانمان گداگر، جرائم پیشہ اقوام مثلاً بوریئے سانسی، مینے اور ہارنی وغیرہ کے متعلق تاریخی اعتبار سے بعض دلچسپ حالات دیئے ہین، اور ہر ہر قوم کے حسب ونسب، زبان، رسوم وعقائد، اور عادات وخصائل سے بحث کیگئی ہے، پھر تمام جرائم پیشہ اقوام پر مجموعی حیثیت سے اون کے اصل ونسب، اور یہ پیشہ اختیار کرنے کے وجوہ وغیرہ بتائے گئے ہین، پھر حکومت برطانیہ نے انکی اصلاح اور درستگی مین جو کوششین کی ہین ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی سلسلہ مین ان کے مکمل اعداد وشمار کے نقشے اونکی اصلاح تہذیب مین دیگر ملکی انجمنون کی خدمات وغیرہ بتائے گئے ہین، سب سے آخر مین حکومت کی طرف سے اونکی سکونت گاہون وغیرہ کے حالات ہین، کتاب دلچسپ اور معلومات کے لحاظ سے مفید ہے، انفرمیشن بیورو سے اسکی شکایت نہین کہ کتاب مین شروع سے آخر تک جابجا ہندوستان مین برطانیہ کے فیوض وبرکات کیون نمایان کئے گئے لیکن شکایت ہو تو صرف یہ کہ اس اظہار وادعا کے سلسلہ مین یہ ضروری نہ تھا کہ ان اقوام کے ارتکاب جرائم کا سبب ہندوستان کی بعض قدیم سلطنتون کو قرار دیا جاتا اور جابجا ان پر غیر ذمہ داری کے ساتھ نکتہ چینی کیجاتی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ سفید متوسط درجہ کا ہے، کتابت متوسط اور طباعت معمولی ہے، قیمت ۸ر پتہ:- انفرمیشن بیورو، لاہور پنجاب،

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی مین حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰

اسباق النحو حصہ اول و دوم، سہل طرز پر عربی گرامر اردو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵، ۶

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر ۔ ۔ ۔ ۱۲

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم مین ۔ ۔ ۔ ۔ ۲

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمانؑ کا ترجمہ ۔

دیوان فیض، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

مولانا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد و ثمود سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عا

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآنیہ بنی اسرائیل سے مدین اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۴۵۱ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم [illegible] ۲؍

" " دوسری ریڈر طبع سوم ۴؍

رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳؍

حیات مالک، امام مالک کی سوانحعمری اور موطائے مالک پر تبصرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸؍

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد و جہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲؍

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا خدمتین انجام دی ہین، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴؍

بشریٰ، محبت الٰہی اور اسلام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸؍

مولانا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہ کے عقائد، عبادات اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے ضخامت ۴۵۰، ہے

ایضاً جلد دوم، صحابہ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارنامون کی تفصیل، ضخامت ۵۰۰، قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب [illegible] کی ترقی و تنزل کے قوانین [illegible] طبع دوم قیمت عا

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، [illegible] خلیفۂ اموی کے مشہور [illegible] اور ان کے تجدیدی کارنامے طبع دوم قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱؍

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح [illegible]

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فصیح

اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کر کے مادیت کا ابطال کیا ہے، مجلد عا، غیر مجلد . . . . . . ۸؍

مولوی عبدالماجد بی اے

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی، . . . . ۱۲؍

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح قیمت . . . . ۱۲؍

تصوف اسلام، اسلامی تصوف کا عطر . . . . عہ

پیام امن، موسیو رچرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات در بارۂ امن عالم، و رخوت انسانی و خون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کی بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے، جس مین انھین مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اور دمین بالکل نئے خیالات ہین، ۸۰ صفحے . . ۸؍

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جسمین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت باختلاف کاغذ . . . . ۸؍ و ۱۲؍

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود اور نادر الوجود مکمل تفسیر قرآن کے اجزا، جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہے، قیمت . . . . عا؍

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانحمریان اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے، . . . . ۱۲؍

سیر الانصار حصہ اوّل، انصار کے حالات اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، . . . . ؎

پروفیسر سید نواب علی ایم۔ اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفۂ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ قیمت . . . . عمر

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات در بارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول ۱۲؍ قسم دوم، . . . . ؎

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی قومی اور فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ . . . . ۱۰؍

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت کے اخلاق پبلک رہنماؤن کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین صفحہ ۲۲۳، عکر

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین یونان کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جسکی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی کیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین مل سکتا، ضخامت ۳۰۰ صفحے قیمت . . . . ؎

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقایق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، . . . . ۸؍

تذکرۃ الحبیب یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان، عمر

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

اکتوبر سنہ ۲۵ء

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ، مع محصول،

باہتمام مسعود علی، ندوی

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

کتبخانہ دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ .... ے، سعہ

ایضاً حصہ دوم، طبع اوّل قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان ۔ ۔ ۔ سعہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد ۔ ۔ ۔ عہ، ہے

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اوّل عہ قسم دوم ہے

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت ۔ ۔ ۔ ے

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات ۔ ۔ ۔ بعہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانحمری اور انکا فلسفہ ۔ ۔ ۔ بعہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل .... عبہ

سوانح مولنا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ ۔ ۔ ۔ بعہ

رسائل شبلی، مولنا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ ۔ ۔ ۔ عہ

مقالات شبلی، مولنا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ ۔ ۔ ۔ عہ

بیان خسرو، خسرو کے حالات زندگی، اور انکی شاعری پر ریویو ۸

شعر العجم حصہ اوّل، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور .... ے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور ۔ ۔ ۔ عہ

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور ۔ ۔ ۔ عہ

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو ۔ ۔ ۔ ے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ .... عہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی مین ریویو ۸

موازنہ انیس و دبیر، میر انیس کی شاعری کا ریویو ۔ ۔ ۔ ہے

سفرنامۂ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت .... عہ

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع، عہ، عہ

علم الکلام، مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ اسکی عہد بعہد کی ترقیان اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس .... عہ

الکلام، مولنا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جسمین عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ مین ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس، قیمت .... عہ

قصیدۂ امرتسر، امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلماء مین مولنا نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا طبع رنگین و اعلیٰ مطبع نامی کانپور ہہ

کلیات، مولنا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی دستہ گل، بوئے گل، برگ گل، کے نامون سے چھپے تھے اس مین سب یکجا کر دیئے گئے ہین ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت .... عہ

کلیات شبلی اردو، ۔ ۔ ۔ ہہ

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۂ والذاریات، ۶

تفسیر سورۂ اللہب، ۴

تفسیر سورۂ والتین، ۴

تفسیر سورۂ والکوثر، ۴

تفسیر سورۂ القیامہ، ۴

تفسیر سورۂ عبس، ۴

تفسیر سورۂ والمرسلات، ۴

عدد چہارم	ماہ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۵ء	جلد شانزدہم

مضامین

شذرات

مین آج کل مدراس مین مقیم ہون یہ ہندوستان کا "پچھواڑہ" ہے، مگر گو یہ ہندوستان ہی کا ایک جزہی تاہم ایک اردو دان یا ہندوستانی دان یا ہندی دان جسطرح اس معنی کو ادا کیجئے اتنا ہی یہان بیگانہ اور اجنبی ہے جس قدر افغانستان یا نیپال یا تبت یا عدن، یا بصرہ مین، کیا جو لوگ ہندوستان کو ایک ملک، یا ایک قوم بنانا چاہتے ہین، یہ حالت ان کے لیے قابل التفات نہین، اس پورے احاطہ مین کم ازکم چھ سات زبانین بولی جاتی ہین، اوڑیسہ سے ملحق، اضلاع برہامپور وغیرہ مین اڑیا ہے، میسور اور کرناٹک مین کنڑی ہے، اس کے بعد مدراس تک تامل ہے، مدراس کے پیچھے تلنگانہ (اندھرا) مین تلگو ہے، ملیبار کے سواحل مین ملیالم ہے، اور ان سب مین مشترک زبان اگر کوئی ہے تو وہ انگریزی ہے، جو یہان قلی اور گاڑی والے تک بولتے ہین،

مسلمانون کی حالت اس مین اور زیادہ ناگفتہ بہ ہے، شہر کے لوگ نہ تو اردو ہی اچھی طرح جانتے ہین، اور نہ اپنے ملک ہی کی اچھی فصیح اور لٹریری زبان سے واقف ہین، "دو عملی مین ہمارا آشیان ہے"، اسلئے لکھنے پڑھنے، تصنیف وتالیف، اخبارات اور رسائل کی اشاعت، اور تحریر وتقریر کی قدرت کسی زبان مین بھی نہین، اسلیے ان تمام زبانون مین سے کسی ایک زبان مین بھی مسلمانون کو مسلمان بنانے یا اسلامی واقعات ضروریات اور حالات کے بتانے، اور دنیا کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہین، چند مستثنی مسلمان اہل قلم ان زبانون کے موجود ہین اور وہی کچھ کرتے ہین، اکثر مسلمانون نے ان زبانون کے خط کو قبول نہین کیا ہے وہ ان زبانون کو عربی خط مین لکھتے ہین، اور اس کا نام "اردی" مشہور ہو گیا ہے، یہ بھی ان کی مادری زبان [illegible]

اور اسلیے اپنے ملک کے سرکاری اور کاروباری صیغون مین سخت خطرہ مین ہین،

جو مسلمان کہ گاؤن کے اندر رہتے ہین وہ تو اردو سے مطلق واقف نہین، دوچار لفظ شاید بول لین اور کچھ کچھ سمجھ جائین، ان کو ہندوستان کی ان تمام اسلامی تحریکون سے جو پھیلی ہوئی ہین واقفیت کا کوئی براہ راست ذریعہ نہین، اردو کی تصنیفات و تحریرین ان کے لیے بیکار ہین، اردو اخبارات بیکار ہین، قرآن پاک کے اردو ترجمے بیکار ہین، تاریخ اسلام اور سیرۃ نبوی کے کسی اردو سرمایہ سے انھین واقفیت نہین، غور کیجئے کہ ان کی اصلاح و تحریک کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟ تامل مین صرف ایک اسلامی اخبار سیف الاسلام ہفتہ وار نکلتا ہے، جسکی اشاعت کافی ہے،

تلگو زبان مین قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے، اور اس کے مقدمہ مین پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مختصر سیرت بھی دیگئی ہے، لیکن آپ جانتے ہین یہ کارنامہ کس کا ہے؟ کسی تعلیم یافتہ مسلمان کا نہین، کسی عالم مسلمان کا نہین، بلکہ ایک ہندو جدید تعلیم یافتہ کا، چیلوکری نراین راؤ ایم اے، ال ٹی، لکچرر راج مندری کالج (   ) نے اس کام کو انجام دیا ہے، اور اس ترجمہ کی غرض و غایت حسب ذیل رکھی ہے،

تاکہ ہندوون اور مسلمانون کو یہ معلوم ہوجائے کہ قرآن پاک اور گیتا کی تعلیم مختلف حیثیتون سے باہم کس درجہ مطابق ہے، اور اس لئے باہم ہندو مسلمانون کا لڑنا کس قدر غلط ہے،

اس ترجمہ کا نام "قرآن شاستر" یا قرآن شریف ہے، غالباً یہ ترجمہ براہ راست عربی سے نہین انگریزی سے کیا گیا ہے،

ادھر کے مسلمان اس وجہ اردو سے دور ہین، خصوصاً گاؤن، دیہاتون اور سواحل کے لوگ،

[illegible] زبان) کا ایک فقرہ سمجھنا مشکل ہے، اندھرا مین تو حیدرآباد کے تعلق اور قرب کے سبب سے خاصی سمجھ لیجاتی ہے، اور شہر مدراس کے بھی لوگ سمجھ لیتے ہین، بنگلور بھی اردو کی جگہ ہے، مگر اندرونی اضلاع اور ملیبار یا پہاڑ کریلا تو بالکل ناواقف ہین، یہان شہر مدراس مین ایک مخیر مسلمان تاجر محی الدین جمال مرحوم کے بیش بہا وقف سے ایک مدرسہ جمالیہ عربی کا مدرسہ قائم ہے جس مین ۵۰ کے قریب عربی خوان طالب العلم ہین، اور چند جید عربی کے مدرس ہین، بانی مرحوم کے صاحبزادہ جمال محمد صاحب نے مجھے اپنے مدرسہ مین آنے کی دعوت دی اور طلبہ اور مدرسین کے سامنے ضروریات حال اور علمار کے موجودہ فرائض کے متعلق تقریر کرنے کی فرمائش کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ کس زبان مین گفتگو کیجائے کہ اردو یہ طلبہ مطلق نہین سمجھ سکتے آخران طلبہ نے خود عربی زبان مین تقریر سننا پسند کی، کہ اردو سے زیادہ عربی ان کے لئے سہل اور آسان تھی،

مگراب لوگون کو ادھر مدرسون مین توجہ ہو چکی ہے، چنانچہ خود اس مدرسہ مین اور بعض بعض اور نئے مدرسون مین اردو زبان کا بھی کورس داخل کیا گیا ہے، مگر پھر بھی اردو کی اشاعت کا کام کرنے والون پر فرض ہے کہ ادھر توجہ کرین اور خود ان اطراف کے وہ مسلمان رہنما جو تعلیم سے دلچسپی رکھتے ہین ان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ کم از کم اسلامی مدرسون اور مکتبون مین تو اردو پڑھائی جائے،

ہندی کے پرچار کرنے والون نے ایک مدت سے مدراس کی طرف توجہ کر رکھی ہے یہان ان کا بڑا مرکز ہے، الہ آباد و بنارس کی ہندی انجمن کی طرف سے یہان لوگ متعین ہین، معلمین مقرر ہین جو مفت یا معاوضہ کام کر رہے ہین، اور عام ہندو نوجوانون کو ہندی کی تعلیم دیتے ہین، معروف کاروباری، اور طلبہ زیادہ تر رات کے ہندی اسکولون مین شریک ہوتے ہین، اب یہ کوشش کیجا رہی ہے کہ کریلا یعنی ملیبار، ٹراونکور اور کوچین وغیرہ کی طرف کے لوگون کو ہندی سکھانے کا کام شروع کیا جاسکے، اور اس کے لیے

عملی تدابیر ہو رہی ہین، گو خدا کا شکر یہ ہے کہ یہ ہندی کی تعلیم درحقیقت اُردو کی تعلیم کا ذریعہ ثابت ہو رہی ہے اور اس تعلیم کے بعد بھی یہان کے ہندو جس قدر ہندی سے واقف ہوئے ہین، یہان کے مسلمان اس سے دس گونہ زیادہ اُردو جانتے ہین، اور مدراس مین تو ایسے بھی لوگ موجود ہین جو نظم و نثر اردو مین شمالی ہند کے لوگون سے کسی طرح کم نہین تاہم ہمکو اپنی کوششون سے باز نہ آنا چاہئیے،

اسی سلسلہ مین ایک خوشخبری بھی سنانی ہے، کہ ہماری سیرۃ نبوی کی ضخیم جلدون کا اس وقت کم از کم ٹامل زبان مین ترجمہ کا کام ہو رہا ہے، محمد علی صاحب ملک (بازار روڈ راے پیٹھ مدراس) جو ٹامل کے اچھے ادیب اور اُردو سے بھی کماحقہ واقف ہین، انھون نے بڑی محنت سے سیرۃ کی پہلی اور دوسری جلدون کا ترجمہ مکمل کر لیا ہے، اور پہلی جلد مطبع مین بھی جا چکی ہے، ملک صاحب چند روز ندوہ کی بھی ہوا کھا گئے ہین، اور مولانا ے مرحوم کے سخت معتقدون مین ہین، اب وہ تیسری جلد کا کام شروع کرنے والے ہین، مین نے ان سے خواہش کی ہے کہ وہ اسی سیرت سے لیکر ٹامل مین ایک مختصر اور آسان کتاب بھی حالات نبوی مین لکھکر شائع کرین،

اشاعت اسلام کا بھی یہان ایک بڑا میدان ہے، عیسائیت اس تیزی سے یہان بڑھ رہی ہے کہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ہر ہفتہ دو ہزار آدمی یہان عیسائی ہوتے ہین، اگر ہر ہفتہ مین دو ہزار مبالغہ ہو تو مہینہ مین دو ہزار تو کسی طرح زیادہ اندازہ نہین، اسی کو قیاس کیجئے کہ یہان سے مسلمانون کو گیارہ بارہ سو برس سے تعلق ہے، اور عیسائی حقیقی طور سے تین سو برس سے یہان کام کر رہے ہین، مگر پوری احاطہ کی مردم شماری مین شاید مسلمانون سے عیسائی زیادہ ہو جائین گے، پھر جو مسلمان ہین بھی ان کا [illegible] علاقون مین یہ حال ہے کہ نام سے زیادہ وہ مسلمان نہین ہین البتہ محنت کی جائے تو یہ سکتے ہین

مسرت ہے کہ ہمارے دوست مولوی محی الدین صاحب بی اے ناظم دعوت و تبلیغ نے ادھر توجہ کی ہو اور یہان اپنی انجمن کی ایک شاخ قائم کر دی ہے، اور دو چار آدمی کام کر رہے ہین، جو دقت ہو وہ ہر جگہ مالی سرمایہ کی ہے، تاہم یہان کے ہمدرد معزز مسلمان تاجرون نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اور کچھ ہو رہا ہے، بلکہ اس جمعیت کے ذریعہ سے ملیبار مین اور جہان بھی اس کے مکتب اور یتیم خانے ہین اردو کی ترقی بھی ہو رہی ہے، ملیبار کے مکتب مین اردو لڑکے بولتے اور لکھتے ہین، ملیبار مین ایک اردو ریڈنگ کلب بھی قائم کیا ہے،

مدراس آکر جو دیکھا تو سعدی کا مشہور شعر یاد آیا،

کریمان را بدست اندر درم نیست　　　خداوندان نعمت را کرم نیست

یعنی جہان کام ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، وہان روپیہ نہین، اور جہان روپیہ ہے وہان کام نہین، یہان کے بعض مدرسون کے دیکھنے اور بعض کے حالات سننے کا اتفاق ہوا، مدرسۂ جمالیہ جسکا مین نے اوپر ذکر کیا اسکی عمارت، مدرسین کی تنخواہ، طلبہ کے وظائف اور کھانے کپڑے کے انتظام کا پورا بار صرف ایک مسلمان تاجر محمد جمال صاحب اٹھا رہے ہین، ان کے والد نے اس مدرسہ کے لیے کئی لاکھ کا وقف چھوڑا ہے، ۱۲ سو روپیہ سالانہ کا اس پر خرچ ہے، اسی کے ساتھ ترچنا پلی مین ایک مجلس العلماء ہے جس کا اصل مقصد نو مسلمون کی تعلیم و تربیت و امداد تھا، مگر یہ اپنے مقصد سے آج بہت دور ہے، تاہم صرف ایک محمد جمال صاحب ۵۰۰ ماہوار اوس مجلس کو تنہا، اور پانچ چھ سو ماہوار متفرق طور سے اس مجلس کو دیتے ہین، دس گیارہ سو ماہوار آمدنی اور بہت کچھ اون کے پاس جمع ہے، مگر کام کیا ہو رہا ہے؟ ...

ایک اور مدرسہ یہاں کا باقیات صالحات ویلور میں ہے، اور ایک مقدس بزرگ مولانا عبدالوہاب مرحوم کا قائم کیا ہوا ہے، یہ مدراس کا آجکل سب سے بڑا عربی مدرسہ ہے، مولوی ضیاء الدین صاحب آجکل اس کے ناظم اعلیٰ ہیں، اس مدرسہ کے پاس کئی لاکھ کا سرمایہ ہے، ہزاروں کی ماہوار آمدنی ہے، ابھی جناب سیٹھ عبدالحکیم صاحب جو یہاں کے سب سے بڑے مسلمان تاجر چرم ہیں انھوں نے پچاس ہزار اس مدرسہ میں طب کی شاخ یہاں قائم کرنے کے لیے دیا ہے، مگر ابھی تک یہ مدرسہ اپنی پرانی لکیر سے نہیں ہٹا، گو کچھ کچھ یہاں تجدید کی بھنک آرہی ہے،

ایک اور مسلمان تاجر نے جو اہل حدیث میں ہیں، یعنی حاجی عمر صاحب سے نے اپنے وطن قریہ میں عمر آباد ایک نئی آبادی قائم کرکے خود تنہا اپنے صرف سے ایک مدرسہ دارالسلام قائم کیا ہے جس کی عمارت، سرمایہ اور اخراجات کے وہ تنہا کفیل ہیں، اور کئی لاکھ کا سرمایہ اس کے لیے وہ مہیا کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں،

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل ذکر اندھرا (تلنگانہ) کا ایک عربی مدرسہ مدرسۂ عربیہ اسلامیہ ہے، جو کرنول میں قائم ہوا ہے، یہ مدرسہ ایک انجمن اسلامیہ کے ماتحت ہے جو اپنے مخلص کارکنوں کی بدولت روز افزوں ترقی پر ہے، مدرسہ سمجھدار اور لائق لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور ہمارے مدرسۂ دارالعلوم ندوہ کے طرز پر چلایا جا رہا ہے، اس کا نصاب سات برس کا ہے، جدید علوم حساب، اقلیدس، جغرافیہ، تاریخ اور ابتدائی سائنس کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور ادب عربی اور دینیات کی تعلیم زیادہ دیجاتی ہے، قدما کی کتابیں اور جدید مصری کتابیں زیر درس ہیں، مدرسہ چندہ پر چل رہا ہے، ریاستوں میں سے اس کو سرکار نظام سے پچاس ماہوار اور خود اندھرا کی مسلمان ریاست بنگن پلی سے پچیس ماہوار ملتے ہیں، باقی ۵۰۰

ہزار کے قریب مسلمان چندون سے جمع کرتے ہین، اس مدرسہ کی خاص خصوصیت یہ بھی ہو کہ یہان اردو کی تعلیم لازمی ہے پورے احاطہ مدراس کے لیے نہیں مگر کم از کم اندر علاقہ کے مسلمانون کے لیے اس مدرسہ سے ہمکو بہت کچھ توقعات ہین،

شہر مدراس مین چند کتبخانے بھی ہین جنمین سے دو سرکاری ہین میوزیم لائبریری اور گورنمنٹ مینوسکرپٹ لائبریری (قلمی کتابون کا سرکاری کتبخانہ) اس سرکاری قلمی کتبخانہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ ہندوستان مین سنسکرت کتابون کا سب سے بڑا خزانہ ہے، تقریبًا اکیس ۲۱ ہزار سنسکرت کتابین یہان موجود ہین، اسکے بعد دوسرا درجہ تنجور کے سنسکرت کتبخانہ کا ہے، اور تیسرا درجہ دکن کالج پونہ کے سنسکرت ذخیرہ کا ہے، بہر حال اس قلمی کتبخانہ مین دو ہزار کے قریب عربی و فارسی کتابین بھی ہین، اور بعض اردو بھی ہین، زیادہ تر کتابین خاندان ارکاٹ سے آئی ہین، بعض تیموری یادگارین بھی ہین، شرح ملاجامی کا ایک نسخہ ہے جس کے آخر مین یہ عبارت ہے کہ مولانا جامی کے اصل مسودہ سے تیسری نقل ہے، اور اس کے آخر مین خود مولانا جامی کی یہ عبارت نقل ہے، کہ

"فقیر عبدالرحمٰن جامی اس مسودہ کی صفائی سے سنیچر کے دن چاشت کے وقت ۱۱ رمضان ۸۹۶ھ کو فارغ ہوا"

اس کتبخانہ مین بعض کتابین سلطان صلاح الدین کے خاندان کی بھی ہین بعض یمنی سلاطین کے یہان کی ہین، منجملہ ان کے ایک قاضی فاضل سلطان صلاح الدین کے وزیر کا عربی دیوان، نہایت خوشخط چھوٹی تقطیع پر ہے، ایک اور کتاب ہے جو غالبًا ملک شام کے سلطان سیف الدین ابوالحسن علی بن عمر بن قزل کیلئے لکھی گئی تھی، جسکا نام مفرح النفس ہے عربی مین ہے، اس مین پہلے فرحت و لذت کا فلسفہ لکھا ہے پھر ایک ایک حاسہ کے لذائذ پر فلسفیانہ بحث ہے اور آخر مین مفرحات کے بہت سے طبی نسخے ہین، اس کتبخانہ مین زیادہ تر طب اور صرف و نحو کی کتابین ہین خمسہ خسرو کا نہایت عمدہ باتصویر خوشخط چھوٹی تقطیع کا نسخہ نہایت اچھی حالت مین ہے اور اس سلاطین تیموریہ کی مہرین بھی ہین

اسی سلسلہ مین، ایک اور دلچسپ کتاب دیکھنے مین آئی، اس کا نام "واقعات اظفری" ہے، شاہ عالم بادشاہ کے عہد مین تیرھوین صدی کے آغاز مین ظہیر الدین مرزا علی بخت گورگانی [illegible] ایک شہزادہ تھے، غلام قادر خان کے واقعہ کے وقت مین یہ موجود تھے، بہرحال یہ کسی وجہ سے شاہ عالم سے ناراض ہوکر قلعہ سے ایک سقا، کے لباس مین بھاگ گئے ہین، اور جے پور، جودھپور ہوکر پھر رامپور اور بریلی ہوکر اودھ آگئے ہین، اودھ سے پٹنہ عظیم آباد، یہان سے مرشد آباد وبنگالہ، بنگالہ سے اڑیسہ ہوکر تلنگانہ سے گذر کر مدراس والاجاہ ارکاٹ کے یہان آگئے ہین ۱۲۱۲ھ مین شہزادہ موصوف نے اپنے اس سفر مشاہدات اور واقعات کا یہ مجموعہ لکھا ہے، آخر مین اپنے اردو دیوان کا خلاصہ بھی شامل کیا ہے، اس عہد کے تمدن کی عجیب تصویر ہے، معارف کے ناظرین کے لئے اس تصویر کا عکس لے لیتا ہون کبھی موقع سے انکو دکھاؤنگا،

—— ⊙ ——

علی گڑھ یونیورسٹی کی جوبلی کی تقریب سے نئی نئی دلفریب اور دلکش تجویزین پبلک مین آرہی ہین، ان کا مقصد اگر محض لوگون کو اس "اجتماعِ عظیم" کیطرف ترغیب دلاکر ان کو چند روز اپنا مہمان رکھکر صرف اپنی مجلس کی رونق بڑھانا نہین ہے تو یہ مبارک، اسی سلسلہ مین اردو کی اشاعت اور ترقی کی تجویز بھی ہے، جو دس استفسارات کے تحت مین ہمدردانِ اردو کے نام بھیجی گئی ہے اور ان سے جواب چاہا گیا ہے، تاکہ جوبلی کے جشن کے موقع پر اردو کے لیے جو اجتماع ہوگا اس کے سامنے تمام جوابون کا خلاصہ سنایا جائے، اس مطبوعہ خط مین یہ افسوس کیا گیا ہے کہ سرمایہ کی کمی کے باعث کوئی کمیشن بنایا نہین جاسکتا جو شہر شہر پھر کر ان سوالات کے جوابات جمع کرتا اور شہادتین قلمبند کرتا، ہم کو اپنے دوست مولوی رشید احمد صاحب صدیقی لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی کے جذبات سے پوری ہمدردی ہے اور انکی ظریفانہ سنجیدگی (سنجیدہ ظرافت" نہین) سے بھی ذوق ہے، تاہم سوال یہ ہے کہ اس کوہ کندن اور کاہ برآوردن" سے ان کا مقصد کیا ہے، نہ جوابات کی ضرورت ہے، نہ کمیشن پر حسرت ہے نہ اس کے لیے رپورٹ مرتب کرنے کی حاجت ہے، یہ عیاشانہ قومیات کے فرصت کے گھنٹون کے

تو یہی مشغلے مین آپ کچھ کرنا بھی چاہتے ہین وہ کر بھی سکتے ہین ؟ کر بیٹھے ہین ؟ اور کیا کچھ کرنے بھی جا ئیگا ،

اگر کرنا چاہتے ہین تو مدراس ، بنگال ، بمبئی ، ممالک متوسط و غیرہ مین جائیے ، انجمن ارتقاے اردو معلی کے مرکز قائم کیجیے ، اردو مدرسے جاری کرائیے ، اردو مدرسون کا کورس بنائیے ، نوجوان جمع ہون جو رات کو شبینہ اردو اسکول قائم کرین ، گاؤن گاؤن نہیں تو قصبون مین پھر کر کام کرین ، ہر جگہ اردو کے کتبخانے قائم کرائین اور اردو تقریر و تحریر کے لیے طلبہ کی انجمنین بنوائین ، ان کے لیے انعامات مقرر کیجیے ، میونسپل مدارس اردو کے قائم کرائیے ، اردو قرأت خانے کھلوائیے ، عدالتون مین اردو کے داخلہ کی اجازت دلوائیے ، یہ ہین کام کرنے کے اگر ہم آرام طلب میرزا منش نستعلیق ان کو کر سکتے ہون عجیب من ع اندکے تیز درین کار جنون می باید ، اور اس کے بغیر کچھ نہین ہو سکتا اور یون تو حسب ضرورت اردو ہماری زبان خود بخود اسی طرح پھیلتی جاتی ہے جس طرح اسلام ہمارا مذہب خود بخود ہندوستان مین پھیل رہا ہے ، نہ اس کے لیے ہمکو کوشش کی ضرورت ہے اور نہ اس کے لیے ہم کو محنت کی حاجت !

یہ تو اردو کی جغرافی وسعت کا جواب تھا ، علمی حیثیت سے اسکی ضرورت ہے کہ ایک بڑے سرمایہ سے دار الاشاعت قائم ہو ، جو اردو کی تمام اچھی کتابون کو یکجا کر کے شائقین کے لیے مہیا کرے ، تمام پچھلی تصانیف کو دوبارہ چھاپے ، نئی تصنیفات کو خرید کر شائع کرے ، مصنفین کی حوصلہ افزائی کرے ، جدید علوم اور مسائل پر کتابین لکھوائے ، مختلف یونیورسٹیون مین اسکی اعلی تعلیم کے لیے کوشش کرے ،

مقالات

ہستی باری عزّ اسمہٗ

ایک اجمالی مگر غائر نظر

از

جناب محمد یوسف خان صاحب سلیم شادانی بریلوی بی اے پروفیسر مشن کالج لاہور

انسان کے لیے، خدائے تعالیٰ کی جستجو، تلاش، اس کے متعلق تحقیق و تفحص، غور و فکر سے بڑھکر کوئی تلاش اور تحقیق نہین کسی شے کی تحقیق و تفتیش، اس قدر ضروری نہین، جسقدر کہ اس ذات پاک کی، ہر سوال، اور تحقیق اسی ایک امر پر منحصر ہے، بلکہ ہماری ساری زندگی، رجحان طبع، طریق کار، طرز معاشرت، صرفِ اوقات سب کا دار و مدار اسی بات پر ہے، اسی ایک سوال کے جواب پر ہے، "خدا ہے یا نہین" اس کائنات کا کوئی خالق، مدبر، منتظم ہے یا نہین؟" باندک تامل معلوم ہوسکتا ہے کہ اس سوال سے زیادہ اہم اور کوئی سوال نہ ہے نہ ہوسکتا ہے، ہماری ساری زندگی کا انحصار اسی پر ہے، اور جس طرح دنیا کے تمام سوالات مین، یہی سوال اہم ترین ہے، قابل تحقیق امور مین یہی تحقیق اولین ہے، اسی طرح کائنات مین صرف، انسان ہی اسکا جواب دیسکتا ہے، کیونکہ اس سوال کا جواب خواہ نفی مین ہو یا اثبات مین، غور و فکر کو مستلزم ہے اور سوائے انسان کے اور کوئی مخلوق صفت، غور و فکر ([illegible]) سے متصف نہیں،

ایک حیوان مطلق، مثلاً گھوڑا، اس سے زیادہ کچھ نہین کرسکتا کہ جب اسے ضروریات حیوانی لاحق ہون تو اپنی جبلت کے مطابق ان کا دفعیہ کرے اور اپنی زندگی، احساس حیوانی یا تحریک طبعی (Instinct) کے ماتحت بسر کرے، دن کو کھیت یا میدان مین کام کرے، بارکشی کرے، اور رات کو تھان سے باندھ دیا جائے، پھر صبح کو اسی کام پر لگا دیا جائے، اور قوانین قدرت کی رو سے جب اس کا وقت آن پہنچے تو زمین پر گر کر جان دیدے، لیکن وہ حق بجانب ہے، اگر وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہین کرتا، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ کر نہین سکتا، آخر خصائص نوعی سے بالاتر کس طرح ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر انسان بھی جو عالم صغیر ہے، اشرف المخلوقات ہے، خلق فی احسن تقویم ہے، حامل امانت کہا جاتا ہے، مسجود ملائکہ ہے، خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، گھوڑے کی طرح خواب وخورش کے دایرہ سے باہر قدم نہین نکالتا، صبح سے شام تک روزی کی فکر کرتا ہے، اور رات کو کھا پی کر چارپائی پر دراز ہو جاتا ہے، عیش کا طالب ہے، تکلیف سے متنفر ہے، پیاس لگے تو پانی کی طرف دوڑے، سردی معلوم ہو تو آگ ڈھونڈے، نیند آئے تو سو رہے، بھوک لگے تو کھائے، اور موت آئے تو چپکے سے مرجائے اور حیوانی زندگی ہی مین عمر عزیز رایگان کھو دے تو پھر حیوان اور انسان مین فرق کیا رہا؟ وہ طغرائے امتیاز کدھر گیا؟ اس نے خدا کی عطا کردہ، افضل ترین نعمت یعنی عقل سے کیا کام لیا؟ آخر اسے کس مصرف کی چیز بنایا؟

نہین نہین انسان عقل سے بھی کام لیتا ہے، وہ رات دن اس جستجو مین ہے کہ کس طرح دولت مہیا کرون، کس طرح اپنے دشمن کو زیر کرون، کس طرح دنیا کو ہموار کرون، کسطرح، معاشرتی، اقتصادی اور مالی ترقی کرون، آگ کیا ہے، ہوا کیا ہے، پانی کیا ہے، آسمان کیا ہے، زمین کیا ہے، ستارے کیا ہین، کس طرح انہین اپنے استعمال مین لاؤن، کس طرح ان سے فائدہ اٹھاؤن، پر نہین لیکن اڑنے کی فکر کرتا ہے، موت سے مفر نہین لیکن اس سے بچنے کے ذرائع ڈھونڈتا ہے، دنیا کی

کو معلوم کرنا چاہتا ہے، وہ ہے اور تحقیق و تفتیش، رات دن، فطرة اور قانون فطرة سے بحث کرتا ہے، پھر کس قدر حیرت انگیز ہے اگر وہ تمام دنیا کے حقائق کی جستجو کرے اور اپنے کو بھول جاوے، اگر وہ تمام امور و مسائل مین تحقیق و تلاش، غور و فکر کرے اور اس اہم ترین سوال کی طرف متوجہ نہ ہو، خدا ہی جانے دنیا کے اہم سے اہم سوال کو، سائنس اور فنون لطیفہ (Fine Arts) کی بلند ترین موشگافیون کو، عقل کی ارفع خیال آرائیون کو، مختصر یہ کہ ان تمام باتون کو، جو انسانی عقل کے حیطۂ اقتدار مین آسکتی ہین، بھلا اس اہم ترین سوال سے کیا نسبت ہے؟ کس طرح یقین ہو کہ انسان تمام امور دنیادی مین تو غور و فکر کرے اور اس سوال سے اعراض؟ ساری باتین تو اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لین لیکن یہ سوال اس کی نظر مین کچھ اہمیت نہ رکھے؟ وہ سوال جس پر سارے سوالات کا انحصار ہے، کوئی سوال ایسا نہین جو بواسطہ یا بلا واسطہ اس اہم سوال سے متعلق نہ ہو، وہ سوال جو اپنے اندر انسان کی کایا پلٹ دینے کی قابلیت رکھتا ہے، جس نے اس رینی ڈیکارٹ کو جو فوجی افسر تھا وہ ڈیکارٹ[1] بنا دیا جو فلسفۂ جدیدہ کا بانی ہے، جس نے اگسٹائن کو، جو ایک عیاش طبع نوجوان تھا، وہ سینٹ اگسٹائن[2] بنا دیا، جو آج دنیائے مسیحیت مین آفتاب ہو کر چمک رہا ہے، جس نے محمد الغزالی کو حجۃ الاسلام بنا دیا[3] جس نے ایرسٹن کے بیٹے کو افلاطون[4] الٰہی بنا دیا، جس نے انسلم[5] کو غیر فانی شہرت بخشی، جس نے

---

[1] (René Descartes) رینی ڈیکارٹ یورپ کا مشہور فلاسفر ہے، جس نے لمبی دلیلون سے اثبات واجب الوجود کیا، یہی سوال اسکے سامنے آیا تھا۔ [2] (St. Augustine) سینٹ اگسٹائن ایک مشہور فاضل الٰہیات اور بڑا زبردست پیشوائے دین مسیحی تھا، پہلے عیاشی کی زندگی بسر کرتا تھا لیکن ایکدفعہ یہی سوال اسکے سامنے آگیا اور پھر وہ ہمہ تن اس سوال کے جواب مین مصروف ہوگیا، بس اسی سوال نے اسکی کایا پلٹ دی اور بجائے کچھ سے کچھ ہوگیا اور دنیائے مسیحیت نے "ولی" کا لقب دیا ہے۔ [3] امام غزالی زبردست متکلم فلسفی، فاضل الٰہیات اور صوفی، غرضکہ اسلام مین عظیم الشان اہمیت کے شخص ہوئے۔ [4] ابن ارسطن یونان کا مشہور فلاسفر دنیا کے عظیم الشان انسانون مین تھا جسنے سب سے پہلے خدا کی ہستی پر دلیل قائم کی۔ [5] آنسلم (Anselm) بھی کینٹربری کا نہایت زبردست متکلم فلسفی اور فاضل الٰہیات، علم کلام مسیحی کا بانی جس نے بدلیل لمی اثبات ذات باری تعالیٰ کیا، اسکی دلیل بہت مشہور رہی۔

جلال الدین کو مولوی روم[1] بنا دیا، جس نے ارسطو[2] کو معلم اول کا لقب عطا کیا، جس نے اسپنوزا[3] کو حکیم کے لقب سے ممتاز کیا، جس نے کینٹ[4] کو ابدی زندگی بخشی، اسی سوال نے اس سے (Critique of Pure Reason) لکھوائی، ان دہی سوال جس نے موسیٰ کو کلیم اللہ کے نام سے دنیا مین قائم کیا جس نے آنحضرت محمد صلعم[5] کو جنھون نے بچپن مین بکریان چرائین اور جوانی مین تجارت کی، بقول برٹینکا[6] "دنیا کی کامیاب ترین مذہبی شخصیت" (most successful of all the religious personalities of the world) بنا دیا، کیا اسکا سوال، ناقابل التفات کہا جا سکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس نے کڈورتھ[7]، کلارک[8]، فایڈر[9]، کیمبل، ونٹن، ہملٹن کو غیرفانی شہرت عطا کی ہے، کیا ایسا سوال جو انسان سے بحیثیت انسان تعلق رکھتا ہو، اس قابل ہے کہ اسکی طرف توجہ نہ کیجا دے؟ یہ سوال انسان کی زندگی کے کسی ایک پہلو سے متعلق نہین محض سیاسی یا معاشرتی یا تمدنی یا علمی، یا محض عقلی، یا محض قومی، نہیں بلکہ انسان سے من حیث الانسان متعلق ہے، اور اسی لیے اس کا جواب کسی ایک پہلو سے نہین ہو سکتا بلکہ اس کا کافی و شافی جواب انسان بحیثیت مجموعی، کی جانب سے ہونا چاہیئے،

[1] جلال الدین رومیؒ، سرآمد صوفیائے کرام، فاضل جلیل، عارف ربانی، جنکی مثنوی محتاج تعارف نہین، آپ نے اپنی تصنیف مین بدلائل عقلیہ اثبات واجب الوجود کیا ہے، عقلی ادلہ کو سلیس اشعار مین نظم کر گئے ہین، [2] ارسطو، یونان کا مشہور فلسفی، منطق کا موجد، تمام علوم جو اس کے زمانہ مین موجود تھے، دستگاہ کامل رکھتا تھا، حرکت سے واجب تعالیٰ کی ہستی پر استدلال کیا ہو، اسکی دلیل کو حکیم ابن مسکویہ نے فوز الاصغر مین بسط کے ساتھ لکھا ہے، [3] اسپنوزا، یورپ کا مشہور فلاسفر جس نے بدلیل لمی اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے، اس کا مسلک وحدۃ الوجود ہے (Spinoza) [4] (Kant) کینٹ، جرمنی کا مشہور فلاسفر، اٹھارہوین صدی کا سب سے بڑا فلسفی، اخلاقی دلیل سے اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے، [5] آنحضرت صلعم، شروع سے غور و فکر کے عادی تھے، آخر یہ سوال آپ کے سامنے بھی آیا اور آپ نے اس کا جواب دیا مگر فلسفیون کی طرح نہین، چنانچہ آپ کے متعلق جو آرٹکل انسائیکلوپیڈیا برٹینکا مین لکھا گیا ہے اس مین یہ الفاظ بھی موجود ہین، غور طلب بات یہ ہے کہ صرف اس سوال ہی کی بدولت آپ کی زندگی مین یہ انقلاب ہوا، اگر یہ سوال سامنے نہ آتا تو پھر جیسے اور تھے ویسے ہی آپ بھی رہتے، [6] ۱۱۲ [7] (Cudworth) کڈورتھ اپنے زمانہ کا فاضل ترین انگریز تھا، اس سے زیادہ فلسفۂ یونان سے واقف کوئی شخص نہ تھا، اس نے خدا کی ہستی پر ایک بے نظیر اور لاجواب کتاب لکھی ہے، (The True Intellectual System of the Universe) [8] (Clarke) ایک زبردست فاضل الہیات اور ریاضی، منطقی اور بڑا فلسفی تھا، مذہب اور فلسفہ دونون مین یکتا، اس نے خدا کی ہستی پر ایک عدیم المثال کتاب لکھی ہے، (Demonstration of the Being and attributes of God) [9] وغیرہ وغیرہ یہ سب فاضل الہیات گذرے ہین جنھون نے دلائل عقلیہ اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے اور مادہ پرستون اور دہریون سے مقابلہ کیا،

اس سوال کا پورا پورا صحیح جواب محض قوتِ متخیلہ یا قوتِ مُدرکہ کی بنا پر نہیں دیا جا سکتا، انسانی زندگی کا ایک پہلو اس پر کافی روشنی نہیں ڈال سکتا، کیونکہ انسان، خالصۃً فکر یا ادراک محض نہیں ہے، بلکہ وہ ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، انسان محض دماغی قوتوں کا نام نہیں عقل کے علاوہ اس کے سینہ میں دل بھی ہے، دل کے علاوہ اس میں حاسہ اخلاقی (moral faculty) بھی ہے اس حاسہ کے علاوہ ان کے پاس ایک چیز اور بھی ہے جسے "ضمیر" کہا جاتا ہے، عقل مجرد اس سوال کا فیصلہ نہیں کر سکتی، عقل کے ساتھ ضمیر اور حاسہ اخلاقی بھی جواب میں شریک ہوگا، کیونکہ سوال انسان سے ہے، جواب بھی انسان سے ہونا چاہئے، اور یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ خدا، عقل کی نسبت ضمیر سے زیادہ قریب ہے اور خدا اگر علتِ اولی پہلا سبب ہے تو اس کی ہستی کا یقین، ادراک و فکر پر مبنی نہیں، بلکہ وجدان سلیم، یا احساسِ وجدانی پر موقوف ہے، کیونکہ تمام علوم کے اصول اولیہ اور مبادیات کی بنیاد، یقین وجدانی پر (INTUITIVE CONVICTION) ہے جس طرح عقاید کی بنیاد، قیاس و استنباط پر ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ انسان کو جیسا وجدانی یقین خدا کی ہستی پر ہے، اور کسی چیز پر نہیں ہے، ہماری اخلاقی زندگی پکار پکار کر اسکی ہستی کا اقرار اور اعتراف کر رہی ہے، ہماری ذہنی قوتیں تمام کی تمام اس کے وجود پر شاہد ہیں،

خدا کا انکار، در اصل اس یقین کامل، اور اعتقاد واثق کا انکار ہے جو اسکی ہستی کے متعلق ہمارے دل و دماغ میں پیوست ہے، اور یہ انکار، اسی سے سرزد ہو سکتا ہے جو عقل و شعور سے بیگانگی اختیار کر چکا ہو، اور ہوش و خرد سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو، اس بدحواسی کا نقشہ، مشہور فلاسفر لکٹنبرگ[1] (Lichtenberg) نے اپنی ایک پیشینگوئی میں اس طرح کھینچا ہے، "پچھلے لوگ بھوتوں پر اعتقاد رکھتے تھے، لیکن جب علم و دانش میں ترقی کی، تو ان پر اعتقاد رکھنا کہ بھوت بھی کوئی چیز ہے ایک حماقت اور جہالت کا نشان سمجھا جانے لگا، میرا خیال ہے کہ یہ دنیا اس قدر ترقی کر جائے گی کہ ایک

(۱) Lichtenberg ایک مشہور جرمن فاضل الہیات اور پیشوائے دین مسیحی تھا،

زمانہ وہ آئے گا جب خدا پر اعتقاد رکھنا، کہ وہ بھی کوئی چیز ہے، ایسا ہی مضحکہ خیز ہوگا جیسا آجکل جوتوں پر اعتقاد رکھنا اس کے بعد دنیا اور آگے ترقی کرے گی اور اس زمانہ کے لوگ صرف بھوتوں ہی پر اعتقاد رکھ سکیں گے، کیونکہ وہ خود "خدا" کے مرتبہ تک پہنچ جاوینگے"

انسانی دماغ میں، خدائے تعالیٰ کی ہستی کا وجدانی یقین موجود ہے، اور ہمارے لئے ناممکن ہے کہ اپنے آپ کو اس وجدان سے بیگانہ اور ناآشنا بنالیں یا بناسکیں، ہم اپنے متعلق یا دنیا کے متعلق کچھ نہیں سوچ سکتے، تاوقتیکہ خدا کے تصور کو اپنے غور و فکر میں کسی نہ کسی طرح شامل کرلیں، جب ہم اپنے متعلق کچھ سوچنا شروع کرتے ہیں، تو خودبخود اس غور و فکر کو تصور ذات باری سے متعلق اور متحد کردیتے ہیں، یعنی جب ہم اپنی ذات میں غور کرتے ہیں، خدا کا خیال، از خود ہمارے سامنے آن کھڑا ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس کی ہستی کا یقین ہمارے دل و جان میں مرکوز ہے، اگر وہ کسبی ہوتا تو بیشک ایسا نہ ہوتا، لیکن یہ اعتقاد، یقین، ایک فطری شے ہے اور ہماری طبیعت کا ذاتی تقاضا ہے، جب ہم اس طبیعت کے ماتحت غور و فکر کرتے ہیں تو ہمارے خیالات بسرعت تمام اس عالم محسوس و محدود سے پرواز کرتے ہیں اور ایک غیر مشہود، غیر محدود ہستی تک جا پہنچتے ہیں، اور جب تک پہنچ نہ جاویں، انھیں قرار نہیں آتا، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم خدا کا تصور کرنے پر مجبور ہیں، اسکی ہستی کا یقین، ہمارے شعور و عقل میں اسی طرح مرکوز ہے جس طرح، اپنی ہستی کا یقین، یا عالم خارجی کی ہستی کا یقین، خدا کا علم، ہماری روح (نفس ناطقہ) کا ویسا ہی ضروری اور لازمی عنصر ہے جیسا کہ اپنی ذات کا علم، تصور باری، نفس ناطقہ کا لازمی اور حقیقی خاصہ ہے"، ایک حکیم[1] کہتا ہے "اگر میں بلبل ہوتا تو گاتا، میرا کام ہوتا، اگر ہنس ہوتا تو ہنس کی سی زندگی بسر کرتا، (یعنی خواص تبدیل نہیں ہوتے اور ہر حیوان تقاضائے ذات کے ماتحت زندگی بسر کرتا ہے) لیکن میں صاحب عقل و شعور انسان ہوں

[1] (Epictetus) یونانی فلاسفر پہلی صدی عیسوی کا، بچپن میں غلام رہا، عمر بھر شادی نہیں کی،

لہذا میرا کام خدا کی حمد وثنا کرنا ہے۔ گویا ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" ایک تمثیل کا قول اس آیہ کی تفسیر ہے: "ربنا ما خلقت ھذا باطلا" جس طرح گانا اور چہچہانا بلبل کی ذات کا تقاضا ہے اسی طرح خدا کی حمد وثنا کرنا میری ذات کا تقاضا ہے، گانے کی خواہش بلبل کی طبیعت مین مرکوز ہے، خدا کا اعتقاد انسان کی فطرۃ مین مرکوز ہے، الست بربکم؟ قالوا بلی۔

اردمین[1] (Erdmann) کہتا ہے "علوم طبعی (Moral Science) کی ایک حد ہے جس سے آگے وہ ایک قدم نہین رکھ سکتے، ایک مقام پر پہنچکر ان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے، اس سے آگے نہین جاسکتے، اور یہ حد وہ ہے جہان تک ہمارے مشاہدات حسی (Experience of the senses) اور وہ نتائج جو ان تجربات ومشاہدات پر مبنی ہین، جاسکتے ہین، جہان یہ ختم ہوتے ہین اسی جگہ طبعیات کی سرحد ختم ہوتی ہے۔" دوسری جگہ کہتا ہے "تجربہ جس پر طبعیات کی بنیاد ہے، نیستی سے ہستی کے متعلق کچھ نہین جانتا، یعنی نیستی سے ہستی ہونا ہمارے تجربات کے خلاف ہے لیکن کیا اس قسم کا آغاز ناممکن ہے؟ کیا یہ خیال کہ نیستی سے ہستی ہوسکتی ہے، خلافِ عقل ہے؟ ہرگز نہین یہ سچ ہے کہ ہم نیستی سے ہستی کا تصور نہین کرسکتے، لیکن یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ جو چیز ہماری عقل مین نہ آئے وہ ممکن نہ ہو، کیا ہماری عقل ہمہ دان اور عالم الکل ہے؟ مادہ کی ابتدا کا مسئلہ، آفرینش کا مسئلہ طبعیات کا مسئلہ نہین، سائنس اس جگہ بالکل خاموش ہے۔" اور اسی جگہ سائنس ختم ہوتا ہے اور مذہب کی سرحد شروع ہوتی ہے، مذہب ہی ان باتون کا جواب دیسکتا ہے کیونکہ وہ ایک قادر مطلق خالق ارض وسما کی ہستی کا یقین پیش کرتا ہے، جس پر ایمان لانے سے یہ عقدہ حل ہوتا ہے، ورنہ سائنس تو اس معاملہ مین دم بخود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آخر کوئی شے اپنے انداز سے باہر نکل ہی کیونکر سکتی ہے؟ اس قسم کے مسائل سائنس کی رسائی سے پرے ہین، سائنس کا کام تو مشاہدات اور محسوسات تک ہے، اس سے آگے نہین

[1] اردمین (Erdmann) (1805-1892) جرمن کا مشہور عالم الٰہیات، ہیگل کا شاگرد اور پیرو تھا، ۱۸۳۶ء مین فلسفہ کا پروفیسر

اسی بات کو استاذ مرحوم علامہ شبلی[1] نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الکلام مین عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے اور اگر سائنس کی حدود کو ملحوظِ خاطر رکھا جاوے تو مذہب اور سائنس مین کبھی تصادم نہین ہو سکتا۔

ہمبولٹ[2] (Humboldt) کہتا ہے "علم تخلیق عالم یعنی (Cosmogony) مین مادہ کی ازلیت فرض کر لیگئی ہے اور اس علم مین مادہ کی مختلف صورتون اور شکلون سے بحث کیجاتی ہے، اور ان حالتون کا ذکر کیا گیا ہے جن مین سے گذر کر موجودہ دنیا ایک خاص شکل مین مرتب ہوئی ہے، لیکن اس کے علاوہ اور جس قدر مباحث ہین وہ اس علم کے دائرہ اور (Scope) زدائرۂ عمل سے باہر ہین، انکی بحث فلسفہ مین ہوتی ہے"

ورچو[3] (Virchow) جیسا ماہر طبعیات بھی یہ کہنے پر مجبور ہے "مین نے علانیہ طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تخلیق عالم کا مسئلہ، سائنس کی بنا پر حل نہین ہو سکتا تحقیقات سائنس اس گتھی کو مطلق نہین سلجھا سکتی"

اسٹز[4] (Stutz) مشہور ماہر طبقات الارض (Geologist) اپنی تصنیف "حقائق ایمان مین" لکھتا ہے "بڑے بڑے ماہران طبعیات مثلاً لائی بگ[5] (Liebig)

---

[1] ہندوستان کا فاضل یگانہ اور بڑا مصنف، تاریخ، الٰہیات، فلسفہ، منطق، کلام، ادب، عروض وغیرہ غرض کہ ہر فن مین دستگاہ رکھتا تھا، اس کی مشہور تصنیفات علم کلام، الکلام، الفاروق، المامون، شعر العجم وغیرہ ہین، ہندوستان مین تنقید کا فن اسی نے رائج کیا، بقول سید سلیمان ندوی علامہ موصوف، ملا محب اللہ بہاری بھی تھا اور شاہ ولی اللہ بھی ۔ [2] (Alexander Humboldt) (1769-1859) ماہر طبعیات اور محقق جرمنی کا باشندہ تھا۔ [3] (Rudolf Virchow) (1821-1902) جرمن ماہر (Pathologist) [4] (Stutz) عالم طبقات الارض اور کیمیا وغیرہ جرمنی

[5] (Liebig) جرمن ماہر علم کیمیا Chemist 1803-1873

بوائل[1] (Boyle) رٹر[2] (Ritter) شون بین[3] (Schonbein) مارٹینو[4] (Martineau) کا قول پیش کرتا ہے کہ سائنس ہمہ دانی کا دعویٰ نہین کر سکتا، اسکی حدود مقرر ہین جن کے آگے نہین جا سکتا، اور جہان سائنس کی سرحد ختم ہوتی ہے، مذہب کا دور دورہ شروع ہوتا ہے، اور خود سائنس کا مطالعہ انسان کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ ایک نادیدنی ہستی ہے جو پس پردہ کام کر رہی ہے؛ لیکن ہمارے زمانہ مین، جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہین وہ زیادہ تر اس بنا پر کہ انھون نے نہ فلسفہ کا مطالعہ کیا نہ سائنس کا، انھین مطلق خبر نہین کہ جس سائنس کے بل بوتے پر وہ خدا کا انکار کرتے ہین اور بے شعور مادہ کو خدا بناتے ہین، وہی سائنس ان پر لعنت کرتا ہے اور تبرا بھیجتا ہے (ان کے اقوال پر) وہی سائنس خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ بی اے پاس کر لیا، دو چار ناول آسکر وائلڈ[5] یا میری کوریلی[6] کے پڑھ لیے، کچھ بے ربط اقوال شاپن ہار[7] یا نٹشے[8] کے سن سنا لئے، اور یقین کر لیا کہ واقعی خدا نہین، کیونکہ مل[9] یا کانگٹ[10] ایسا ہی لکھتے ہین گویا مل یا کانگٹ کو خدا (نعوذ باللہ) سمجھ لیا کہ ان کے اقوال مین غلطی ہو ہی نہین سکتی،

---

[1] (Boyle) رابرٹ بوائل 1627-1691، انگریز نیچرل فلاسفر اور سائنس دان جسکی یادگار مین بوئل لکچرز کا سلسلہ جاری ہوا۔

[2] (Ritter) (1779-1859) جرمن فلاسفر اور فاضل الٰہیات ۱۸۳۳ء سے ۱۸۵۹ء تک فلسفہ کا پروفیسر رہا

[3] (Martineau) Ger. Scientist and Botanist (Shonbein) جرمن ماہر طبعیات اور علم النباتات

[5] (Oscar Wilde) (1744-1868) انگلستان کا مشہور ناولسٹ اور انشا پرداز

[6] (Marie Corelli) انگلستان کی مشہور ناولسٹ، [7] (Schopenhauer 1788-1860) جرمنی کا مشہور فلاسفر

[8] (Nietzsche) جرمنی کا مشہور فلاسفر جسکا مذہب یہ تھا کہ نظام عالم خدا ہی ہے [9] (J. S. Mill) انگلستان کا مشہور فلاسفر اور منطقی مشہور لا ادری گذرا ہے

[10] (Comte) کانگٹ، فرانس کا مشہور فلاسفر Positivism کا بانی،

کوئی ان دیوانون سے پوچھے کہ تمھارے شاپن ہار یا فکٹے نے ہابز[1] یا لامیٹری[2] نے اپنے معتقدات کی بنا، پر، اپنے فلسفہ کی رو سے، ان حقائق کو بے نقاب کردیا، جنھین تم حقائق کہتے ہو؟ مادہ مین شعور اور حکمت، مقصد اور ارادہ ثابت کردیا؟ تخلیق عالم کا مسئلہ حل کردیا؟ خدا کو اس لیے چھوڑا کہ وہ حواس خمسہ سے محسوس نہین ہے لیکن کیا کانگٹ نے مادہ کو محسوس کرلیا؟ اسے روبرو، دیکھ لیا؟ کیا ان لوگون نے جنکے مذہب کی تعریف، خود ان کے مذہب کا ابطال کرتی ہے، تمام کائنات کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا؟ جو بڑے طمطراق کے ساتھ اسکی ہستی کا انکار کر بیٹھے؟ خدا کا اسلیے انکار کیا کہ خدا کہان سے آیا؟ کس طرح موجود ہو گیا؟ لیکن کیا انھون نے یہ معلوم کرلیا کہ مادہ کہان سے آیا، کس طرح متحرک ہو گیا؟ خدا کا لامتناہی ہونا تو سمجھ مین نہ آیا، لیکن مادہ کا لامتناہی اور لاتیجزی ہونا سمجھ مین آگیا؟ کیا یہ گروہ منکرین باری تعالی انظام عالم کو باطل ثابت کرنے مین کامیاب ہو گیا؟ ہوسکا؟ ہوسکتا ہے؟ کیا انھون نے یہ ثابت کردیا کہ دنیا مین کوئی قانون کام نہین کررہا ہے؟ کیا وہ موجودات کو مقصد اور غایت سے معرا ثابت کرچکے؟ کرسکتے ہین؟ ڈاکٹر کرسلیب[3] (Christlieb) کہتا ہے "اگر کوئی شخص کہے کہ خدا نہین ہے تو یا تو وہ دراصل کامل تحقیق کے بعد ایسا کہتا ہے یا بلا غور و تحقیق، اگر بلا تحقیق ایسا کہتا ہے، تب تو اس کا قول لائق التفات نہین، اس سے کہدو کہ جاؤ صحیفۂ فطرۃ کا مطالعہ کرو، اور اگر وہ یہ کہتا ہے کہ مین تمام روئے زمین، تمام کائنات تمام نظام شمسی، تمام افلاک الغرض سب جگہ گھوم آیا ہون ہر شے کو دیکھا، کہین خدا کا نشان نہین ملتا تو وہ اپنے قول سے اپنی تردید کرتا ہے، اسلیے کہ یہ کام انسان کا نہین بلکہ خدا کا ہے" ان ملاحدہ سے کوئی

[1] (Thomas Hobbes) انگلستان کا فلاسفر، مادہ پرست تھا، سنہ 1588-1678ء [2] (LA ME-TTERIE) فرانس کا مشہور ملحد، مادہ پرست تھا، [3] (Christlieb) جرمنی کا مشہور فاضل الہیات اسکی مشہور کتاب Christian belief (MODERN DOUBTS) ہے،

پوچھے کہ خدا کو اس لیے نہیں مانتے کہ سمجھ میں نہیں آتا اقلیدس اور علوم ریاضی کو پھر کیون تسلیم کرتے ہو، نقطہ سمجھ مین آگیا؟ ذرا ایسا نقطہ ہمین دکھا جسین جسامت نہ ہو! ذرا ایسی سطر یا ایسا خط ہمین دکھا جس مین چوڑائی یا عرض نہ ہو!

وہ کہتے ہین، جو بات ہماری عقل مین نہ آئے، اسے ہم تسلیم نہین کرین گے، اور نہ وہ ممکن ہے، بہت خوب: نیستی سے ہستی سمجھ مین آگئی؟ یعنی مادہ مین شعور نہین، اس سے انسان بنا، اس مین شعور کہان سے آگیا؟ جو چیز اصل (مادہ) مین نہین فرع (انسان) مین کہان سے آگئی؟ ضرور نیستی سے ہستی ہوئی ورنہ شعور اور ارادہ کا مبدأ اور (ORIGIN) بتاؤ، مادہ کے کون سے جزمین پایا جاتا ہے، یا جز نہ ہو تو کل مین ہو! اور اگر نہین دکھا سکتے تو پھر مانو کہ نیستی سے ہستی ہوگئی اب اس مفروضہ، کو عقل سے مبرہن کرو، ذرا ثابت تو کر دو۔

کیا یہ بات عقل مین آتی ہے، یا کہ ممکن العقل ہے، تمھارے تجربہ مین ہے کہ کوئی نقشہ محوزہ (ــ) خود بخود، بلا کسی نقشہ نویس کے، بلا کسی صاحب عقل ہستی کے، پس آپ سے آپ صفحۂ کاغذ پر کھنچ گیا ہو؟ یہ بات عقل مین آتی ہے کہ ایک جاہل مطلق شکسپیر کے ڈرامون سے بہتر ڈرامے لکھدے جس حال کہ وہ الف، بے سے بھی واقف نہ ہو؟ اگر یہ معمولی بات خلاف عقل ہے تو پھر اس سے بڑھکر یہ بات عقل مین آتی ہے کہ حروف تہجی خود بخود ہون اور کچھ عرصہ کی لوٹ پلٹ کے بعد رومیو جولیٹ[1] طیار ہو جائے، ہرا لگے نہ پھٹکری رنگ آئے جو کھا؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہستی کا وہی انکار کرے گا، جس نے صحیفۂ فطرۃ کا مطالعہ نہین کیا، جس قدر سائنس کا مطالعہ کرو، اسی قدر خدا کی ہستی پر دلائل اور شواہد ملتے ہین؟ سائنس بآواز بلند پکار رہا ہے کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری مین، سچ فرمایا حضرت داؤدؑ نے "بیوقوف انسان اپنے

[1] (ــ) شکسپیر کا مشہور ڈرامہ ہے،

ول مین کہتا ہے خدا نہین" (زبور ۱۴) ان لوگون سے کوئی پوچھے، جبلاتم نے اپنے فلسفہ کی بنا پر تمام سوالات
کا جواب دے لیا؟ انسان تو محدود اور فانی ہے۔ "لامتناہیت" اور "بقا" ان کے تصورات کس طرح
اس کے دماغ مین جگہ پا سکے؟ یہ تصورات، انسانی دماغ کی کوشش یا غور و فکر کا نتیجہ نہین ہو سکتے، پھر
کہان سے آگئے؟ جس طرح نیستی سے ہستی نہین ہو سکتی، اسی طرح جزد کل سے مختلف نہین ہوتا معلول
مین علت سے زیادہ نہین ہوتا، اور (د... ...) آم سے امرود نہین ہوتا، مادہ مین سمجھنے
کی قوت کہان سے آگئی؟ اور اس پر طرہ یہ کہ اس قوۃ سے تصور اور تعقل کرتا ہے ان باتون کا جو اسکی ذات
سے غیر ہین[1]، جب وہ محدود ہے تو محدودیت کا آئیڈیا، اس کا محدود دماغ کس طرح پیدا کر سکا؟ کر ہی نہین
سکتا پھر ایک لامحدودیت پر کیا منحصر ہے؟ جزئیات تو محسوس اور مشہود ہین، کلیات کا ادراک کیسے کر سکا
کیا کسی مادہ پرست، یا لاادری نے انسانیت، نیکی، بدی، حیوانیت، تناسب، ان چیزون کو بچشم خود
ملاحظہ کیا ہے[2]، اس کے علاوہ حسن کو لیجئے، حسن خود (ABSTRAGT) یعنی قائم بالغیر ہے، اسکی
تعریف، یعنی جسم متناسب الاعضا، تناسب خود (ABSTRACT) ہے، مادہ، مدرک کلیات!
(۳) ان دونون باتون کے علاوہ "تناسب" (SYMMETRY) نسبت، لحاظ (ZATIDPIOPOIT-ION قاعدہ - قرینہ)
بغیر اس کے کہ ذی شعور منتظم مقدم تسلیم کیا جاوے، ممکن العقل نہین، کیونکہ جو چیز بلا تصرف صاحب
عقل و شعور ہوتی ہے وہ تناسب اور قرینہ کی ضد ہوتی ہے، تناسب اور قرینہ نہین ہوتا، اسے
(COMOS) نہین کہتے بلکہ (CHOOS) کہتے ہین، یہی ملاحدہ جو مقصد، غایت،
تناسب، قرینہ کے الفاظ استعمال کرتے رہتے ہین، اور انھین بجائے خدا کے، بے شعور مادے سے
منسوب کرتے ہین جب کمرہ سجاتے ہین تو سجانے والے اور اس فن کے ماہر بلاتے ہین، حالانکہ
بے شعور مادہ کو بلانا چاہیئے،
(۴) ان سب کے علاوہ، متناسب، جسم یعنی حسن، دلپذیر کیون ہے؟ مادہ کو حسن سے کیا لگاؤ؟

مادہ کو admiration، (Appreciation سے کیا نسبت؟ یہ تو کلی ہے، جزی تو نہین، یعنی مادہ مین حسن پرستی کا مادہ (تحسین و تعریف) کہان سے آیا؟ مادہ حسن کا احساس کس طرح کر سکتا ہے؟ مادہ تو حرکت ہے نہ کہ شعور! کیا صداقت (Truth) حسن (Beauty) نیکی (Goodness) مادہ کے خواص ہین؟ حالانکہ سوائے مخبوط الحواس کے، ہر شخص ان کا پرستار ہے، ہمارے اندر انھین پیار کرنے کی خواہش کہان سے پیدا ہوئی؟ مادہ مین نہ صداقت ہے نہ حسن ہے نہ نیکی ہے؟ ہان بیشک ایک ہستی ہے جو صداقت مطلق، حسن مطلق اور خیر مطلق ہے وہ خدا ہے جس نے یہ تصورات ہمین دیئے اور ہمارے اندر ان سے محبت کرنے کا مادہ رکھدیا، جو مادی نہین، اور ان تینون امور کی معرفت بقول افلاطون و ہیگل، خدا تک پہنچاتی ہے، یہ کام مادہ کا ہو سکتا ہے؟ پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہین۔

انسان کے دماغ مین اگر کوئی تصور رفیع ترین ہو سکتا ہے تو وہ خدا کا تصور ہے، اور یہ تصور لازمی تصور ہے، چنانچہ اس کے لازمی اور ضروری ہونے پر ایپکٹیٹس کا قول شاہد ہے، اور یہ لزوم اس امر کو مستلزم ہے کہ ہمارے تصور کا مصداق، موجود فی الخارج ہے اور ہم سے علیحدہ ایک ہستی ہے، اس کے لازمی ہونے کے یہ معنی ہین کہ (۱) جس طرح گانا بلبل کے لئے ضروری ہے، خدا کا تصور انسان کیلئے ضروری ہے (۲) قوائے ذہنی اس ترکیب پر اور اس نہج پر واقع ہوئے ہین کہ ان کے لیے واجب کا تصور ناگزیر ہے، اور (۳) اسکی ہستی کا یقین اگرچہ دلائل عقلیہ سے بھی ہوتا ہے، مگر (INTRITIUELY) وجدانی طور پر اندر سے دل پکار اٹھتا ہے، کہ اس کائنات کا بنانے والا کوئی ضرور ہے، خیال باری تعالیٰ سچ مچ، اسکی ہستی پر یقین کا مرادف ہے، ہم اس کے خیال سے باز نہین رہ سکتے، اور کیا تماشہ ہے، کہ جب اس کا خیال یا تصور کرین گے تو بحیثیت "موجود" کرین گے، سبب اس کا یہ ہے کہ اس کو موجود تصور کرنا عقل کا تقاضا ہے،

یہ سچ ہے کہ اس علم باری تعالیٰ (Consciousness of God) مین ترقی ہو سکتی ہے، مگر اسی پر کیا موقوف ہے، تمام صداقتین جو وجدانی طور پر حاصل ہوتی ہین، ترقی پاتی ہین، اور یقین وایمان کے مراتب طے کرتی ہین، اور تو اور، علم ذاتی مین ترقی ہوتی ہے، بچپن مین اور جوانی مین آدمی وہی ہوتا ہے مگر علم مین فرق ہوتا ہے،

پھر یہ تصور، مختص بالقوم اور مختص بالزمان نہین، یہ تصور "عام" بلکہ اعم ہے، سسرو[1] کہتا ہے،

"دنیا مین کوئی قوم ایسی نہین، جو کسی نہ کسی رنگ مین، خدا پر اعتقاد نہ رکھتی ہو، گو کہ اس کی ذات وصفات سے مطلق ناواقف ہو"

یہ قول ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، جس سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا، سوائے جاہل اور بیوقوف کے، ہزارہا سالون کا تجربہ اس کا مؤید ہے، سسرو کے زمانہ سے لیکر اب تک سیکڑون ممالک دریافت ہو چکے سینکڑون اقوام معلوم ہو چکین، مگر خدا اور مذہب دونون کی عزت اور عظمت ہر جگہ، ہر زمانہ مین، ہر قوم مین یکسان موجود رہی ہے، کوئی قوم ایسی نہین جس مین خدا کے متعلق اعتقاد نہ پایا جاتا ہو، یا جس کے افراد مین، خدا کے متعلق کچھ نہ کچھ علم موجود نہ ہو، آج تک دہریون، (ملاحدہ) کی قوم دریافت نہ ہو سکی، یہ تو بقول افلاطون ایک بیماری (دماغی خرابی) ہے "جو جوانی مین بیشتر لاحق حال ہو جاتی ہے" (افلاطون)، خود ملاحدہ نے بہت کوشش کی کہ کوئی قوم ملحدانہ خیالات کی معلوم ہو جائے لیکن ابھی تک کامیابی نہ ہو سکی، اور نہ آیندہ ہونے کی امید ہے، تا وقتیکہ انسان کی دماغی کیفیت، اور غور وفکر کے اصول وقوانین اور مبادیات علم (Laws of thought and principles of knowledge) نہ بدل جادین، اس وقت تک، نہ تصور ذات باری، دور ہو سکتا ہے نہ دہریون کی قوم دستیاب ہو سکتی ہے، کیا کیا جائے، انسان تو دماغی اور ذہنی قوتون کی بناء پر مجبور ہے کہ ایک جزو

[1] (Cicero) رومۃ الکبریٰ کا بہترین فاضل انسان، بڑا مدبر، فلسفی اور بہترین لکچرر۔

واجب کو جو تمام چیزوں کی علت تسلیم کرے، اس تصور کا برانگیختہ ہونا، اسکی مرضی پر موقوف نہین، علۃ تامہ، موثر اول، یا واجب الوجود کا تصور اسکی نفسیاتی اور عقلی زندگی کا تقاضائے ذاتی ہے، نہ وہ اس سے اعراض کرسکتا ہے اور نہ نفس اُس تصور سے باز آسکتا ہے، علم باری تعالےٰ تو ہماری ذہنی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے اور ضروری عنصر ہے،

افریقہ کے حبشی، کلاہائی[1] کے وحشی، کانگو[2] کے جنگلی، گیانا[3] کے بُش مَین امریکہ کے سرخ انڈین، نیو ہالینڈ کے وحشی، اسٹریلیا کے جنگلی، نیوزیلینڈ کے مواری سب کے سب خداپرست ہین، اس معنی مین کہ اپنے سے بالاتر ہستی کے قائل ہین، یعنی مذہب کا آئیڈیا ان مین بھی موجود ہے، غرضکہ جہان جہان حضرت انسان پائے جاتے ہین وہان وہان مذہب بھی، خواہ یہ قوام اخلاقی پہلو سے کتنی ہی نیچے کیون نہ ہون، لیکن خداپرستی کا عنصر ان کی زندگی سے دور نہین ہوا ہے" جو بات اس قدر اہم ہو اس قدر مقبول اور مسلمہ ہو جس پر تمام دنیا کا اتفاق ہو، جھوٹی نہین ہوسکتی" یہ سرو کی دلیل ہے، جو اس نے اثبات واجب الوجود مین پیش کی تھی، وہ کہتا ہے "ہم مین سے ہر ایک کے نفس مین خدا کا اعتراف منقوش ہے پس ہمارے لیے اسے نہ جاننا اور اسکی ہستی سے ناواقف ہونا ناممکن ہے"،

یہ ممکن ہے کہ خدا کی ہستی کے یقین سے ایک شخص انکار کردے، اگرچہ وہ یقین اس کے دل مین موجود ہو، چنانچہ الحاد، عقل کا تقاضا نہین، نہ الحاد کی بنیاد عقل پر رکھی جاسکتی ہے، بلکہ یہ انسان کی مرضی یا اس کے ارادے سے پیدا ہوتا ہے، عقل تو الحاد کو نزدیک نہین آنے دیتی، یہی شیخ سعدیؒ بھی فرماتے ہین،

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

[1] (Kalahari) جنوبی مغربی افریقہ کا ریگستان، [2] (Kongo) وسطی افریقہ کا ملک، جہان وحشی اقوام آباد ہین، [3] (Guiana) مغربی افریقہ کا ملک، یہان بھی وحشی اقوام آباد ہین

ہماری عقل ہر وقت خدا پرستی کی طرف رہنمائی کرتی رہتی ہے، مثلاً ہم جانتے ہیں کہ جو شے کسی مقصد کو پورا کرے وہ مقصد کے ماتحت بنائی گئی ہے اور اس کا بنانیوالا کوئی صاحب عقل وشعور انسان ہے جس کے دماغ مین اس شے کا نقشہ پہلے سے موجود تھا، مثلاً گھڑی، کیمرا، دوربین، موٹر کار وغیرہ وغیرہ، اب کون بیوقوف ہوگا جو ان چیزون مین تو (Design) غرض وغایت، مقصد ومطلب تسلیم کرے، اور یہ کہے کہ گھڑی فلان شخص نے ایجاد کی، کیمرا، فلان شخص نے ایجاد کیا، دوربین فلان شخص نے بنائی، موٹر فلان کاریگر نے بنائی، مگر انسان کے اعضا مین نہ مقصد ہے نہ غایت، نہ ربط نہ ڈیزائن (Design) اور یہ کہ انسان خود بخود بن گیا"

یعنی کیمرا تو خود بخود نہین بنا، مگر، مگر آنکھ جسے دیکھکر کیمرا بنا یا گیا، وہ خود بخود بن گئی؛ دھریون اور ملاحدہ کے اعتراض عموماً ناواقفیت، عدم علم، عدم مطالعہ پر مبنی ہوتے ہین، بلکہ اکثر اوقات مضحکہ خیز ہوتے ہین، مل کہتا ہے "اگر خدا ہوتا تو آگ نہ لگا کرتی"، کانٹ کہتا ہے "اگر خدا ہوتا تو چاند مین کمی بیشی کو راہ نہ دیتا"، اور جو دلائل الحاد کی تائید مین دیے جاتے ہین وہ اکثر اوقات، اسکے ماخذ کو پردۂ اخفا مین لانے والے ہوتے ہین،

غور کیجئے، مل کا اعتراض، اسکی "مرضی، یعنی ذاتی خواہشات" سے پیدا ہوا ہے نہ کہ اس کے عقل سے"

اگر وہ عقل سے کام لیتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ قانون قدرت، مین مداخلت بیجا نہ کرنے ہی سے تو خدا کی عظمت وبزرگی عیان ہے، اس نے ایک قانون مقرر کر دیا، اس کے موافق کام ہوگا، اور جو شخص قانون توڑے گا، نتائج برداشت کرنا پڑینگے فرض کیجئے، ایک کسان کی غفلت سے آگ لگی، تو ابتداً غفلت سے ہوئی، غفلت کی پاداش، اس کسان کو بھگتنا لازمی ہے، اب آگ کا خاصہ جلانا ہے، اُس سے دور نہین ہو سکتا، جلائے گی، آگ لگیگی، گاؤن جل جاوے گا، بیشک

ایسا ہی ہوگا، لیکن اگر کسان اپنی غفلت کا نتیجہ نہ پائے، سزا نہ بھگتے، قانون اور خواص کا عدم ہوجائے، لیکن تو پھر یہ دنیا رہنے کے قابل نہ رہے، غرض آگ کا لگنا اس صورت مین قابل اعتراض تھا جب اللہ میان خود اس امر کے خواہشمند ہوتے کہ فلا گاؤن مین آگ لگ جائے، اب سلسلۂ علۃ و معلول، قائم ہے، ابتدا کسان کی عورت سے ہوئی جس نے کھانا پکا کر آندھی کے دنون مین آگ کو نہ دبایا، ہوا چلی، آگ کی چنگاریان چھپر مین جالگین، بسرعت پھیل گئین، آگ لگ گئی، یہ سب کچھ مربوط ہے،

اب مسٹر مل کو لیجئے، وہ چاہتے ہین کہ خدا ایسا ہو کہ جہان کہین آگ لگے وہ فوراً بجھانے آئے، بلکہ آگ ہی نہ لگنے دے، مل کا بھائی کہتا ہے خدا ایسا ہونا چاہیئے جو بے بارش غلہ اگا دے، مل کا ایک دوسرا دوست کہتا ہے، خدا ایسا ہونا چاہیئے جو رات کو بھی آفتاب روشن کرے تاکہ ہمین لالٹین جلانا نہ پڑے، غور کیجئے، یہ تو اپنی مرضی کا خدا ہوا، خدا کی کوئی حقیقت اور اصلیت تو نہ رہی، مرضی کی چیز تو بنی بنائی مشکل سے ملتی ہے، بنوانا پڑتی ہے، تو خدا وہ تسلیم ہوگا جو تراشیدۂ خویش ہو،

سوال یہ ہے کہ جو تمھاری مرضی کے موافق کام کرے وہ خدا ہوگا یا تمھارا ملازم؟ خدا کی شان سے تو یہ بات بعید ہے ہی، کیا کوئی آقا گوارا کر سکتا ہے کہ خادم اسے حکم دے اور وہ اسکے موافق کرتا رہے، افسوس ہے کہ مسٹر مل اور کانگٹ دونون اس وقت موجود نہ تھے جب زمین و آسمان بن رہے تھے ورنہ ان سے مشورہ لیا جاتا، ہان تو بات یہ ہے کہ دہریے، اور ملاحدہ اکثر اوقات عجیب سوالات کرتے ہین، جو ایک طرف اُن کی ناواقفیت کا پردہ فاش کرتے ہین دوسری طرف ان کے خود ساختہ عقائد پر گولہ باری کرتے ہین :-

یہ لوگ کہتے ہین، اچھا، خدا کو کس نے پیدا کیا؟ خدا کہان سے آیا؟

ذرا کوئی ان بزرگون سے پوچھے، بھائی! مادہ کو کس نے پیدا کیا، مادہ کہان سے آیا؟

یہ لوگ کہتے ہین، خدا پر اس لئے ایمان نہین لاتے کہ سمجھ مین نہین آتا سمجھ سے باہر ہے، خدا بذریعہ

حواس محسوس نہین، کوئی ان سے پوچھے، بھائی بجلی کا کرشمہ، اسکی حرکت، اور مادہ کی حرکت، ایتھر کا وجود آپ کی سمجھ مین آگیا، الکٹرسٹی کی تشریح کر سکتے ہو؟ مادہ بذریعہ حواس محسوس ہے؟

کانٹ نے کہا ہم تجربہ ومشاہدہ پر علم کی بنیاد رکھتے ہین، تجربہ بتاتا ہے،

(ا) کوئی چیز خود بخود نہین بنیگی،

(ب) حرکت بغیر متحرک نہین ہو سکتی،

(ج) نیستی سے ہستی نہین ہوسکتی۔ لیکن تم کہتے ہو

کہ (ا) انسان خود بخود بنگیا،

(ب) مادہ ازلی متحرک ہے،

(ج) عدم شعور (مادہ) سے شعور برپا ہوگیا، بیجان سے جاندار بن گیا،

کانٹ اور اس کے خوشہ چینون سے کوئی پوچھے، مادہ مین پہلے پہل حرکت کیسے پیدا ہوئی؟ اور پھر دنیا مین نباتاتی، حیوانی، اور انسانی زندگی کیونکر برپا ہوئی،

فیرارئی[1] (Ferrari) اور (Hettinger)[2] نے اپنی تصانیف مین، ورچو (Virchow) کا قول نقل کیا ہے، جو کہتا ہے، "ظہور حیات کے مسئلہ کا، مادہ کی بناء پر حل کرنے کا خیال ایسا ہی لغو ہے، جیسا یہ کہنا کہ توپ کا گولہ خود بخود دہانے سے فضا مین زور کے ساتھ نکل جاتا ہے یا اجرام فلکی خود بخود فضائے عالم مین چکر لگاتے ہین، اور گولہ کا نکلنا اور اجرام فلکی کا چکر لگانا یہ انکی ترکیب کی بناء پر ہے"

کارنیلیس[3] (Cornelius) کہتا ہے "یہ سمجھنا عقل کے ذریعہ، ناممکن ہے کہ کیونکر،

---

[1] (Ferrari)، اطالی فاضل الہیات اور سائنس دان، [2] (Hettinger) جرمن فاضل علم ہیئت وسائنس کا بڑا ماہر، [3] (Cornelius) ایک رومن فلاسفر اور انشا پرداز۔

ایک سالم خلا (خرد vacant) مین دوسرے سالم پرعمل (operation) کرتا ہے" اس قدر اعراض کے بعد نفس مضمون پر آتا ہون

خدا کی ہستی کا یقین انسان کی طبیعت مین مرکوز ہے، کل مولود یولد علی الفطرۃ مین اسی کی طرف اشارہ ہے فطرۃ التی فطر الناس علیہا، کا بھی یہی منشا ہے، مگر اس یقین کی بنیاد، ان دلائل پر نہین، جنکے آگے عقل سر جھکاتی ہے، بلکہ یہ یقین (Inward Reasonation) تحریکات باطنی اور ترغیبات اندرونی کا نتیجہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر لوتھر ڈ (Luthardt) کہتا ہے:-

(Belief in God is not a science but a virtue) "یعنی خدا پر یقین، سائنس نہین بلکہ نیکی ہے" یعنی اس اعتقاد کی اصلی بنیاد ہمارے "انٹوئشن" کی گواہی ہے، اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "انٹوئشن" کی گواہی (وجدان کی شہادت) پر روشنی ڈالی جائے:-

واضح ہو کہ انٹوئشن کے لغوی معنی "دیکھنا" ہین، لیکن اصطلاح مین اس لفظ سے ہماری مراد ہماری نیچر کی وہ خداداد روشنی ہے جس کے بغیر ہم کسی شے کی حقیقت کو نہین پہچان سکتے، بلکہ بعض باتون کے ثبوت کے لیے دلائل خارجی کی بھی ضرورت نہین ہوتی کیونکہ یہ خداداد روشنی (intuition) خود بخود ان سے واقف ہوجاتی ہے، خدا نے ہماری فطرۃ (nature) مین ایک ایسی قوت رکھدی ہے جسکی بنا پر ہم بغیر دلائل خارجی کی مدد کے اشیاء سے واقف ہوجاتے ہین، پس جب ہم یہ کہتے ہین کہ خدا کی ہستی کے بارہ مین، خود ہماری فطرۃ (nature) مین یقین و عداقی انٹوئشنل گواہی موجود ہے تو اس سے ہمارا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہماری نیچر مین خدا کی ہستی کے متعلق ایسا ذاتی علم پایا جاتا ہے جو کسبی نہین یعنی حقائق موجودات کے مشاہدہ اور تجربہ سے اکتساب نہین کیا، بلکہ وہ معرفت وہی ہے جو مرکوز فی الذات ہے، اگر ہم مشہودات نیچر کو بمنزلہ نور فرض کرین

(Luthardt) جرمنی کا مشہور فاضل الہیات،

تو انٹوئشن بمنزلۂ آنکھ ہوگا، انسان خدا کی صورت پر بنا ہے، اسی لیے تخلقوا باخلاق اللہ کا حکم دیا گیا، اسی لیے خدا کی معرفت کا چراغ کم و بیش اس کے خانۂ دل مین روشن ہے اور جب ہم اس چراغ کی روشنی مین نیچر کی صنعتون کا معائنہ کرتے ہین تو ہم ان مین اسی خدا کی حکمت کا جلوہ پاتے ہین جسکے وجود پر ہمارا وجدان (INTUITION) گواہی دیتا ہے،

دلائل عقلیہ خدا کی ہستی کے اعتقاد پر مقدم نہین، بلکہ خدا کی ہستی کا اعتقاد، دلائل عقلیہ پر مقدم ہے ہم اسیلیے خدا پر ایمان نہین لائے کہ دلائل سے ثابت ہوا، بلکہ اسیلیے کہ خود خدا نے بقول ڈیکارٹ اپنی ہستی کا یقین ہمارے دل مین مرکوز کر دیا ہے، اور ہم اس یقین کو بدلائل عقلیہ مبرہن اور مؤید کرتے ہین، اور یہ یقین کبھی کسی دلیل سے تقویت پاتا ہے، کبھی کسی دلیل سے، اور یہ دلائل اس تصور کو جو ہماری روح مین مرکوز ہے، جلا دیتے ہین، دلائل کی مدد سے یہ تصور زور اور طاقت حاصل کرتا ہے،

ڈاکٹر نایٹ[1] (Dr Knight) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف دی اسپیکٹس آف تھی ازم (The Aspects of Theism) مین لکھتے ہین، "گو خدا کی ہستی کے ثبوت مین جو شہادۃ پیش کیجاتی ہے اسکے سلسلہ مین، پہلی کڑی وجدان (INTUITION) ہے یعنی بزدبان دلائل کا پہلا مرتبہ (stage) ہمارا وجدان ذاتی ہے، مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہی سب سے اونچا مرتبہ (The Highest) بھی ہے، کیونکہ جب ہم کسی اعتقاد کی پیروی کرتے کرتے اسے اسکی آخری کڑی تک لیجاتے ہین تو ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس سے آگے اس کی تائید مین اور کچھ نہین کہہ سکتے، اس لیے کہ وہ اپنا شاہد آپ ہے اب اگر ہم وجدان طبعی کا انکار کرین اور اسکی گواہی کو رد کرین تو یہ سوال ہوگا کہ ہم عقلی دلائل کی شہادت کو کس بنا پر تسلیم کرین؟ غرض انٹوئشن ہر قسم کی شہادت کی بنیاد اور اصل ہے"

---

[1] (Dr Knight) ڈاکٹر نایٹ اسکاٹلینڈ کا مشہور فلسفی اسکی مشہور آفاق تصنیف The Aspects of Theism ہے

خدا کی ہستی کا یقین، (Reflection) غور و فکر پر مبنی نہین، بلکہ اس سے مقدم ہے عقل سے دل کی تسلی نہین ہوتی بلکہ دل سے عقل کی تسلی ہوتی ہے جس طرح اخلاقی صداقتون (Moral values) کے معاملہ مین، دلائل سے ضمیر تسلی نہین پاتا، بلکہ خود ضمیر عقل کو تسلی بخشتا ہے، چونکہ خدا کی ہستی کا یقین دل مین جاگزین ہے، اسلئے عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ خدا ہے، سائنس بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے، فلسفہ کا فتویٰ بھی یہی ہے، ارسطو اور افلاطون عمر بھر یہی راگ الاپا کئے، کینٹ بھی اور دلائل کو کمزور اور ناقص ثابت کرتا ہے، مگر اس انٹوئیشن کی گواہی سے انکار نہین کر سکتا (vide, his moral proof) اسپنسر[1] کو بھی ایک مطلق ذات کا اقرار ہی کرتے بن پڑی، ؎

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

پیسکل[2] (Pascal) کہتا ہے "خدا کو بھی پسند آیا کہ اس کی ہستی کا یقین عقل کے ذریعہ دل مین جاگزین نہ ہو بلکہ دل کے ذریعہ عقل مین جاگزین ہو، لہذا اس نے انسان کی طبیعت مین اپنی ذات کا تصور رکھدیا، اور پھر عقل نے اسپر گواہی دی، دلائل قائم کئے، اور اس خیال کو مضبوط کیا" لگشن برگ کہتا ہے "اگر انٹوئیشن کی گواہی موجود نہ ہوتی تو مجرد عقل شاید ہی خدا کی ہستی کا اثبات کر سکتی" ادسٹرزی[3] کہتا ہے "اگر خدا نہ چاہتا کہ انسان اسے جانے تو بھلا انسان کس طرح اسے جان سکتا تھا، کیونکہ محدود مین غیر محدود کا تصور، محدود ذات کی بنا پر پیدا ہی نہین ہو سکتا" انسلم کہتا ہے "اسے خدا! مین تجھ پر یقین کرتا ہون تاکہ

[1] (Spencer, H.) انگلستان کا مشہور فلسفی، [2] (Pascal) فرانس کا زبردست فلسفی، اور ریاضی دان، [3] (Oosterzee) ہالینڈ کا زبردست متکلم اور فاضل الہیات، اسکی مشہور تصنیف (Christian dogmatics) ہے،

اس یقین کی روشنی مین، بدلائل عقلیہ تیری ہستی کا اثبات کرون، اور تجھے سمجھون،

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلے دل مین اسکی ہستی کا یقین ہوتا ہے پھر عقل اس کی جستجو کرتی ہے

اس کا پتہ لگاتی ہے، نشانات ڈھونڈتی ہے، فطرۃ مین، تاریخ مین، اور خود نفس ناطقہ مین،

خدا کی ہستی کا پتہ لگانا عقل کا افضل ترین فرض منصبی ہے اور یہ کام اس کے لیے باعث فخر و مباہات ہے کہ وہ بدلائل نیرہ، اس یقین کو حاصل کرلے جو یقین، دلکو، بذریعہ وجدان سلیم، حاصل ہو،

(۱) کائنات کا ذرہ ذرہ، خدا کی ہستی پر شاہد ہے، یہ دنیا موجود ہے، لہذا اس کا بنانیوالا بھی ضرور ہونا چاہیئے، ورنہ کیا یہ دنیا آپ سے آپ ہی بنگئی؟ کیا وہ اپنی خالق اور صانع خود ہے؟ اچھا تو اس کی (Creative force) قوۃ تخلیق کہان ہے؟ ہمین ہر قوت جو معلوم ہوئی ہے، محدود ہے، "کوئی غیر محدود قوت" ابھی تک نہین تلاش کیجا سکی، پس کوئی ایک قوت بھی "خالق" نہین ہوسکتی صفت خلق سے متصف نہین ہوسکتی، تو کیا تمام قوتون کے مجموعہ سے دنیا بنی ہے؟ یہ بھی نہین ہوسکتا، کیونکہ محدود کا مجموعہ بھی محدود ہی رہے گا، غیر محدود نہین ہوسکتا، لاکھ "محدود" جمع کرو، نتیجۂ محدود ہی ثابت ہوگا، ہر قوت، دوسری قوتون سے محدود ہے، تمام علل (Secondary Causes) جو ہم دنیا مین جاری دیکھتے ہین، علل ثانیہ (Secondary Causes) ہین، کوئی ایک علت بھی، آخری، اور اصلی نہین، اور جس قدر علل ثانیہ جمع کرو، ان کا مجموعہ علۃ اولی (Prime Cause) نہین ہوسکتا۔ پس ہم کو، علۃ اولی کی تلاش، محدود اشیاء اور قوتون اور علل کے اوپر کرنا چاہیئے، اگسٹاین (اقرارات ۱۰:۶) کہتا ہے "مین نے زمین سے کہا، کیا تو خدا ہے؟ اس نے جواب دیا نہین، ہوا سے پوچھا، کیا تو خدا ہے؟ اس نے جواب دیا نہین، آسمان سے پوچھا کیا تو میرا خدا ہے؟ اس نے جواب دیا نہین، سب نے یکزبان ہوکر کہا ہم تو مخلوق ہین، ہمارا خالق اور ہے"۔

حرکت کا تقاضا ہے کہ ایک محرک ضرور ہے، معلول کا وجود، علت کے وجود پر دال ہے، ممکنات واجب کو مستلزم ہین، دنیا مین حیات مرتب (Organic) کی ابتدا ہوئی ہے اور اس لیے اس حیات کا مبدا ضرور کوئی نہ کوئی ہے، دنیا مین ایک دوئی موجود ہے یعنی مادہ اور روح، یہ دونو ایک دوسرے سے مغایر ہین، ایک دوسرے کے ضد ہین اور ایک دوسرے کو محدود کرتا ہے، اور اس لیے نہ روح نے مادہ کو پیدا کیا، اور نہ مادہ سے روح پیدا ہو سکتی ہے، مادی طبیعت، روح شخص کو پیدا نہین کر سکتی، اور نہ انسانی روح سے مادہ پیدا ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہین، مادہ سے مادی چیز پیدا ہو سکتی ہے، اور روح سے روحانی چیز نکل سکتی ہے، مگر روح سے مادہ اور، مادہ سے روح نہین نکل سکتی، یہ خیال کہ مادہ سے صاحب شعور انسان بنگیا، ایک صریح حماقت ہے جس سے زیادہ حماقت متصور نہین ہو سکتی،

(۲) دنیا مین نظام اور غایت کا پایا جانا بھی خدا کی ہستی پر روشن ترین دلیل ہے، ایسی روشنی کہ کینٹ کو بھی یہ کہتے بن پڑی کہ تمام دلائل مین یہ دلیل جو نظام عالم پر مبنی ہے، بہترین اور واضح ترین اور روشن ترین اور عقل کے نزدیک قابل قبول ہے،

سسرو (De Natura Deorum) مین لکھتا ہے" اگر یہ خوبصورت دنیا، جس مین باوجود اس کثرت کے، وحدت پائی جاتی ہے اور باوجود اس تنوع کے اسقدر اتحاد اور یکرنگی پائی جاتی ہے، محض مادہ کے اجتماع اضطراری سے پیدا ہو گئی، بغیر کسی صاحب عقل وشعور کی دست اندازی اور مداخلت کے، تو پھر حروف تہجی کے اتفاقیہ اجتماع سے نظم کیون نہین بنجاتی، یا فدات کے اجتماع سے عمارت کیون نہین کھڑی ہو جاتی؟"

دنیا مین انتظام، اور ترتیب موجود ہے، توازن وتوافق موجود ہے، نظم ونسق موجود ہے، ربط وضبط موجود ہے، قاعدہ اور قرینہ موجود ہے غرض مختصر دنیا ایک (COSMOS) شے

بحیثیت مجموعی دنیا مین کیرنگی نہین ہے ترتیبی سبے بدنظمی اور گڑبڑ یعنی (CHOOS) منتظم و مرتب ہے اور ہم آہنگی (Harmony) پائی جاتی ہے، اس دنیا مین کمترین شے بہترین سے اور اصغر اکبر سے خرد کلان سے عجیب رشتہ رکھتی ہے، اور دنیا کی کوئی منطق اس شہادت کو کمزور نہین کرسکتی جو اس انتظام اور ترتیب، مقصد اور غرض، سے حاصل ہوتی ہے، اچھا جناب اب سوال یہ ہے کہ یہ ہم آہنگی اور توافق، رابطہ اور قرینہ وغیرہ، کہان سے آیا؟ اگر کوئی کہے کہ اتفاقیہ طور پر ایسا ہوگیا تو گویا وہ ایک واقعہ کی تشریح ایک لفظ مہمل اور بے معنی سے کرنا چاہتا ہے؛ اتفاق (Chance) سے تو عموماً مضحکہ خیز امور ظہور پذیر ہوا کرتے ہین عجیب و غریب اور لایعنی تشکیلین صور کائنات پر بن سکتی ہین، لیکن امور اتفاقی مین عقل کا شائبہ ہرگز نہین پایا جاتا، فرض کیجئے آپ بمبئی سے عدن جارہے ہین، راستہ مین آپ نے لائٹ ہاؤس دیکھا تو کیا آپ یہ خیال نہین کرینگے کہ یہ منارہ یہان کیون ہے؟ بعد تحقیق یہ معلوم ہوگا کہ یہان زیر آب ایک چٹان ہے جو جہاز کے لیے خطرناک ہے آپ فوراً کہین گے ٹھیک! یہ منارہ اس مقصد کے لیے بنایا گیا کہ جہاز اس مقام سے دور دور گزرے، پس دو باتین معلوم ہوئین اولاً اس کا کسی غرض کے ماتحت پایا جانا، ثانیاً ایک عقلمند اور دور اندیش صاحب شعور کاریگر یا انجینیر کا وجود جس نے اسے وہان بنایا، کیا آپ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ اس منارہ کی وہان بیشک ضرورت تھی، یہ کہہ سکتے ہین کہ یہ منارہ وہان حسن اتفاق سے کھڑا ہوگیا، اور خود بخود بن گیا؟ کیا اس کا وہان پایا جانا آپ کے ذہن کو ایک سمجھدار شخص کی طرف منتقل نہین کرتا؟ جس نے ایک خاص مقصد کے ماتحت اس منارہ کو وہان قائم کیا تاکہ جہاز کو، چٹان سے صدمہ نہ پہنچے، آپ ایک درندہ کو دیکھئے جسکی غذا، شکار ہے، غور کے بعد معلوم ہوگا کہ اس کے دانت اور پنجے، اس کام کے لیے موزون اور ضروری ہین، کیا وہ اتفاق سے بن گئے؟ اگر اتفاق ہی علت ہے تو گائے کے دانت اور کھر کیون نہ بنگئے؟ آپ کہین گے، اس کی ضرورت کے مطابق اس کی زندگی کے موافق ہین، مطابقت اور

موافقت دونون باتین اتفاق کا نتیجہ نہین ہو سکتا، یہ مطابقت اور موافقت ہی تو آپ کو اس خیال پر مجبور کرتی ہے، کہ ان کا بنانے والا ایک ہوشیار سمجھدار شخص ہے جس نے انکی ضرورت کو ذہن مین مدنظر رکھتے ہوے، ان کی ضرورت کے موافق اور انکی احتیاج کے مطابق سامان عطا کیا ہے، تاکہ نوعی زندگی قرار پا سکے، آپ کہین گے، قانون فطرۃ کی بنا پر ایسا ہوا ہے، بیشک قانون فطرۃ ہی اسکی علۃ ثانیہ ہے، مگر قانون مقنن (Lawgiver) کو مستلزم ہے، قاعدہ اور قانون خود بخود تو نہین بنا کرتا، کیا آپ تعزیرات ہند کے ساتھ مکالے[1] کی دماغی قابلیت کا خیال نہین کرتے؟ کیا تعزیرات ہند خود بخود، حروف تہجی کی الٹ پھیر سے بن گئی؟ کیا آپ خیال کر سکتے ہین کہ اگر نپولین[2] نہ ہوتا تو کوڈ نپولین بنایا جا سکتا تھا؟

پریس موجود ہے، کاغذ موجود ہے، حروف موجود ہین، سیاہی موجود ہے، رولر موجود ہے، پلیٹ موجود ہے، مشین موجود ہے کیا اگر کمپوز کرنے والے کا ہاتھ نہ ہوتا تو کوئی ایسی کتاب جسے آپ سمجھ سکتے، چھپ سکتی تھی؟

کیا آپ حروف تہجی ایک متحرک مشین کے سپرد کرکے اس سے اس امر کے متوقع ہو سکتے ہین کہ وہ دیوان حافظ چھاپ کر آپ کو دیدے؟ آخر دیوان حافظ مین فارسی حروف تہجی کی مختلف ترکیبون کے سوا اور تو کچھ نہین، آپ کہین گے مشین اگرچہ متحرک ہے مگر اسے حرکت مین لانے کے لیے ایک آدمی کی ضرورت ہے، جو اسے باقاعدہ حرکت دے، اور ایک کمپوزیٹر کی ضرورت ہے جو ان حروف کو باقاعدہ کمپوز کرے، تو یہی کلیہ آپ بے شعور مادہ مین کیون جاری نہ کرین؟ اگر بغیر ایک سمجھدار انسان کے مختلف طور پر حروف کے اجتماع سے کچھ کارآمد اور

---

[1] J. B. Macaulay لارڈ مکالے، انگلستان کا مشہور مقنن اور مدبر،

[2] Napoleon) فرانس کا مشہور ترین حکمران، یورپ کا عظیم الشان انسان،

معقول بات نہین بن سکتی تو پھر مادہ کی مختلف وضعات اور اس کے اجتماع سے معقول بات کس طرح بن سکتی ہے؟ آپ ایک باغ مین جاتے ہین جہان آپ کو روشین بنی ملتی ہین اور مختلف پھولون کے تختے ملتے ہین، ایک تختہ مین گلاب ہے، دوسرے مین بیلا تیسرے مین چمیلی، ہر تختے کے کنارے آپ کو نالی ملتی ہے جس مین ہوکر پانی، تختون مین پہنچتا ہے، پھر آپ کو ایک کنوان ملتا ہے، جہان سے وہ نالی شروع ہوتی ہے، کیا آپ اس انتظام کو دیکھ کر یہ کہین گے کہ یہ سب کچھ خود بخود، یا اتفاق سے موجود ہوگیا ہے، آخر اتفاق سے بیلے کے تختے مین گلاب کا پوداکیون نہین اُگا؟ اور نالی باغ کے اندر آنے کے بجائے صحرا مین کیون نہ چلی گئی؟ جب اس کام مین عقل کو دخل نہین (کیونکہ مادہ بے شعور ہے) تو ساری باتین عقل کے موافق کس طرح ہوگئین؟ ایک عقلمند آدمی کا یہ کام نہین کہ اس سوال کو ٹالدے یا اس پر غور نہ کرے، چنانچہ لاینیس[1] (Linneaus) نے اس سوال پر غور کرکے، خدا کی ہستی کا اقرار کیا، جب اس نے علم نباتات کا مطالعہ کیا تو بے اختیار چلا اٹھا" یہ کام بے شعور مادہ کا نہین ہوسکتا" ضرور کوئی صاحب عقل ہستی موجود ہے" کیپلر[2] (Kepler) نے جب علم ہیئت کا مطالعہ کیا تو بے اختیار پکار اٹھا" یہ کام تو کسی صاحب شعور ہستی کا ہے" جب اس بات کے سمجھنے کے لیے عقل درکار ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اسکے بنانے کے لیے عقل درکار نہ ہو!

جس طرح یہ انتظام اور ترتیب محض اتفاق سے ظہور پذیر نہین ہوئی، اسی طرح" لاز آف نیچر" سے بھی یہ بات پیدا نہین ہوسکتی، فورس، یا قوت نیچر مین کام کرتی ہے اور اسکی بنا، پر نتائج مرتب ہوتے ہین لیکن فورس عقل نہین وہ بے شعور چیز ہے وہ انتظام اور رابطہ پیدا نہین کرسکتا

[1] (Linneaus) (1707-1778) (SWIDISH BOTANIST)

[2] (Kepler) 1571-1630 جرمن ہیئت دان، بہت مشہور انسان گذرا ہے،

قانون ایک قاعدہ ہے جس کے موافق کام ہوتا ہے مگر قانون وہ عقل اور شعور نہین، جو ان کامون کی غرض معین کرتا ہے، اور اگر "فورس" یا قوت کو تم عقل مانتے ہو تو پھر اُسے عقل بے وقوف و بے شعور ماننا پڑیگا اور یہ کچھ نہین مگر اجتماع ضدین ہے جو محال ہے،

غرض ایک صاحب عقل و شعور ہستی کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہین، جناب کانٹ (Kant) نے جب غور کیا تو بہترے ہاتھ پاؤن مارے مگر دنیا کو مادہ یا اجزائے دیمقراطیسی کا کھیل یا اتفاق کا نتیجہ نہ مان سکا، مجبورًا (Moral order) کو دنیا کا گورنر (Governor) یا حاکم مانا،

وہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

یہی حال میان اسپنسر کا ہوا، اُسے بھی بغیر (Unknowable absolute) ایک غیر معلوم مطلق طاقت کے مانے بغیر چارہ نہ ہوا، چنانچہ (Perty)[1] پرٹی کہتا ہے (Author: Vorlage, p. 39)

"بہتون نے غیر ذی شعور کلیات کو دنیا کا مبداے اصلی مانا ہے لیکن یہ کلیات چونکہ صاحب شعور نہین لہذا ایک صاحب شعور ہستی کا ماننا ضروری ہے، جس نے یہ کلیات (Ideas) نافذ کئے، اور بہتون نے خالق کو نہین مانا انھون نے اگر دنیا سے خارج ایک خالق ہستی کو تسلیم نہین کیا، تو خود (Cosmos) یعنی کائنات مرتب کو صاحب عقل و شعور مانا، مگر کیا طرفہ تماشہ ہے ان کا خالق، زندہ بھی ہے، اور صاحب عقل بھی ہے مگر (Unconscious) غیر ذی شعور ہے، اسی طرح کوئی کانٹ سے پوچھے کہ جب تم دنیا مین (Moral government) عقلی حکومت تسلیم کرتے ہو ایسی حکومت جو نیک و بد مین، امتیاز کر سکتی ہے (کیونکہ مارل گورنمنٹ کے یہی معنی ہونگے) تو پھر خدا کے اقرار سے اس قدر گریز کیوں؟ انتظام و توازن اگر غیر ذی شعور (Unconscious) ہے تو ناممکن ہے کہ نیکی کے قوانین (Morality) کے مطابق ہو سکے، غیر ذی شعور ہستی تو نیکی اور بدی مین امتیاز کی

[1] (Perty) جرمن محقق اور ماہر علم کیمیا،

نہین کرسکتی سوتا ہوا آدمی، اچھے برے مین تمیز ہی نہین کرسکتا، سوتا ہوا تو بڑی بات ہے، بچہ ۴ یا ۵ سال کا، کھرے کھوٹے مین امتیاز نہین کرسکتا، "نارل گورنمنٹ" کے لیے تو "نارل گورنر" کی ایسی ہی ضرورت ہے جس طرح لکھنے کے لیے قلم کے علاوہ محرر یا کاتب کی، قلم خود کچھ نہین لکھ سکتا، نیکی کے قوانین، بغیر مقنن کے وجود ہی مین نہین آسکتے، جب نیک و بد مین امتیاز کرنے والا نہین تو پھر امتیاز کا خیال، جنون اور سودا ہے، عقلمند آدمی تو ایسا خیال کر نہین سکتا، "مین آپ سے پوچھتا ہون، کہ آپ اس شخص کا کیا نام تجویز کرین گے جو، العالم متغیر۔ وکل متغیر، حادث، تو مانتا ہو مگر یہ نہ مانے کہ العالم حادث، صغریٰ اور کبریٰ دونون تسلیم کرے مگر نتیجہ سے اتفاق رائے کیا، نتیجہ نکالنا ہی ضروری اور مفید نہ سمجھے، دنیا مین نیکی اور بدی کا قانون پایا جاتا ہے، (قانون کا پایا جانا، مقنن کی ہستی پر دال ہے) قانون بغیر مقنن کے ظہور مین نہین آسکتا (جب تک کوئی ہستی ایسی صاحب عقل و شعور نہ ہو جو نیک و بد مین امتیاز کرے امتیاز ناممکن ہے) ان دونون باتون سے ایک نتیجہ نکلتا ہے یعنی اگر قانون موجود ہے تو مقنن بھی موجود ہے، اور کس قدر ہٹ دھرمی اور ناانصافی ہوگی اگر دونون باتون کو تو ایک شخص تسلیم کرے، مگر تیسری بات جو ان کا لازمی نتیجہ ہے اسکو تسلیم کرنا کجا، سننا بھی پسند نہ کرے؟ اگر انبیا کا فرمان، خدا کا فرمان، ضمیر کی آواز، دلکی تحریکات، وجدان سلیم کا تقاضا، متواتر شہادت کا وزن، لوگون کا تجربہ اور مشاہدہ سب کچھ بیکار ہے اور معاملہ صرف عقل ہی پر آن ٹھہرا ہے تو آئیے پھر عقل ہی کے سامنے مقدمہ پیش کرین، اور عقل کا فیصلہ بہت سیدھا سادہ رہا ہے، امتیاز کے لیے ممیز لازمی ہے، ممیز کے لیے ذی شعور ہونا لازمی ہے، پس ایک ذی شعور ممیز موجود ہے، جسکو ہم خدا کہتے ہین، ۔ جسے "نارل گورنمنٹ" کہتا ہے، ہم اسے خدا کہتے ہین،

(۳) اس کے علاوہ (سیکنڈ)، قانون علت و معلول سے بھی خدا کی ہستی پر دال ہے:۔

ہم اس دنیا مین علت و معلول کا سلسلہ دیکھتے ہین، اس سلسلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ ہر معلول (Effect) کی کوئی نہ کوئی علت (Cause) ضرور ہوتی ہے، عالم بحیثیت مجموعی ایک معلول ہے لہذا اسکی بھی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے،

ہم ایک طرف یہ دیکھتے ہین کہ ہم اور ہمارے ابنائے جنس اپنی قوتِ ارادی سے بہت سے نتائج پیدا کرتے ہین اور دوسری طرف یہ دیکھتے ہین کہ اس عالم مین بہت سے ایسے نتائج ہین جنکا سبب انسان کی قوت ارادی نہین ہے، پس لامحالہ یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ وہ نتائج کسی صاحبِ عقل و شعور ہستی کے ارادہ کے ماتحت مرتب ہوئے ہین، یہ بات کہ ان نتائج کی علت، صاحب عقل و شعور و ارادہ ہستی ہے خود ہماری عقل نے ہمین سمجھائی ہے، کیونکہ ہماری عقل مادی علت سے مطمئن نہین ہوسکتی (Physical cause) بلکہ وہ ایسے سبب یا علت کی متلاشی ہے جو مادہ سے مجرد ہے اور ذی شعور ہے (Intelligent cause) مادہ کو فرسٹ کاز (سبب اولی) اس لیے نہین مانتے کہ مادہ مین ارادہ اور مرضی نہین پائی جاتی، مادی شے کو سبب اول نہ ماننا ہماری عقل کا لازمی اور ضروری بلکہ طبعی تقاضا ہے، چنانچہ مسٹر میکلینڈ[1] اپنی تصنیف خدا پرستی یا لاادریت" مین ایک دلچسپ مثال سے اس تقاضا کا اثبات کرتے ہین" ایک شخص بندوق کی گولی سے مارا جاتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے۔ کس نے اس شخص کو مارا؟ جواب مین کہا جاتا ہے گولی لگنے سے مرگیا، گولی نے مارا، اب کیا گولی کو پھانسی دیدیجائے، یا بندوق کے گھوڑے کو؟ اس مین شک نہین کہ گولی موت کا سبب ہوئی مگر کون سا سبب؟ محض سبب طبعی (Physical cause) پس سزا کے لیے گولی یا بندوق کو نہین پکڑتے بلکہ اس کو جس کی غرض نے بندوق کے گھوڑے کو حرکت دی، یعنی ایک فاعل بالارادہ اور مختار انسان کو، اور اسی کو پھانسی دیجاتی ہے، ذمہ داری، جو انسانی ذات کا خاصہ ہے، "ارادہ" کو کسی نتیجہ کا اصلی سبب ٹھہراتی ہے، جو لوگ

---

[1] (Maiclaind) امریکن فاضل الٰہیات، اسکی مشہور تصنیف Theism versus Agnosticism

علت و معلول کے اصول کی بنا پر اثبات واجب کرتے ہین ان کا مقصد یہ نہین کہ ہر موجود معلول ہے بلکہ ان کا دعویٰ جو نہایت مضبوط اور مستحکم ہے وہ یہ ہے کہ "ہر متغیر حادث" ہے اور "ہر حادث، محدث کا محتاج" ہے، یا "عالم معلول" ہے اور "ہر معلول، علت کا محتاج" ہے، اور یہ بات ایسی بدیہی ہے کہ اسکا انکار کرنا، گویا عقل کے گلے پر چھری چلانا ہے، ہیوم[1] نے اس دلیل سے تعرض کیا ہے مگر اس بات کا انکار نہین کیا کہ اس معنی مین ہر معلول کے لیے علت ضروری ہے، ڈاکٹر فلنٹ لکھتے ہین یہ معلوم کرنا کوئی مشکل بات نہین کہ یہ دنیا معلول ہے، حادث ہے، محتاج ہے، کیونکہ اشیائے خارجی محسوس ہین، اور جتنی چیزین یا جو چیزین حواس خمسہ کی بنا پر محسوس ہوتی ہین سب حادث ہین، کوئی آلہ یا کلیہ ایسا نہین طیار ہو سکا، جس نے یہ ثابت کیا ہو کہ جن اشیار کا علم ہمین بذریعہ حواس خمسہ ہوتا ہے وہ معلول نہین ہین، سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ دنیا ازلی نہین ہے حادث ہے،

اب جان اسچوارٹ مل نے جسے لاادریت کے علاوہ الحاد (Atheism) بھی مرغوب خاطر تھا، فرمایا ہے "نیچر مین دو عناصر پائے جاتے ہین (Elements) ایک متغیر ہے دوسرا غیر متغیر تغیرات دوسرے عنصر سے وابستہ ہین، اور غیر متغیر عنصر کسی سبب کا نتیجہ نہین ہے، کسی شے کا وہ عنصر جو تبدیل ہوتا رہتا ہے، اسکی ظاہری شکل اور وہ خاصیت ہے جو مختلف اجزا کی کیمیاوی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے، اور تجربہ مین کوئی ایسی شہادت نہین آئی جسکی بنا پر ہم وہ خواص جو متغیر عنصر سے وابستہ ہین، غیر متغیر عنصر سے ملحق کر دین، اس کا جواب سنیے، (۱) مل نے جسے غیر متغیر عنصر کہا ہے، مل نے اُسے معلوم کیا ہو تو کیا ہو، اور کسی انسان نے اب تک اس کا تجربہ نہین کیا، یعنی ہمین اس کا کوئی تجربہ نہین، ہمارا علم بذریعہ آلات صرف عناصر مفردہ تک پہنچا ہے، اور ممکن ہے کہ جنھین ہم بسائط (Elements) خیال کرتے ہین وہ خود تبدیل شدہ صور ہون، لیکن

---

(۱) Hume زبردست مورخ اور فلسفی لاادریہ تھا،

اگر انھین مفرد ہی مانا جاوے تو بھی یہ دعویٰ نہین ہو سکتا کہ انکی موجودہ صورت، آخری صورت ہے جس مین تبدیلی کو راہ نہ ہوگی، اب مانا کہ آکسیجن مین صرف آکسیجن کے ذرات، یا اجزا پائے جاتے ہین؟ تاہم کسی انسان نے اُن کے اس حصہ کو جو غیر متغیر ہے، محسوس نہین کیا، اب مِل کے ہمنوا اس بات پر غور کرین کہ

اگر نیچر سے باہر ایک خارجی سبب کا ماننا تجربہ کے دایرہ سے باہر ہے تو نیچر مین ایک غیر متغیر عنصر کا ماننا بھی کچھ کم خلاف عقل و تجربہ نہین ہے،

(۲) اور اگر ہم مِل کی خاطر سے یہ مان بھی لین کہ مادہ مین ایک غیر متغیر عنصر پایا جاتا ہے، تو بھی وہ عنصر، موجودات کی شرح نہین کر سکتا، اسلیے کہ موجودات مین عقل و حکمت کے آثار پائے جاتے ہین، اور مادہ بحیثیت مجموعی بے وقوف ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ تمھارے اعتراض سے یہ معلوم ہوا کہ خدا کے ساتھ مادہ بھی ازلی ہے،

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک ازلی صاحب عقل و شعور، اور فاعل مختار، قادر مطلق ہستی تسلیم کر لیجاوے تو پھر یہ ماننا کچھ مشکل نہین ہے کہ نہ صرف اس نے اشیاء کو مختلف صورتین عطا کین، بلکہ خود ان کے ہیولیٰ کو بھی پیدا کیا، جو شخص لاکھون ذرات کو ازلی ہستیان، مستقل بالذات مانتا ہے وہ ایک واجب الوجود قادر مطلق کو قبول کرنے کی بہ نسبت کہین زیادہ مشکل مین گھرا ہوا ہے، اگر خدا خالق نہین تو پھر وہ قادر مطلق بھی نہین،

(۳) مادہ کی نسبت جس قدر خیالات حکماء نے پیش کئے ہین ان مین سے کوئی ایسا نہین جو اس کی ازلیت کو ثابت کر دے، بلکہ سائنس کے جدید نتائج ثابت کرتے ہین کہ ہر ذرہ مصنوع اور مخلوق ہے، مثلاً سرجان ہرشل[۱] لکھتا ہے، عجب سے نیچر کا بازار گرم ہوا ہے، اس وقت سے

---

[۱] سرجان ہرشل (Sir J. W. Herschel) انگریزی علم ہیئت و نجوم کا ماہر (۱۸۷۱ – 1792)

ے کہ آج تک اس کے کسی عمل نے مادہ مین کسی طرح کا فرق پیدا نہین کیا، پس ہم نہ ان ذرات کے وجود کو کسی نیچرل سبب سے منسوب کر سکتے ہین اور نہ اُن خواص کو جو یکسان ہین، بلکہ ذرات کی یکسانیت ثابت کرتی ہے کہ اُسے کسی صانع کی حکمت نے ایسا بنایا ہے جیسا کہ وہ ہے"

(۴) ضمیر (Conscience) کی گواہی،

دنیا مین نہ صرف ترتیب اور تجویز کے آثار پائے جاتے ہین، بلکہ ایسی طاقتین بھی کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہین، جو (Moral forces) اخلاقی طاقتین (یا نیکی بدی کا قانون) کہلاتی ہین، اس دنیا مین اخلاقی قوانین، اخلاقی جذبات، اخلاقی خیالات اور اعمال پائے جاتے ہین اور ان مین وہ ترتیب دکھائی دیتی ہے جو نیکی اور بھلائی پر دلالت کرتی ہے، زمانۂ حال کے فلاسفہ نے اس دلیل کو جو ہماری مارل نیچر (Moral nature) پر مبنی ہے بہت مؤثر اور کارآمد اور تسلی بخش مانا ہے، دنیا کا مشہور فلاسفر امیونیل کینٹ کی رائے مین یہ دلیل خدا کی ہستی پر روشن ترین دلیل ہے، اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی ملحد اُسکی تردید واقعی نہین کر سکتا، خدا تعالیٰ، ہمارے حسِ اخلاقی (Moral sense) کا اصول موضوعہ (Postulate) ہے ہمارے ضمیر کا تقاضا یہ ہے کہ ایک پاک اور اخلاقی صفات سے متصف ہستی موجود ہے، جس نے نیکی اور بدی کا قانون دنیا مین نافذ فرمایا ہے،

اسی طرح سر ولیم ہملٹن[1] لکھتا ہے، "خدا کی ہستی اور انسان کے غیر فانی ہونے کے متعلق فقط وہی دلائل سچے اور لاجواب ہین، جو انسان کی مارل نیچر پر مبنی ہین" جو احساس اخلاقی طبیعت کے متعلق ہماری سرشت مین پایا جاتا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نہ صرف اس دنیا مین اخلاقی قوانین پائے جاتے ہین بلکہ ان کا واضع بھی موجود ہے۔

---

[1] سر ولیم ہملٹن، اسکاٹلینڈ کا بڑا منطقی اور فلسفی،

نیکی اپنی ماہیت اور خاصیت مین بدی سے جدا ہے، دنیا مین کوئی زبان ایسی نہین جس مین واجب جائز، مناسب، اور لازم اپنے اندر سنجیدہ مفہوم نہ رکھتے ہون، کوئی سوسائٹی ایسی نہین جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ نیک و بد کا امتیاز محض واہمہ سے پیدا ہوا ہے یا لوگون کے رسم ورواج سے نکلا ہے کوئی مذہب ایسا نہین جس نے نیکی اور بدی کے فرق کو نظر انداز کر دیا ہو،

اس کے ساتھ ہی ضمیر انسانی بھی ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہین ہوسکتا، جو نیکی اور بدی مین امتیاز کرتا ہے، کوئی شخص اپنے ضمیر کی رو سے ضمیر کی واقعیت کا انکار نہین کرسکتا، اگر ہم کہین کہ ضمیر کوئی شے نہین تو ہمارا ضمیر فوراً ہمین جھٹلاتا ہے، ہمارا دل کہتا ہے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہین، جب تک ہم اپنے آپ کو دھوکہ نہ دین ضمیر سے انکار نہین کرسکتے،

ہمارا ضمیر اخلاقی قانون پر گواہی دیتا ہے، جب وہ کسی فعل کو راست قرار دیتا ہے تو گویا یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ فعل اخلاقی قانون سے مطابقت رکھتا ہے، جو کچھ ہم کرتے ہین ضمیر اسکے متعلق منصف کا کام کرتا ہے، وہ فیصلہ کرتا ہے کہ فلان کام جائز ہے یا ناجائز، ضمیر انسان کا بنایا ہوا قانون نہین، اس کے معنی یہ ہونگے کہ انسانی مرضی، انسانی مرضی پر حکومت کرتی ہے، یعنی وہ خود ہی حاکم ہے اور خود ہی محکوم ہے، خود ہی آزاد ہے اور خود ہی غلام ہے، خود ہی غالب ہے خود ہی مغلوب ہے، ضمیر کا قانون غیر کی مرضی سے نسبت رکھتا ہے، جس مرضی کا ضمیر مظہر ہے وہ اکثر اوقات ہمارے ارادون کے خلاف حکم کرتی ہے، وہ ضمیر کے وسیلہ ہم سے خطاب کرتی ہے، ہم پر حکومت کرتی ہے، اگر وہ مرضی خدا کی مرضی نہین تو پھر کسکی مرضی ہوسکتی ہے؟

ہماری تمام طاقتین، جنکا تعلق ضمیر کے ساتھ ہے جو نیک و بد کی شناخت سے علاقہ رکھتی ہین، اور جن سے فرض کی پہچان پیدا ہوتی ہے، ہم پر یہ بات ظاہر کرتی ہین کہ ہم ایک طاقت کے روبرو جوابدہ ہین، اپنے افعال کے ذمہ دار ہین، ذمہ داری کا احساس جو ہم مین

پایا جاتا ہے وہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک زبردست اخلاقی طاقت موجود ہے جس کے حضور ہم سب جوابدہ ہین، ارتکاب گناہ سے ندامت، اکتساب نیکی سے خوشی، بدی کے نتائج سے خوف، اعمال حسنہ کی جزا کی امید سے شادمانی یہ سب احساسات جنکا انکار نہین ہو سکتا، ملکر ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہین جس کے ساتھ بنی نوع آدم کا شدید تعلق ہے، جو احکم الحاکمین اور مالک یوم الدین ہے،

ارتکاب جرم سے جو ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے اس سے بچنے کی پناہ الحادمین بھی نہین ملتی، بسا اوقات انسان، دوسرے انسان سے، اتنا نہین ڈرتا، جس قدر وہ اس غیر مرئی عادل سے ڈرتا ہے جسکی ہستی پر اس کا ضمیر گواہی دیتا ہے، اس کا کیا سبب ہے کہ بعض اعمال مین سوسائٹی کوئی مواخذہ نہین کرتی لیکن ان اعمال کے ارتکاب کے بعد ہمارے دلون کو چین نہین ملتا، ہم کیون ڈرتے اور بے چین ہوتے ہین؟ اگر خدا نہین ہے تو پھر نیکی اور بدی مین امتیاز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب مواخذہ ہی نہین تو مواخذہ کا خدشہ کیسا؟ ایک شخص نے چوری کی، چوری ضرور برا کام ہے لیکن سوسائٹی کے علم مین نہین، اب وہ کس سے ڈرتا ہے؟ جب کسی کو معلوم ہی نہین تو خوف کیسا؟ اس کا دل، اس فعل پر اُسے ملامت کیون کرتا ہے؟ جب مرنے کے بعد کوئی جوابدہی نہین تو، فکر کیسی؟

اگر کوئی یہ کہے کہ سوسائٹی نے نیکی اور بدی کا قانون بنا دیا ہے اسی لیے انسان اس کے مطابق کرتا ہے، تو اس جواب سے وہ مشکل حل نہین ہوتی جو ہم نے پیش کی ہے، یعنی سوسائٹی چوبیس گھنٹہ کسی انسان کے پیچھے نہین لگ سکتی، اور جب وہ بند کمرے مین گناہ کرتا ہے تو وہان اُسے کوئی نہین دیکھتا، نہ افشائے راز کا خوف ہوتا ہے مگر انسان نادم ہوتا ہے، اور ڈرتا ہے اس وقت یہ خیال نہین ہوتا کہ سوسائٹی مجھے ملعون کرے گی، اسی طرح آسائش زندگی حاصل

کرنے کے بجائے ایک شخص سوسائٹی کی پروا نہین کرتا اس کے فتاوی سے نہین ڈرتا، اور اپنے کو خطرہ مین ڈالنا پسند کرتا ہے محض اس بات کی خاطر جسے وہ اپنا فرض سمجھتا ہے، بخوشی اپنی گردن جلاد کے حوالہ کر دیتا ہے، جس طرح گناہ کے معاملہ مین وہ سوسائٹی سے ڈرتا ہے اسی طرح اس معاملہ مین اسے سوسائٹی سے ڈرنا چاہیئے تھا، لیکن اب وہ سوسائٹی کی پرواہ نہین کرتا آخر کیون وہ اپنی جان شیرین سے ہاتھ دھوتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ سوسائٹی کے علاوہ ایک زبردست اخلاقی قانون کی پابندی پسند کرتا ہے اور اس سے انحراف کرنا ناجائز سمجھتا ہے، یہ جذبہ اس مین کہان سے پیدا ہوا؟ کوئی سوشل قانون تو ہمین نقصان اٹھانے کے لیے مجبور نہین کر رہا، پھر کیون ہم جان دینا پسند کرتے ہین؟

ڈاکٹر فلنٹ[1] کہتا ہے، کوئی شخص یہ ثابت نہین کرسکا کہ ضمیر انسانی محض خیالون اور رسمون کا نتیجہ ہے، مل، بین، اسپنسر اور ڈارون[2] ان مین سے کوئی یہ نہ دکھا سکا کہ ضمیر لوگون کے بنائے ہوئے قانون کا نام ہے اول تو لوگون کے بنائے ہوئے قوانین ہر ملک و قوم مین جدا جدا ہین لیکن نیکی اور بدی کا قانون سب جگہ یکسان ہے، یہ یکرنگی کہان سے آگئی؟ تمام دنیا اس پر کیسے متفق ہوگئی کہ چوری، ڈاکہ، جھوٹ بولنا، زنا کرنا، سب بری باتین ہین، اس کے علاوہ جب ہم سوسائٹی کے ہاتھون جرم کی سزا بھگت لیتے ہین پس چاہیئے کہ جرم کی سزا بھگتنے کے بعد ہم خوش و خرم ہون اور ہم محسوس کرین کہ اب ہم بے داغ اور پاک ہین، لیکن ندامت کا اثر زائل نہین ہوتا، اکثر اوقات قبر تک ساتھ رہتا ہے، پھر بعض سوسائٹیان، زنا کے لیے کوئی سزا مقرر نہین کرتین انگریزی عملداری مین رات دن، زنا، ہوتا ہے، ہر شخص کو مجاز ہے کہ جس قدر

---

[1] ([illegible]) اسکاٹلینڈ کا فاضل متبحر اور عالم الہیات، اسکی دو کتابین [illegible] اور (ANTI THEIOUS) مشہور ہین۔

[2] (C. Darwin) ڈارون مسئلہ ارتقا کا موجد اور سائنس [illegible] جس کی شرح حضرت [illegible] آبادی نے [illegible] کی ہے۔

چاہے زنا کرے کوئی روک ٹوک نہین، اور سوسائٹی کے بہت سے افراد اس فعل کے مرتکب ہوتے ہین لیکن فعل زنا کا جرم قرار نہ دیا جانا، اُسے ہماری نظر مین مستحسن نہین بنا دیتا، زنا بہرحال گناہ اور بدی ہے، پھر ہم کس سے ڈرتے ہین؟ اور کیون اُسے جائز نہین سمجھتے؟ معلوم ہوا کہ سوسائٹی کے علاوہ ایک اور قوت بھی موجود ہے، اگر ضمیر کی قوۃ ہماری پیدا کردہ ہوتی تو ہم اسے خواہ حاصل کرتے خواہ نہ کرتے، اور جب چاہتے اُسے دل سے نکال دیتے، لیکن، ضمیر کی آواز کم وبیش ہر شخص کے دل مین موجود ہے اور اگرچہ ہم اُسے کتنا ہی ضعیف کیون نہ کردین، مگر اسے بیخ وبن سے نہین اکھاڑ سکتے، ضمیر ہماری مرضی کا ماتحت نہین، بلکہ ہم اس کے ماتحت ہین، ضمیر کوئی شے اختیاری نہین، کہ جب چاہا اختیار کیا جب چاہا ترک کردیا، ہم سب ضمیر کے محکوم ہین، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا مبدأ ہماری عقل نہین ہے، نہ ہماری ذہنی قوتون کا پیدا کردہ ہے ضمیر تمام معاملات مین اخلاق کا بلند ترین معیار (CRITESIM) ہے اور یہ معیار اس ذات نے ہمارے اندر کیا ہے جو کمال مطلق اور عدل مطلق اور خیر مطلق ہے، اسی کو خدا کہتے ہین، مسرو کہتا ہے "عقلائے جہان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دل (قانون اخلاقی) یعنی ضمیر کسی انسان یا کسی قوم نے وضع نہین کیا، بلکہ وہ ازلی خدا ازلی قانون ہے، جسکی پابندی تمام دنیا پر عاید کیگئی ہے، اس کا مبدأ اول خدا ہے" چنانچہ اسی بنا پر کینٹ خدا کی ہستی کا اثبات، کرتا ہے، وہ کہتا ہے" نیک انسان کے لئے لازمی ہے کہ خوش ہو لیکن اس دنیا مین اکثر اوقات، نیکی کا اور خوشی کا ساتھ نہین ہوتا، لہذا ضرور ہے کہ ایک ایسی ہستی موجود ہو جو آیندہ زمانے مین، اخلاق کی پابندی پر جزائے خیر مرتب کرے، اور وہ ہستی خدا ہے جو اخلاق کا سرچشمہ ہے"

ہم نے لمبے دلایل پیش نہین کیے، کیونکہ اس پر علحدہ مضمون لکھنا چاہتے ہین، اگر انھین بھی شامل کرتے تو بہت طول ہوجاتا، اور تاریخی یعنی (THEOLOGICO. HISTORICAL) دلائل بھی پیش نہین کئے اس لیے کہ وہ جداگانہ نوعیت رکھتے ہین، ایک شخص جو خدا ہی کو نہین مانتا، اس

بات کو کب ماننے لگا کہ وہ لوگون سے باتین بھی کرتا ہے، ہان جب دلائل عقلی اسے اس بات پر مجبور کرین کہ "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری مین" تب یہ نقلی دلائل بھی مفید ہو سکتے ہین، جس مین لوگون کے مشاہدات اور واردات، انبیا کے حالات، انکی زندگی اور تجربات وغیرہ بنی نوع آدم کا سالہا سال کا مذہبی تجربہ اور انکی مسلسل روحانی زندگی، وغیرہ شامل ہین،

ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ دہریہ کا یہ کہنا کہ خدا نہین ہے، حقایق نیرہ سے آنکھین بند کرنا ہین، اور ان کے اوراق کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ بفضلہ تعالیٰ ہم اس مین کامیاب ہوئے ہین، اس بات کو بخوبی دکھا دیا ہے کہ خدا کے ماننے بغیر چارہ نہین، اب یہ اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے کہ جسے خدا مانو وہ عاقل ہو یا لاتعقل،

اب ہم مسٹر میٹلینڈ کے قول کو پیش کر کے مضمون کو ختم کرتے ہین:۔

"اگر دنیا مین الحاد کے پیرو زیادہ ہوتے یعنی تمام دنیا ملحد ہوتی اور خدا کی ہستی کا خیال ایک نئی تعلیم یا بدعت کے طور پر سامنے آتا، اور کفر و الحاد کی عالمگیر حکومت کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرتا تو اس حالت مین یہ بات قرین انصاف ہوتی کہ بار ثبوت، معتقدان (ذات باری) خیال جدیدہ یا نوزائیدہ کے ذمہ ہوتا، لیکن معاملہ بنوع دیگر ہے، خدا کی ہستی کا اعتقاد، کوئی جدید تعلیم نہین ہے، جب سے دنیا قائم ہوئی ہے، اس وقت سے خدا پرستی موجود ہے، پس خدا کی ہستی کا اعتقاد، ہمیشہ سے انسان کے دل و دماغ پر مسلط چلا آرہا ہے، اب اگر کوئی اکا دکا منچلا آدمی کوئی نئی تھیوری پیش کرتا ہے یعنی خدا کا انکار کرتا ہے تو بار ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ وہ خدا کا نہ ہونا بدلائل عقلیہ ثابت کرے" اور جب وہ خدا کا انکار کریگا تو انکار کی لعنت کا عجیب حقیقت ہے، خدا کی جگہ جو قابل پرستش ہو وہ، ایسے وجود یا خیال کو ماننے پر مجبور ہوگا جو لائق نفرت ہو مثلاً حیوان معبود خور بارہ، یا مطلق وجود یا نظام عالم یا خود کائنات اور یہ بیوقوفی منکر سے اسلیے سرزد ہوگی کہ اس نے عقل کو پس پشت ڈالدیا،

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة، انك انت الوهاب۔

ایک خطبۂ علمیہ

ابو العلاء معرّی کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیان

(۲)

از جناب مولانا میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی، ادیب اورنیٹل کالج لاہور،

(۱۹) ابو احمد عبد السلام کی بابت فرماتے ہین کہ اس نے ابن السیرافی کے لیکچر سنے تھے جس کو آپ نے چھوٹے سیرافی کے نام سے یاد کیا ہے،

یہ سراسر غلط ہے اس لیے کہ ابو احمد سیرافی کے شاگرد تھے نہ کہ ابن السیرافی کے، جس طرح آئندہ حکایت بالتصریح دلالت کرتی ہے،

اصلاح المنطق[1] کے ایک نسخہ سے منقول ہے کہ ابو العلاء المعری کہتے ہین کہ مجھ سے عبد السلام البصری نے کہا (جو بغداد کے دار العلم کے لائبریرین اور میرے مخلص دوست تھے) کہ مین ابو سعید سیرافی کی مجلس مین اس وقت حاضر تھا جبکہ قاری اونکے اصلاح المنطق لابن السکیت پڑھتے ہوئے اس بیت پر پہنچا

ومطویّۃ[2] الا قراب اما نهارها   فسبت واما لیلها فذمیل

تو ابو سعید بولے اسکو مطوّیۃ بالکسر بنالو کہ یہ واؤ رُبّ ہے، مین نے کہا ایّها الشیخ! پہلا شعر تو اس بات

[1] ابن خلکان ۱: ۵۰۰، [2] اوبار یک کمر والی سانڈنی جو شب و روز بلکی دھیمی تیلی چال چلتی ہو،

پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بالرفع ہو اور وہ یہ ہے کہ

اتانٹ بی اللہ الذی انزل الھدیٰ ونورٌ واسلامٌ علیک دلیل

دمطویتہ الخ تو انھون نے بالرفع بنوایا، اس موقع پر اون کے صاحبزادہ ابومحمد (ابن السیرافی) حاضر تھے وہ بگڑے اور فوراً اٹھکر اپنی گھی کی دکان فروخت کرکے طلب علم کی طرف متوجہ ہوئے تاآنکہ وہ جلیل القدر فاضل بنگئے اور اصلاح المنطق کی شرح طیار کی، ابوالعلاء کہتے ہین مجھے اس شخص نے کہا جس نے انھین یہ شرح لکھتے ہوئے دیکھا تھا کہ اس کی تصنیف کے وقت ان کے پیش نظر چار سو کتابین تھین، یہ اشعار تہذیب الاصلاح ج ۲ کے نسخہ مطبوعہ کے ص ۱۵۱ پر واقع ہین، یون بھی عبدالسلام اور ابن السیرافی قریباً ہم سن تھے

(۲۰) کہتے ہین کہ ابوالعلاء کو اس کے ماموں (ابوطاہر) نے شرح کتاب سیبویہ للسیرافی کے نقل کرانے کے لیے لکھا جبکہ ابوالعلاء بغداد مین تھا الخ،

مارگولیوتھ صاحب کی یہ وہ فاش اور مہمل غلطی ہے جس نے رسائل کے دسوین اور سوانح کے بیسوین حصہ کا ستیاناس کر دیا ہے، اسی بناپر وہ ابوبکر احمد (کذا) درست محمد ہے دیکھو رسائل ص ۱۲۵ الصابونی کو ابوالعلاء کے بغدادی احباب مین شمار کرتے ہین، اور پھر رسائل ۲ ، ۱۰ ، ۱۵ کے تراجم مین بری طرح خبط کر دیا ہے، تعجب ہے کہ ہمارے مصری نابینا عالم ادیب ڈاکٹر طہٰ حسین نے بھی چشم بصیرت وا نہ کی اور اندھا دھند مارگولیوتھ کے پیچھے ہو لئے،

اس غلطی کا منشا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عنوان رسالہ نمبر ۱ کے یہ الفاظ ہین "وکتب الی ابی طاہر المشرف بن سبیکۃ وھو یومئذ ببغداد یذکر لہ امر شرح السیرافی وماجری فیہ من التعب"

ممکن ہے کہ یہ غلطی جامع رسائل کی ہو جس طرح خود مارگولیوتھ نے اوسکو غلطی سے ایک اور جگہ نسبت دی ہے لیکن جامع کی بہ نسبت خود مارگولیوتھ صاحب غلطی سے نسبت دیئے جانے کے کہین زیادہ اہل ہین

ملہ بھائی تم تک رہنما لایا ہے جیسے ہدایت اتاری ہے اور نور اور اسلام جنھنے تم تک میری راہنمائی کی ہے سلہ ص ۲۵، کلہ ص ۲۲، کلہ ذکری ص ۱۴۲

کو صرف اس زعم پر کہ ابو العلاء کی رحلت بغداد ثابت ہو انھون نے بتقاضائے ظاہر مضامین محتویہ سے آنکھین بند کرکے ہو کی ضمیر کا مرجع ابو العلاء کو گردانا ہے، نحاۃ نے کیا خوب کہا ہے کہ ضمائر مبہمات مین سے ہین میری رائے تو یہ ہے کہ بجائے معارف کے اونکو نکرات مین شمار کیا جائے تاکہ پھر قلیل البضاعۃ لوگ ایسی غلطیون سے محفوظ رہین،

مگر جائے حیرت ہے کہ مارگولیوتھ یہ بھول گئے ہون کہ یہ چارون رسائل متعلقہ شرح ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳، ایک ہی سلسلہ مین منسلک ہین اور عنوان رسالہ ۱۲ و ۱۳ مین یہ تصریح موجود ہے کہ خود ابو طاہر بغداد سے واپس آئے تھے، حالانکہ مارگولیوتھ تو ان کو حلب مین ٹھہلا کر ان کے ہاتھون ابو العلاء کی طرف یعنی بغداد کیطرف شرح کے لیے خط لکھوا رہے ہین، یہی نہین بلکہ مضامین کی طرف مطلقًا توجہ نہین کی رسالہ ۱۰ مین ہے کہ "آپ نے جو نسخہ کے تحصیل کی کیفیت لکھی ہے اوسکو مین سمجھ گیا۔۔۔۔ آپ بڑے مہربان ہین اور مین ناحق بارخاطر بنتا ہون، آپ نے حسب معمول کرم کیا، اور مین ناحق لعبد ہوا" اسی رسالہ مین ابو عمر و استرابادی کا تذکرہ ہے جنکی طرف اسی مطلب کے لیے رقعہ ۱۱ لکھا گیا ہے اگر ابو العلاء خود بغداد مین ہوتا تو ابو عمرو کی طرف رقعہ کیون بھیجتا، پھر رسالہ ۱۱ کے اختتام پر ہے "مین آپ کی طرف وہ سلام بھیجتا ہون جس سے کاغذ معطر اور آپ کے خشک راستے سرسبز ہو جائین" مین مارگولیوتھ ہی کے جواب پر قانع ہون اس لیے وہی بتائین کہ خشک راستے مقیم کے ہوتے ہین یا مسافر کے، رسالہ ۱۲ مین جسکے عنوان مین ابو طاہر کے بغداد سے واپس آنے کا تصریحًا ذکر ہے ابو العلاء لکھتا ہے "براہ کرم مجھے یہ تو بتائیے کہ میری فرمائش پر آپ نے کتنی رقم صرف کی ہے تاکہ مین فورًا ارسال کردون کہ اگر مین خود بھی موجود ہوتا تب مجھے آپ کے برابر کبھی مطلب برآری مین کامیابی نہ ہوتی" العجب ثم العجب مین جمادی و رجب کہ جب نفس رسالہ اور اوس کے عنوان ہر دو مین ابو طاہر کے بغداد سے واپس آنیکا ذکر ہے تو مارگولیوتھ صاحب ابو العلاء کو کیون بغداد بھیج رہے ہین؟ ابو العلاء نے رحلت بغداد مین

اپنے ماموں کے جہاز پر سفر کیا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دریائے فرات میں ایک مخصوص جہاز اپنے تجارتی اغراض کی خاطر ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے، جس کا بظاہر مارگولیوتھ نے یہ مطلب سمجھا ہو کہ ابو العلاء کے لیے یہ جہاز عمداً مہیا کیا گیا تھا جسکا کوئی ثبوت نہیں نیز عقلاً بھی یہ خیال بے معنی ہے کہ ایک شخص اپنے اس سفر کے لیے جس سے وہ واپسی کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو جس طرح مارگولیوتھ کو بھی تسلیم ہے ایک مستقل جہاز بنوائے، ابو العلاء اپنے ماموں کی دائمی سیاحت کے متعلق کہتا ہے،

کان بنی سبیکة فوق طیر　　　یجوب بہم الغوائر والنجادا

ابالاسکندر الملک اقتدیتم　　　فما تقصرون فی بلد وسادا

یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ بیچارہ غریب ابو طاہر جو بجز تجارت کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا شرح سیرافی کو جو نحو کی انتہائی کتاب ہے کیا کرتا؟ ہاں ابو العلاء کو بیشک اوسکی سخت ضرورت تھی کہ وہ ابھی ابھی تصنیف ہوئی تھی اور ہنوز شام میں اس کے نسخے عام طور پر نہیں ملتے تھے، سو ناگزیر ہے کہ شرح کے لیے ابو العلاء نے اپنی رحلت بغداد سے بیشتر ابو طاہر کو لکھا ہو، ورنہ بغداد میں تو اس شرح کے بیسیوں نسخے دیکھے ہونگے جس طرح وہ اس کے کثیر نسخوں کے بغداد میں پائے جانے کا خود ہی ذکر کرتا ہے، اور یوں بھی بغداد سے واپس ہو کر ابو العلاء کو کتب نحو کا اتنا شوق نہ رہا تھا جس طرح لزوم میں خود ہی کہتا ہے (ملاحظہ ہو ہماری کتاب) اگر یہ کہا جائے کہ بغیر سابقہ ملاقات کے وہ ان اصحاب کو شرح کی تحصیل کی زحمت کیونکر دے سکتا تھا تو ہم یہ کہیں گے کہ قبل از رحلت بغداد ابو العلاء کے اہل بغداد سے دوستانہ تعلقات موجود تھے (ملاحظہ ہو اس کا رقعہ[1] قاضی ابو الطیب کی طرف) یہ بات[2] مارگولیوتھ کو بھی تسلیم ہے کہ بغداد میں ابو طاہر کے بہت سے احباب تھے جنھیں ہمیشہ وہ بذریعہ خطوط ابو العلاء کی خاطر و مدارات کی تاکید کرتا رہتا اور یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابو طاہر عموماً

[1] رسائل ص ۹۰ ... وکانت عنده کتب العلم بمدینة السلام کثیر العدد لا یسقط ... [2] رسائل ص ... (۱۳)

بغداد آیا جایا کرتا تھا،

(۲۱) کہتے ہین کہ ابوالعلاء جب بغداد جاتے ہوئے دریائے فرات مین کشتی پر سوار ہوا تو اتفاقاً ایک کشتی صحیح وسلامت پہنچ گئی جہان سے ایک اور نہر دریائے دجلہ سے جا ملتی ہے اور بغداد پہنچاتی ہو مگر چونکہ یہ راستہ اس موسم مین ناقابل سفر تھا اس لیے کسی اور راہ (؟؟؟!) سے قادسیہ پہنچی ۱۶؎

مارگولیوتھ صاحب کی تحریر مین اس سے بڑھ کر حیرت انگیز اور مضحکہ خیز غلطی شاید اور کوئی نہ ہو؛ بھلا قادسیہ سے جو بادیہ مین واقع ہے اور کوفہ سے ایک مرحلہ پر ہے کشتی سے کیا سروکار، کیا یہان بھی یورپ کے آلات جر ثقیل کی مدد سے کشتی کو خشکی پر چلا دین گے، بہت اچھا مگر اس خشکی کے شہر پر ٹیکس وصول کرنے والے کہان سے آئے کہ وہ تو بندرگاہون پر متعین ہوتے ہین کیا انھین وائرلیس کے ذریعہ یہ اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ابوالعلاء کی کشتی قوت اعجاز کی مدد سے خشکی پر چلنے والی ہے،

یہ لفظ قارسیہ ہے بالفاء والراء جو نہر عیسیٰ کے کنارے محوّل کے بعد بغداد سے دو فرسنگ کی مسافت پر ایک گاؤن ہے، تبریزی کی شرح السقط مسمی ایضاح السقط وضوئہ مین یہ لفظ اسی طرح بالفاء والرا ہے، یہان قادسیہ کا نام ایک گاؤن جو سامرا کے قریب نہر دجیل پر واقع ہے مراد نہین لیا جا سکتا کہ جب ابوالعلاء کے لیے یہ ممکن ہے کہ بغداد کے ایک قریبی سٹیشن پر اتر سکے تو دور جانے سے کیا فائدہ!

افسوس کہ ڈاکٹر طٰہٰ نے بھی مارگولیوتھ کی کورانہ پیروی کی ہے دیکھو ذکری ص ۱۳۱۔

اشتباہ کا باعث سقط کے یہ دو بیت ہین۔

سارت فسارت بنا کالبار سالمة　　تزجي وتدفع في موج ودفاع

والقادسية اذ تهنا اسـے لنفق　　طافيا بها فاناخ مابجماع

تمام نسخ سقط اور طبعۂ تنویر مین بھی یہ قادسیہ ہی ہے اور یہ تصحیف وتحریف کوئی آجکی نہین۔ بلکہ اب کوئی ساڑھے آٹھ سو سال پیشتر شیخ برہان الدین ابوالمظفر ناصر الدین ابن ابی المکارم عبدالسید مطرزی بھی

۱۶؎ ص ۱۰۰،

دجو سقط کو اپنے والد سے اور وہ ابوالمکارم الابہری سے جو ابوالعلار کے مشہور ترین شاگرد ہین روایت کرتے ہین) اسی تحریف مین مبتلا ہوگئے تھے، حتی کہ ایک فاضل نے اونھین ٹوکا کہ حضرت یہ الغارسیہ ہے نہ کہ القادسیہ مگر جب وہ بضد ہوئے تو وہ اونکو خوارزم کے ایک علامہ کے پاس لے گیا جس نے اس فاضل کے حق مین فیصلہ کیا، غلطی تو بارع سے بھی سرزد ہوئی تھی مگر انھون نے ابوالعلار کے جہاز کو کشتی پر چڑھانے کی جانکاہ زحمت نہ اٹھائی، یہ مہم مارگولیوتھ صاحب ہی نے سر کی،

(۲۲) یہ امر مسلم ہے کہ ابوالعلار کے ایک لائبریرین ابومنصور نامی سے دوستانہ تعلقات موجود تھے جنکا ثبوت رسالہ ۱۹ سے ملتا ہے جس مین علاوہ طول طویل دوستانہ اشتیاق کے اس امر کا بھی اظہار ہے کہ مین نے ایک لزومیہ قصیدہ بحر طویل مین بھیجا تھا نہ معلوم وہ پہنچا یا نہین ؟،

یاقوت اور ابن حجر دونون بزرگون نے ابومنصور محمد بن احمد بن طاہر بن حمد الخازن کا ترجمہ دیا ہے جو تنوخی صغیر کے تلمیذ تھے اور انکی ولادت ۴۱۸ھ مین اور وفات ۵۱۰ھ مین واقع ہوئی تھی، یاقوت نے غرس النعمۃ کی کتاب سے ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے کہ شاپور بن ازدشیر وزیر بہارالدولۃ دیلمی کے کتب خانہ مین ابومنصور نامی ایک لائبریرین متعین تھے، شاپور کی وفات کے ایک ایک عرصہ کے بعد کتبخانہ کی سرپرستی شریف مرتضی سے متعلق ہوئی انھون نے ابومنصور کے ساتھ ابو عبداللہ ابن حمد کو متعین کیا، ابو عبداللہ آفت کا پرکالہ تھا ہمیشہ ابومنصور کی تضحیک کی فکر مین رہا کرتا حتی کہ اس نے ابومنصور سے کہا کہ حضرت کتابین تو اب تباہ ہوگئین، وہ بولے کیون ؟ کہا پسّوون کی خباثت سے لہذا آپ فوراً سید مرتضی کو اطلاع دین تاکہ وہ آپ کو پسّوون کے فنا کرنے کی دوا دین جو ان کے ہان ہمیشہ تیار رہتی ہے، یہ بھولے بھالے فرشتے لپکے ہوئے سید مرتضی کے ہان اُدھر گئے اور مودبانہ طور پر ماجرا عرض کیا، اس پر مرتضی نے کہا اُرے پسّوون سے! ارے پسّوون سے! خدا ابن حمد کو سنوارے اسے ہمیشہ شرارت و تمسخر ہی کی سوجھتی ہے آپ جائین اور آیندہ

بھی ابن حمد کی نہ سنین"، یاقوت نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس مین ابن حمد کی کنیت بجائے ابو منصور کے ابو عبداللہ بتائی گئی ہے، نیز اس پر کہ ابن حمد کی ولادت ۳۱۸ھ مین ہوئی ہے، اور مرتضیٰ کی وفات ۳۳۶ھ مین سو ابن حمد تیرہ چودہ سال کی عمر مین کیونکر اس عہدۂ جلیلہ پر متمکن ہو سکتا تھا،

اب ذرا مارگولیوتھ صاحب کے چار دعوے سنیے جو حیرت انگیزی مین اپنی آپ ہی نظیر ہین

(ا) علاوہ رسالہ ۱۹ کے سقط کا طائیہ قصیدہ جس کا عنوان "بنام خازن دار العلم بغداد" ہے انھین کو مخاطب کرتا ہے اور (ب) رسالہ ۱۹ مین جس قصیدہ کے ارسال کا ذکر ہے اس سے یہی طائیہ مراد ہے (ج) ابو العلاء کا ابو منصور وہی ہے جس کا یاقوت نے بنام محمد بن احمد الخ ترجمہ دیا ہے،

(د) یاقوت کا تعدد کنیت پر شک ظاہر کرنا سراسر وہم ہے،

یہ تھا دعاوی فارغہ کا مجموعہ، حیرت ہے کہ ان مین نہ عقل سے کام لیا گیا ہے اور نہ علم سے بھلا جب وہ ادبار مین اپنی آنکھون سے اس کا سنہ ولایت ۳۱۸ھ کو دیکھ رہے ہین اور پھر خود ہی مقدمہ مین لکھتے ہین کہ ابو العلاء بغداد مین اس ابو منصور سے ملا تھا بسنہ ۳۹۹ھ تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی ولادت سے ۸۱ سال بیشتر کم از کم جوان ہو کر ابو العلاء کا دوست بنا ان ھذا لا اختلاق سقط کا طائیہ رسالۂ ۱۹ کے مذکورہ لزومیہ سے کیونکر مراد ہو سکتا ہے؟! کہ طائیہ سقط مین ہے جس مین لزوم کے دو شعر بھی نہین ہین، رہا طائیہ کا مخاطب تو ابو منصور کے بجائے ابو احمد عبد السلام کا ہونا کہین زیادہ قرین قیاس ہے جنکا ابو العلاء کی تالیفات مین بار بار ذکر آیا ہے اور یاقوت کو وہم سے نسبت دینا محض خالی خولی دعوی کی بنا پر کیونکر روا ہو سکتا ہے، آیئے اب یہ ناچیز نو سو سال کے کثیف پردون کو چشم زدن مین الٹ دیتا ہے وللہ الحمد علی ذلک،

یہان تین تاریخی شخص ہین (۱) ابو العلاء کے دوست ابو منصور خازن دار الکتب القدیمۃ جنکا

سلہ حاشیہ ۴ ترجمہ رسالہ ۱۹ سلہ ،، ،، سلہ حاشیہ معجم الادباء ۶، ۳۵۸، سلہ ،، ،، ۶، ۳۰۰

نام تبصریح ابو العلار محمد بن علی ہے اور جو صاحب اسمٰعیل کی مجلس مین آمد و رفت رکھتے تھے اور بڑے زبردست ادیب و لغوی تھے انھون نے لغة مین الشامل لکھی ہے جو سنہ ۴۱۶ھ مین ان سے پڑھی گئی تھی، اصل مین یہ رے کے باشندے تھے مگر اصفہان مین ایک عرصہ رہے تھے، غرس النعمہ کی حکایات مین ابو منصور سے یہی مراد ہے، (ب) ابو منصور ابن حمد جنکا ترجمہ یاقوت اور ابن حجر نے دیا ہے، ان کو ابو العلار سے ذاتی طور پر کوئی واسطہ نہین ہان ان کے نام کا محمد ہونا نیز ان کے نام کے ساتھ لفظ خازن کا استعمال ہونا یقیناً وہم کا باعث بنا ہے ہم جزماً کچھ نہین کہہ سکتے کہ یہ کس کتبخانہ کے خازن تھے یا سرے سے ان کو خازنی سے نسبت دینا ہی وہم ہے! (ج) ابو منصور ابن حمد کے برادر ابو غالب ابن حمد الخازن ان کا نام بھی بدقسمتی سے محمد ہی ہے،، لیزیگ یونیورسٹی لائبریری مین شعرائی دِعبل کا ایک نہایت قدیم نسخہ محفوظ ہے جس کے اول و آخر کے ورقون پر متعدد ائمہ کے خطوط سماع ثبت ہین، جنمین ان ابو غالب الخازن نے قاضی تنوخی صغیر سے دیوان مذکور پڑھتے ہوئے تمام شرکائے درس علما کے اسامی دیئے جنمین ان کے برادر ابو منصور ابن حمد کا نام بھی بدون لفظ خازن مذکور ہے، کیا یہ ممکن نہین کہ ابو غالب خازن ہو جس طرح ان خطوط مین موجود ہے اور ابو منصور نہ ہو اور اس کو اپنے سابق کے ساتھ اتحاد اسمی کی بنا پر خواہ مخواہ غلطی سے خازن بنا دیا گیا ہو؟ بظاہر غرس النعمہ کا ابو عبد اللہ ابن حمد یہی ابو غالب ہو جس طرح ابو غالب کے لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو منصور ابن حمد کا برادر بزرگ ہے، سو ممکن ہے کہ اسکی دو کنیتین ہون بدین صورت یاقوت کا کم سنی کا اشکال بھی رفع ہو جائے گا کہ ہمنے ابو منصور صاحب ابی العلار کے ساتھ دوسرا خازن اس کمسن کے برادر مہتر ابو غالب کو قرار دیا ہے، فتخلصت ثانیة من قوب واللہ الحمد، خطوط سماع کے فوٹو کے لیے ملاحظہ ہو جرنل آر اے ایس، ۱۹۱۰، ص ۱۰۱، ۱۹۱۱ء مین نے یہ مضمون ایک معقول اضافہ کے ساتھ اپنے مضمون مطبوعہ اورنیٹل کالج میگزین لاہور فروری ۱۹۲۵ء سے لیا ہے،

(۲۳) کہتے ہیں کہ وہ بغداد کے ایک پرانے حصہ سویقہ ابن غالب میں ٹھہرا،

یہ بیان ناکافی اور موہم ہے حاشیہ میں وہم نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے، سویقہ ابن غالب کی تصحیح ہمنے پہلے کر دی ہے یعنی کہ وہ سویقۃ غالب ہے، بیشک ابو العلا بغداد پہنچتے ہی سویقہ غالب میں ٹھہرا تھا جس طرح حکایت ابو الطیب میں موجود ہے مگر پھر مستقل قیام کے لئے شاپور کے دار العلم متصل دار الکتب القدیمۃ میں منتقل ہو گیا تھا جو قطیعۃ الفقہا، واقعۂ کرخ بغداد میں تھا ہماری دلیل مہیار دیلمی کے یہ ابیات ہیں،

نَزَحَ لُبَانَاتی بَنی مَا سَانَ دُوراً	بِہَا تُسْلٰی بُیُوتُکَ فِی قُضَاعَہ
اِذَا مَا الضَّیْمُ رَابَکَ فَاسْتَجِیْرِی	ذَرٰی سَابُورَ وَانْتَجِی بِقَاعَہ

اور خود ابو العلا کے یہ ابیات (در بغداد)

وَغَنَّتْ لَنَا فِی دَارِ سَابُورَ قَیْنَۃٌ	مِنَ الوُرْقِ مِطْرَابُ الْاَصَائِلِ مِیْہَال

قاضی تنوخی کو لکھتا ہے بعد از رجوع،

اَیَامٌ وَاَصَلْتَنِی وُدًّا وَتَکْرِمَۃً	وَبِالْقَطِیْعَۃِ دَارِی تَجْفُ النَّہرا
بِحِلَّۃِ الفُقَہَاءِ لَا یَغْشَی الفَتٰی	نَارِی وَلَا یَنْضُو الْمَطِیّ عِزْ اَئِمی

تعجب انگیز تو یہ ہے کہ مارگولیوتھ نے کرخ یعنی نئے بغداد سے نکالکر اس کو ایک پرانے حصہ ہی میں مقیم رکھا حالانکہ اوس نے کرخ کی یاد میں لزوم وسقط میں بہت سے ابیات کہے ہیں، چنانچہ بغداد سے روانہ ہوتے ہوے وہ اہل کرخ کو ان الفاظ میں مخاطب کرتا ہے،

وما الفصحاء الصید والبید دارہا	بافصح قولا من اِماء کرا لکرخ

اس بحث کا تسلسل ہماری اصل کتاب میں ملاحظہ ہو،

عادات مشرق سے بیگانگی: بعض اغلاط اہل مشرق کے عادات سے نابلد ہونے کا نتیجہ ہیں مثلاً

(۲۸۲) کہتے ہین کہ ابو العلار بار بار اپنے وطن کی جو دماغی اور جسمانی حالت بیان کرتا ہے وہ قابل افسوس ہے لیکن اسکی تصدیق اور کسی نے نہین کی، پھر فرماتے ہین کہ ہم معرہ کے لوگون کی بابت جو کچھ جانتے ہین وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم وہان کی دماغی حالت کا اندازہ ابو العلار کے اپنے بیان سے زیادہ کرین،

گویا آپ ابو العلار کے وطن کے متعلق خود ابو العلار سے زیادہ واقف ہین اور وہ اپنے بیان مین کاذب ہے، سبحان اللہ! وہ بیچارا مشرقی ہے کسر نفسی اوسکی گھٹی مین پڑی ہوئی ہے یعنی کہ خود اپنے کو اور اپنے سے متعلق ہر شے کو اوسکی موجودہ حالت سے کمتر ظاہر کرتا ہے، ابو العلار لزوم مین کہتا ہے

أتسألون جهولاً ان يفيدكمُ وتحلبون سفياض عمها يبسٌ

کیا مارگولیوتھ صاحب ابو العلار کو جاہل کہین گے یا دوسرے کے بیان کی مدد پر اسکی تکذیب کو اُٹھ کھڑے ہونگے، نیز ابو العلار کا مطمح نظر اتنا بلند تھا کہ معرہ اس کے لیے کافی جولانگاہ فراہم کرسکے قابل نہ تھا اس لیے وہ ابتدائے شباب ہی سے بغداد کا خواب دیکھتا تھا،

كلفنا بالعراق ونحن شرخٌ فلم نلمم بها الا كهولا[1]

(باقی)

[1] م ۲۸ مگر ہم آغاز شباب ہی سے بغداد کے مشتاق تھے مگر کہین ادھیڑ پن مین جاکر وہان پہنچے،

تلخیص و تبصرہ

عربون کے تعلیمی نظریئے

ڈاکٹر اے، ایس، ترٹین استاذ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈہ نے مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون جرنل آف انڈین ہسٹری مین لکھا ہے، اس مین وہ تحریر فرماتے ہین:

"ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے شروع مین ایک مقدمہ لکھا ہے، جو فلسفۂ تاریخ ہے، اس مین اس نے متعدد ابواب تعلیم کے لیے وقف کئے ہین، اگرچہ اس مین نظریون پر زیادہ بحث ہے تاہم اس وقت کے طریقۂ تعلیم کے متعلق بھی واقعات مل جاتے ہین، اس کے خیال کے مطابق وہ شخص تعلیم یافتہ ہے جو تمام علوم سے واقفیت رکھتا ہو اور اساتذۂ فن کی آرا بھی سمجھ سکتا ہو وہ ایک ہی فن کا استاذ نہ ہو اور نہ ایک ہی موضوع پر اتنا وقت خرچ کر دے کہ دوسرون سے ناواقف رہ جائے، تاہم یہ بات خود ابن خلدون ہی کے زمانہ مین مفقود ہو رہی تھی اور اکثر لوگون نے دوسرے علوم سے بے پروا ہو کر اپنے کو ایک ہی موضوع کے لیے وقف کر رکھا تھا، اس کا تعلیمی تخیل خالص ذہنی ہے، وہ علم کے حصول اور دماغ کی تربیت کا خواہان ہے، لیکن تعمیر اخلاق کی طرف اسکی توجہ نہین، تعلیم کی دو قسمین ہین، بالواسطہ اور بلا واسطہ، دوسری قسم مین مکالمہ، مناظرہ، اور قوت مثال بھی شامل ہے اس لیے ایک شخص کو صرف ایک ہی استاذ کے سامنے زانوے شاگردی تہ نہ کرنا چاہیئے، اُسے ایک استاذ سے دوسرے کے پاس جانا چاہیئے اور اس طرح اُسے اختلاف آرا کے متعلق وہ کچھ معلوم ہو جائیگا جو صرف تعلیم سے ہرگز حاصل نہ ہوتا،

علوم بھی دو قسم کے ہین، ایک وہ جو خود اپنا مقصد ہین، اور دوسرے وہ جو دوسرے علوم کے لیے واسطہ ہین، پہلی قسم مین مذہبی علوم، طبعی علوم اور الٰہیات ہے، دوسری مین عربی ریاضی اور اس قسم کے دوسرے علوم اور منطق ہین، ایک طالب علم کو اپنا زیادہ وقت دوسرے قسم کے علوم کے حصول مین جو کہ صرف واسطہ ہین صرف نہ کرنا چاہیئے، ورنہ وہ اپنے مقصد تک نہین پہنچ سکے گا، تعلیم تدریجی ہونی چاہیئے، ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم لڑکے کی سمجھ کے مطابق دینی چاہیئے، ابن خلدون کا خیال ہے کہ ہر فن کو تین مرتبہ پڑھنا چاہیئے، پہلی مرتبہ صرف اس فن کا خاکہ بتایا جائے، دوسری مرتبہ اصول سے گذر کر فروع کی تعلیم دینی چاہیئے، اور تیسرے درجہ مین کوئی چیز بھی نہ چھوڑنا چاہیئے، یہ ایک صحیح طریقہ ہے جس سے لڑکے کو تدریجاً مانوس کیا جاتا ہے، اوسکی قوت متخیلہ پر زیادہ زور نہین پڑتا اور وہ آئندہ کی تشریح ودقائق کے سمجھنے کے قابل ہوجاتا ہے، بعض اساتذہ اس طریقۂ تعلیم سے ناواقف ہین اور وہ سب سے پہلے مشکل ترین مسائل طلبہ کے سامنے بیان کرتے ہین، یہ ایک غلطی ہے، اس قسم کی خراب تعلیم دماغ پر زور ڈالکر اس کو خراب کر دیتی ہے، طالب علم سمجھتا ہے کہ یہ چیزین علوم کا ضروری جزو ہین اس کی امید و نکا خاتمہ ہوجاتا ہے اور حتی الامکان پڑھنے سے احتراز کرنے لگتا ہے، ان تین درجون مین وقفہ کم ہونا چاہیئے ورنہ طالب علم نے جو پڑھا ہے بھول جاسکتا ہے، تعلیم ایک عادت ہے تکرار سے ایک عادت ڈالی جاسکتی ہے تکرار سے ایک علم مین کمال حاصل ہوتا ہے، ابن خلدون کی رائے ہے کہ ایک وقت مین ایک ہی چیز پڑھائی جائے اور جب وہ ختم ہوجائے تو دوسری شروع ہو، خود اس کے زمانہ مین اس پر عمل نہ تھا، اس نے ایک علٰحدہ باب مین بچون کی تعلیم کے متعلق لکھا ہے قرآن مجید بنیاد تعلیم ہو، اس سے خدا کے متعلق ایمان مستحکم ہوتا ہے کہ لڑکپن مین جن چیزون کا اثر ہوتا ہے وہ دیرپا ہوتا ہے، اس وقت دنیائے اسلام کے مختلف ممالک مین مختلف طریقے رائج تھے، مراکش اور الجزائر مین قرآن مجید اور حروف کی مشق سے تعلیم شروع ہوتی، اگر وہ اس مین کامیاب

ہوتا تو یہ اسکی تعلیم کا خاتمہ ہوتا، ان ممالک کے باشندے قرآن پر کافی عبور رکھتے تھے، اسپین مین قرآن
مشق تحریر اور نظم سے تعلیم کی ابتدا ہوتی اس کے بعد صرف و نحو اور انشار کا درجہ تھا، اس طرح لڑکا
عربی زبان و نظم کے سمجھنے کے قابل ہوجاتا اس کے ساتھ ہی وہ تحریر و انشا، سے بھی واقف ہوجاتا ہی
طرابلس اور ٹیونس مین قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی ہے، اس کے علاوہ مختلف علوم کے اصول بتائے
جاتے ہین مشرق کے مختلف ممالک کے متعلق اس کو زیادہ واقفیت نہین ہے، وہان صرف قرآن
ہی نہین پڑھایا جاتا ہے اور خطاطی ایک مستقل فن کی حیثیت سے ایک مستقل استاذ کے تحت سکھی جاتی ہے افریقہ کی ادب
عربی کی تعلیم مکمل نہین ہوتی، کیونکہ وہان صرف قرآن پر زور دیا جاتا ہے اور اس کا طرز تحریر ناقابل
نقل ہے، اسپین مین ادب کی اچھی تعلیم ہے، لیکن دوسرے علوم کی حالت خراب ہے، کیونکہ وہان
قرآن و حدیث پر زیادہ توجہ نہین کیجاتی، ابن خلدون، قاضی ابوبکر بن العربی کے نصاب کو شرائط
کے ساتھ منظور کرتا ہے اس نے مندرجہ ذیل نصاب مقرر کیا ہے،

(۱) عربی اور نظم (۲) حساب، (۳) قرآن شریف (۴) عقائد (۵) اصول فقہ (۶) منطق،
(۷) حدیث، مگر اس مین بھی دو خرابیان ہین، (۱) دو فن ایک ساتھ پڑھائے جاتے ہین اور دوسرے
بچون کے دل پر قرآن کی اہمیت نقش نہین ہوتی، قرآن کی تعلیم اگر لڑکپن مین دیجائے تو وہ تعمیر
اخلاق مین بہت معاون ہوتی ہے، ابن خلدون کے نصاب کی تہ مین مذہبی جذبات کام کرتے ہین

دوسرا سوال طریقہ تعلیم کا ہے، باپ بیٹے اور استاد و شاگرد مین دوستانہ تعلقات ہونے
چاہئین، ضرورت سے زیادہ سختی بے کار ہی نہین مضر بھی ہے، اس سے قوت عمل برباد ہوجاتی
ہے، اور تساہل، تکذیب اور ریاکاری کی عادت پیدا ہوتی ہے، قومون اور غلامون کا بھی
یہی حال ہے، ایک لڑکے کو تین چھڑی سے زیادہ نہ مارنا چاہئے، ہارون رشید نے اپنے بچون
کے معلم کو جو ہدایات دی تھین ان پر عمل کرنا چاہئے، لیکن ابن خلدون ایک صاحب تدبر شخص تھا

امام غزالیؒ کا قول ہے کہ تحصیل علم صرف خدا کی عبادت کے لیے ہونی چاہیئے، اس لئے انھون نے استاد شاگرد کے فرائض کو بتا کر اپنے نصب العین کو پیش کیا ہے شاگرد کے دس فرائض ہین،

(۱) اعمال وخیالات کی صفائی، (۲) وطن وملک کی بندشون سے آزادی (۳) استاد کی اطاعت (۴) سب سے پہلے صرف مصدقہ باتون کو حاصل کرے، (۵) تعلیم کی اصلی غایت "خدا"، کو کبھی نہ بھولے (۶) تعلیم تدریجی ہو، (۷) جب تک ایک فن کے لیے جن باتون کی ضرورت ہے اون کو اچھی طرح حاصل نہ کر لیا جائے کوئی فن شروع نہ کیا جائے (۸) مختلف علوم کے مقصد وقیمت کو سمجھے (۹) تعلیم کا مقصد اپنی تعمیر وترقی ہے، (۱۰) مختلف علوم کو غایت کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا علم حاصل کرے،

استاد کے فرائض یہ ہین:-

(۱) شاگرد کے ساتھ ملاطفت (۲) مادی نفع اس کا مقصد نہ ہو (۳) طالب علم کو اس وقت تک جبتک کہ اس کا دماغ کسی فن کے سمجھنے کے لائق نہ ہوجائے کوئی چیز نہ سکھائی جائے (۴) استاد کو چاہیئے کہ وہ شاگرد کو برائیون کے متعلق اشارۃً بالواسطہ طریقہ سے سمجھائے (۵) جو فنون پڑھائے ان کا مذاق نہ اڑائے (۶) معلم کو لڑکے کی استعداد اور سمجھ کے مطابق تعلیم دینا چاہیئے (۷) ایک کم علم لڑکے کو وسیع علوم وفنون کا حوالہ دیکر اُسے پست ہمت نہ کرنا چاہیئے (۸) استاد کو صرف تعلیم ہی کا ہو کر رہنا چاہیئے کیونکہ اگر باپ بیٹے کو جسم دیتا ہے تو استاد جان بخشتا ہے، امام غزالی نے جو ہدایات کی ہین ان سے صوفیانہ رنگ صاف جھلکتا ہے،

ابن خلدون کے خیال کے مطابق تحصیل علم کا مقصد صحت فکر ہے اس مین دو چیزین مزاحم ہوتی ہین، الفاظ اور خیالات کا الجھاؤ، یہ وہ چیزین ہین جو آدمی کو اس کے مقصد سے دور کر دیتی ہین، الفاظ کا صحیح استعمال اور خیالات کا سلجھاؤ ایک ساتھ کام کرتے ہین، اس لیے انسان کو ان دونون کا سب سے زیادہ لحاظ رکھنا چاہیئے، . . . .

ذرائع تعلیم کے متعلق بھی ابن خلدون کے خاص خیالات ہین اس کے نزدیک کتابون کی بڑی تعداد کی مطلقاً ضرورت نہین، کثرتِ کتب سے تعلیم مین مزاحمت ہوتی ہے، اور لڑکے کے خیالات مین انتشار پیدا ہوجاتا ہے کہ ہر مصنف اپنے خاص طریقہ سے مسئلہ کو پیش کرنا چاہتا ہے، سیاحت بھی طالبعلم کو بہت کچھ فائدہ پہنچاتی ہے، کتابون کی تعداد انسان کو فائدہ نہین بخشتی، اگر ایک شخص قیروان، قرطبہ، بغداد اور دوسرے مقامات کے مالکی علمار کی تصانیف کو ان کے مخصوص اصطلاحات وطرز بیان کے ساتھ پڑھنا چاہے تو وہ کبھی ان تمام کتابون کو ختم نہ کرسکے گا، زندگی محدود ہے، اس قسم کی تعلیم بیماری ہے، بڑی کتابون کی تلخیص بھی کوئی اچھی چیز نہین، تلخیص مین خیالات کو کمترین الفاظ مین بیان کیا جاتا ہے، اس سے مبتدی کے خیالات مین الجھاؤ پیدا ہوجاتا ہے، اور وہ اصول کو فروع سے ملاکر تعلیم کے پہلے ہی اصول کی مخالفت کرتا ہے،

بنی اسرائیل کی غلامی کا ایک اور ثبوت

تقریباً ایک صدی کا عرصہ گذرا کہ مستشرقین اور ماہرینِ مصریات نے سعی وکوشش سے ہیروغرافی یا خط تصویری کے حروف دریافت کرلئے تھے اور فراعینِ مصر کے کتبے جو تاریخی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتے ہین ان کے ذریعہ پڑھے جانے لگے تھے، لیکن یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی تھی کہ ان کتبون مین ان بدبخت یہودیون کا جو عرصہ تک فرعون کے مظالم کا شکار رہے کوئی تذکرہ بھی نہ تھا، ماہرین کا خیال تھا کہ کتاب خروج کے واقعات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے پلیگ کا ظہور اور بالآخر فرعون کی بحراحمر مین غرقابی وہلاکت ایسی چیزین ہین جنکا کہین نہ کہین تذکرہ ضروری تھا، لیکن آج تک اس کا کہین بھی کوئی سراغ نہ لگا، اسی لیے یہ بات بھی طے نہ ہوسکی تھی کہ کون سا فرعون تھا جس نے ان عبرانیون کو مصائب کا شکار بنایا تھا حتی کہ بعض اشخاص کو یہ شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ بنی اسرائیل کبھی مصر مین تھے بھی یا نہین،

مگراب ایک ایسا کتبہ مل گیا ہے، جو نہ صرف انجیل کے اس باب کی تصدیق کرتا ہے بلکہ واضح طور سے اس فرعون کا نام بھی بتاتا ہے، جس نے ان سے سخت کام لیے تھے، وہ رمیس ثانی ہے، اسی کو بعض مورخین رمیس اعظم بھی کہتے ہیں اور ۱۲۵۸ ق۔م مین تھا،

سب سے عجیب یہ حقیقت ہے کہ یہ کتبہ خود فلسطین کے ایک دیہات بیسن مین جو کسی زمانہ ایک بہت بڑا شہر تھا ملا ہے، انجیل مین اس کا نام بتشیان ہے، یہ بحر جلیلی سے جنوب کی جانب ۲ میل اور دریائے جورڈن سے مغرب کی طرف چار میل پر واقع ہے اسی مقام پر پنسلوینیا میوزیم یونیورسٹی (PENNSYLVANIA MUSEUM UNIVERSITY.) کے علمی وفد کے ارکان نے ہزارون برس کے مدفون پتھر کو پایا ہے، یہ پتھر مصری ہیرو غرافی سے پر ہے اور اس پر فرعون رمیس ثانی کے دستخط ثبت ہین، جس وقت ارکان نے ان کو صاف کیا ان کو معلوم ہوا کہ یہ حروف خود فرعون کے حکم سے کندہ کئے ہونگے، اس کے بعد ہی ان کی نظر ایک ایسے جملے پر پڑی جس نے انکو محو حیرت بنا دیا اور ایک دوسرے کا تعجب سے منھ دیکھنے لگا کہ جس چیز کی اتنے دنون سے تلاش و جستجو تھی وہ یوسف مطلوب، مصر کی جگہ خود ارض مقدس مین ملتا ہے، اور کتاب خروج کا ایک ایک حرف اس سے سچا ثابت ہو رہا ہے، اس جملہ کے الفاظ یہ ہین:-

"اس (فرعون) نے متعدد سامیون کو جمع کیا اور اس نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اس کے اعزاز مین اس کے نام پر رمیس میری آمن نام شہر دریائے نیل کے مشرقی مرتفع پر بنائین"

یہ عبارت کتاب خروج سے اس قدر ملتی ہوئی کہ اب اس مین کوئی شبہہ نہین رہتا کہ یہ وہی فرعون ہے، کتاب خروج باب اول آیت ۱۱ کے الفاظ یہ ہین،

"اور انھون نے فرعون کے لیے مالدار شہر پتھم اور رمیس بنائے"

اس علاقہ کے اور کتبے اب تک پورے طور سے پڑھے نہین گئے ہین، لیکن اس کی تاریخ

اتنی ہی واضح و یقینی ہے، اجنبی کسی خط کی، یہ کتبہ بہار کے چوتھے بیٹے کی ہیلی کو رمیس ثانی کے عہد حکومت کے نویں سال لکھا گیا ہے، اس کے سرے پر آفتاب کی تصویر ہے اور اس کے ارد گرد مقدس سانپ اس کے نیچے دو اور تصاویر ہیں ان میں بائین طرف والی دیوتا امین راکی اور دہنی جانب رمیس ثانی کی ہے، بادشاہ اور دیوتا کے درمیان شاہی ظروف، رکابیون اور قیمتی جواہرات کی تصاویر بطور پیشکش کندہ ہیں،

تاریخ الاسماء

عہد قدیم اور زمانہ موجودہ کی مختلف قومون نے اپنے معتقدات مذہبی اور ماحول سے متاثر ہوکر جن معانی اور ترکیبون کو ملحوظ رکھکر اپنے بچون کے نام رکھتے ہین ان پر ایک عیسائی اہل قلم نے ایک مضمون لکھا ہے جسکی تلخیص یہ ہے:-

قدماء حصول سعادت کے لیے اکثر اپنے بچون کے نام کسی معبود کی طرف منسوب کرتے تھے مثلاً اہل عرب اپنے بچون کے نام عبد مناف مصری توتنخ امون، اور عبرانی عمانوئیل رکھتے تھے جس کے معنی ہین کہ "خدا ہمارے ساتھ ہے"

قدیم اہل عرب اکثر اپنی مان کی طرف منسوب ہوتے تھے، مثلاً ابن عائشہ یا ابن فاطمہ جسکی وجہ یہ تھی کہ اُن کے یہان نکاح کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت بہت سے لوگون کے ساتھ نکاح کرتی تھی، اس لیے مان کے سوا اور کسی متعین شخص کی طرف انتساب صحیح نہین ہو سکتا تھا،

قدیم اہل یونان کے نامون سے خاندان کے پیشے کا پتہ چلتا ہے، مثلاً جرجی کے معنے مالک زمین کے ہین اور اس کے بعض نام اُن معانی سے قریب تر ہین جو آج ہمارے نامون مین پائے جاتے ہین، چنانچہ فیلپ کے معنی گھوڑے کے دوست اور تھیوڈر کے معنی بندۂ خدا کے ہین،

عیسائیت کا ظہور ہوا تو تعمید کے وقت نام رکھے جانے لگے، اس لیے تثلیث کے علاوہ

اس سے مذہبی اثر کا بھی پتہ چلتا تھا لوگ پوپون کے نام پر اپنے بچون کے نام رکھتے تھے تاکہ وہ مدت عمر ان کی نگرانی مین رہین، اور چونکہ سیکڑون پوپ تھے، اسلیے نامون کے انتخاب کی گنجائش بہت زیادہ تھی، لیکن جب یورپ کی ترقی کا زمانہ آیا تو لوگ یونانیون اور رومیون کے مشہور لوگون کے نام پر اپنے بچون کے نام رکھنے لگے،

اس کے بعد پروٹسٹنٹ اصلاح مذہبی کا زمانہ آیا اور انجیل کی طرح یورپین زبانون مین تورات کا ترجمہ ہوا تو لوگ ان نامون پر اپنے بچون کے نام رکھنے لگے جو توراۃ اور انجیل مین مذکور تھے، برطانیہ اور ولایات متحدہ امریکہ پروٹسٹنٹ لوگون کا اب تک یہی حال ہے، اور پروٹسٹنٹ مصلح کالفن لوگون کو یہ ترغیب دیتا تھا کہ تورات کے نامون پر اپنے بچون کے نام رکھین،

یورپ بالخصوص شمالی یورپ مین جب صنعتون کا رواج ہوا تو صنعتون کے نام مشہور ہوئے، چنانچہ انگریزی اور جرمنی کے اکثر نام حداد اور نجار وغیرہ ہین، بلکہ انگریزی کی نحوی کتابون مین حداد کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، مثلاً ہم اگر مثال مین "زید آیا" کہتے ہین، تو کہتے ہین کہ "لوہار آیا"،

اسلام سے پہلے اہل عرب کے نام باہم مشترک تھے، جس سے مذہبی امتیاز کا پتہ نہین چلتا تھا البتہ یہود جو تورات کے نام مثلاً سموال اور عدی وغیرہ پر نام رکھتے تھے، اس سے مستثنیٰ تھے، مثلاً کلیب امراء القیس، عمرو بن کلثوم اور مہلہل عام طور پر عیسائی تھے، بعض لوگون کا خیال ہے کہ امراء القیس مرقس کا معرب ہے، شام کے عیسائی، مسلمانون کے طرز کے نام رکھتے ہین، مثلاً حسن اور ہند وغیرہ،

عربی دنیا اور یورپ کے ایک حصے پر ترکون کو اقتدار حاصل ہوا تو اونکی زبان مین بعض یورپین نام مثلاً سکندر اور بعض عربی نام داخل ہوگئے، اور ترکی نام بھی رکھنے لگے مثلاً ذہنی، رفقی، رافت، اور عصمت، جدید عربی دور مین شام کے بہت سے عیسائی، اور مصر کے قبطی اپنے بچون کے نام خاص عربی رکھتے ہین، مثلاً لیلی اور سعاد، لیکن ان مین کوئی شخص محمد اور علی کے نام پر نام نہین رکھتا،

ہم مین بالخصوص مشرقی مسیحیون مین اب انگریزی نامون کا عام رواج ہوگیا ہے، اور وہ عربی اسما و القاب سے بالکل میل نہین کھاتے، اور اس سے ہمارے رابطۂ قومیہ کے ضعف اور وطنی شرف کی تحقیر کا اندازہ ہوتا ہے، ہم عرب ہین اس لیے ہمارے نام بھی عربی ہونے چاہئین تاکہ ان سے ہمارے مزاج و مذاق کا اندازہ ہو،

لیکن اس موقع پر یہ بھی نظرانداز نہین کیا جاسکتا کہ مضمون نگار نے عربی نامون کے متعلق بعض اہم لغزشین کی ہین، ابن عائشہ اور ابن فاطمہ جیسی کنیتون کی جو وجہ بتائی ہے وہ قابل تسلیم نہین، کون کہہ سکتا ہے کہ ابن ام کلثوم کی وجہ شہرت یہ ہے کہ ان کے باپ مسعود کا پتہ نہ تھا، اصل یہ ہے کہ جب قبیلہ مین کسی کے باپ سے زیادہ اسکی ماں معروف ہوتی تو عموماً لوگ اسکو اسکی ماں ہی کے نسبت سے پکارتے تھے، یہی وجہ ہے کہ لونڈیون کے لڑکے عموماً ماں کی طرف منسوب ہوتے تھے،

امرء القیس، عمرو بن کلثوم، اور کلیب وغیرہ کے عیسائی ہونے کا نظریہ جدید ہے، تاریخ مین اسکی شہادت موجود نہین، ہمکو ان نامون کی نوعیت سے بھی ان کے عیسائی ہونے کا سراغ نہین لگتا،

امرء القیس کو "مرقس" کی تحریف سمجھنا ایک فاش غلطی ہے، قیس یا "قیش" عبرانی اور نبطیون کا قدیم دیوتا ہے، اس نام کا ترجمہ قیس کا آدمی یا قیس کا محبوب ہے کیونکہ مرء کا اصلی مفہوم "پیارا" ہے اس نام کو انھین نامون مین شمار کرنا چاہیے، جن سے اہل عرب کے قدیم مذہبی خیالات کا پتہ چلتا ہے،

عمرو، کلثوم، کلیب خالص عربی انداز کے اسما ہین، نام رکھنے کے متعلق اہل عرب کا عام مذاق یہ تھا کہ وہ اپنے غلامون کو تو سعید، نافع، اور انس (صاحب انس) جیسے خوش اسلوب نامون سے پکارتے تھے، مگر خاص اپنے لڑکون کو ایسے الفاظ سے موسوم کرتے تھے جنمین شدت، صلابت، بہادری، اور خونریزی کا شائبہ موجود ہو، مثلاً ان کا نام ہوتا تھا جبل (پہاڑ) سرقہ (ڈاکو) شقی دیکتب (؟) اسی اصول کے تحت وہ اکثر اپنی اولاد کو زہریلی یا خاردار نباتات، تنکا کی چڑیون، درندہ جانورون اور موذی کیڑون کے نام سے بھی موسوم کرتے تھے، اسد (شیر) کلب (کتا) اوس (بھیڑیا) عرب کے مشہور قبائل ہین، اس بناپر کلیب (چھوٹا کتا) اور کلثوم (ہاتھی) بھی خالص عربی انداز کے اسما ہین،

(الہلال مصر)

اخبارِ علمیہ

مجلس جغرافیہ کا ایک وفد

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مجلس جغرافیہ وہان کی دوسری علمی مجالس کے ساتھ ملکر عنقریب ایک وفد تقریباً تمام دنیا کی سیاحت کے لیے روانہ کریگی، اس وفد کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ مختلف مقامات پر آفتاب کی مختلف درجہ کی حرارت کی پیمائش کرے، یہ کام چار سالون مین ختم ہوگا اور اس سے بہت کچھ علمی و تجارتی فوائد کی امید ہے،

کپڑونکی حفاظت کا ایک نسخہ

ہمارے ریشمی، اونی اور سوتی کپڑے ابھی تک کیڑون کی دست برد سے محفوظ نہین تھے لیکن اب ایک جرمنی ماہر کیمیا نے ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے جو اس کیڑے کی نسل ہی کو بالکل تباہ کر دیگی، یہ کیڑا ایک دن مین ایکہزار انڈے دیتا ہے، اس دوا مین نہ تو بو ہے اور نہ رنگ اور اس کو کپڑون اور کمرون دونون جگہون پر یکسان استعمال کیا جاسکتا ہے اس جرمنی عالم کا نام ڈاکٹر کمبک ہے،

عودِ شباب کا ایک جدید نسخہ

اس وقت تک ڈاکٹرون نے بڑھاپے سے نجات حاصل کرنے اور ازسرِ نو جوان بننے کے لیے جو علاج دریافت کیا تھا وہ یہ تھا کہ کسی جوان کے غدود اس شخص کے بدن مین داخل کر دیئے جائین، مگر ایک نوجوان ڈاکٹر ہیلن جیوزنزکی نے دعوی کیا ہے کہ وہ کمزور بڈھون کو تکلیف دینا نہین چاہتا اور نہ غدود کے بدلنے کی زحمت گوارا کرنا ہوگی، بلکہ ایک جوان کے خون کے چند قطرے ایک سوئی کے ذریعہ ایک معمر آدمی کے بدن مین پہنچا دیئے جائینگے اور بس ڈاکٹر مذکور پیرس مین اس کا تجربہ کر رہا ہے اور ایک بڑی حد تک اس مین کامیاب بھی ہوگیا،

آپکی توجہ مین کیونکر خلل نہ پڑے گا

انسان کے لیے ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت وہ کسی چیز پر غور کر رہا ہو کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جس سے اسکی توجہ مین خلل پڑے آپ کسی گوشۂ مکان مین بھی رہین گے، تو بھی اس جگہ کا ماحول رہ رہ کر آپ کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرائے گا، اس سے بچنے کے لیے پروفیسر گرنس بیک (Hugo Gernsback) نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جس کو پہن لینے سے نہ تو باہر کی کوئی صدا کان مین آتی ہے اور نہ کسی دوسری چیز پر نظر پڑ سکتی ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ انکو اس مین ۷۵ فی صدی کامیابی حاصل ہو چکی ہے

ڈنمارک کی جدید تعزیرات

ڈنمارک (یورپ) کی حکومت ایک قدیم حکومت ہے اس لیے وہان کا قانون قدیم قانون تھا، لیکن اب وہان کی تعزیرات مین بہت کچھ ترمیم و اصلاح کر کے بالکل نئے نئے قوانین و دفعات کا نفاذ ہوا ہے، جدید دفعات کے رو سے سزا سے موت بالکل موقوف کر دیگئی ہے حبس دوام کی سزا بھی اٹھ گئی اور صرف بادشاہ وقت کے قتل کی کوشش کیلئے مخصوص ہو قید کی بڑی سی بڑی میعاد ۱۰ سال ہے،

بہرون کیلئے جدید طریقۂ علاج

اس وقت تک اگرچہ بہرہ پنے کے متعدد علاج نکل چکے ہین لیکن حال مین ڈاکٹر آرتھ جکبسن نے ایک اور نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، جو جراحت اور دوا، دونون سے آزاد ہے وہ مریض کو ایک ہوائی جہاز پر بٹھاتے ہین، جہاز ہوا مین بلند ہوتا ہے اور کچھ بلندی پر جا کر ناک کے بل نہایت تیزی سے نیچے آتا ہے، اس طرح رفتہ رفتہ بہرہ پن کم ہوتا ہے،

ادبیات

مولانا شبلی مرحوم کی ایک ناتمام غیر مطبوعہ نظم

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی، حیدرآباد دکن

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ذیحجہ ۳۳ھ کے معارف مین ادبیات کے نیچے، مولانا مرحوم کی ایک ناتمام غیر مطبوعہ نظم بعنوان "باقیات صالحات ترکان عثمانی" کے عنوان سے شائع کی تھی، اسکی اشاعت کے ساتھ حیدرآباد کے باخبر حلقہ مین ایک شورش پیدا ہوگئی، منشی ظفر الملک علوی اڈیٹر الناظر نے لکھنؤ سے (وہ اس زمانہ مین حیدرآباد مین تھے) اور نواب اکبر یار جنگ نے ہمارے دوست پروفیسر میمن عبد العزیز صاحب کے ذریعہ سے (جو اس وقت حیدرآباد مین تھے) ہمکو ہماری غلطی پر متنبہ کیا، اصل یہ ہے کہ یہ نظم ہم کو اسی طرح ناتمام مولانا کے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھی ہوئی ملگئی، مضمون کا انداز یہ چاہتا تھا کہ یہ کسی اسلامی سلطنت کو مخاطب کرکے لکھنی شروع کیگئی تھی، شاعر کو ترکون سے جو محبت تھی اس کو پیش نظر رکھکر ہم یہ سمجھے کہ یہ نظم جنگ بلقان کے زمانہ مین مولانا نے دولت عثمانیہ پر لکھنی شروع کی تھی، مگر حیدرآباد کے باخبر حلقہ نے یہ بتایا ہے کہ یہ دولت عثمانیہ کو مخاطب کرکے نہین بلکہ دولت آصفیہ کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے، چنانچہ ذیل کے مضمون سے اصل حقیقت ظاہر ہوگی، لیکن جب نظم لکھی گئی تھی تب تو نہین مگر اب جس وقت یہ معارف مین شایع ہوئی، ہم اپنی غلطی کا اقرار کیے بغیر کہتے ہین کہ یہ دولت عثمانیہ ہی کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے، مگر وہ دولت عثمانیہ نہین جس کا نام اب جمہوریت ترکیہ ہے

بلکہ وہ "دولت عثمانیہ" جس کے فرمانروا آج نظام الملک اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخان ہین، کیا اب بھی احباب حیدرآباد کو اعتراض ہے،

"اڈیٹر"

مولانا شبلی کی جو نظم ماہ ذیحجہ ۱۳۴۰ھ کے "معارف" مین آپ کے حاشیہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ:۔

آج سے تیس سال قبل ۱۳۱۴ھ مین مولانا مرحوم حیدرآباد تشریف لائے تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا علی گڈھ کالج سے کنارہ کش ہو چکے تھے اور حیدرآباد نے بھی مولانا کی ابھی سرپرستی نہین کی تھی، اس وقت کے بعض عقیدت مندون نے مولانا کی زبان سے اسلام کے متعلق کچھ جی لگتی باتین سننی چاہی تھین چنانچہ مولوی عزیز مرزا مرحوم، مولوی عبد الغنی وارثی مرحوم مولوی مسعود علیصاحب بی اے (حال ترجم دار الترجمہ) مولوی محمد جامع صاحب (حال مددگار معتمد عدالت) بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ ایک جلسہ کا انعقاد کیا جلسہ "کاسما پولین ہوٹل" (جسکو اب محسن الملک کی کوٹھی کہا جاتا ہے) مین ہوا تھا، مولوی خدابخش خان مرحوم جنکی پٹنہ مین لائبریری مشہور ہے جلسہ کے صدر مقرر ہوئے تھے، یہ ان دنون یہان کی عدالت عالیہ کے میرمجلس تھے،

جلسہ مین مولوی عزیز مرزا مرحوم نے عقیدت نامہ (اڈریس) پڑھا تھا، مولانا نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور اصل موضوع "اعجاز القرآن" پر بحث کرنے سے پیشتر سرزمین دکن کو مخاطب کرکے یون کہا تھا کہ:۔

اے دکن اے کہ جہان را سر وسودا باتست
اے کہ مجموعۂ صد یاس وتمنا باتست

یہ نظم ایک ایسی نظم ہے جسکو ایک بڑے مجمع نے خود مولانا مرحوم کی زبان سے سننے کا لطف

اٹھایا تھا اس کے بعد پھر وہ شائع بھی ہو گئی، لوگون نے حفظ بھی کیا اور آج تک مزے لے لیکر وہ اکو دہراتے ہین، خود راقم الحروف کے پاس اسکی مطبوعہ نقل موجود ہے، بعض خوش وقت شاعرون نے اس کے جواب بھی لکھے،

معارف مین جو بند شائع ہوا ہے اس مین اور قدیم نقل مین کچھ فرق بھی ہے، ظاہر ہے کہ معارف کو اس بند کا مسودہ بھی ملا ہے، بہت ممکن ہے کہ مولانا نے اس کو کسی دوسرے کاغذ پر صاف کر لیا ہو اور وہ مبیضہ جلسہ مین کسی پر جوش نیازمند کے ہاتھون پہنچ گیا ہو،

یہ نظم ترکیب بند کے دو بند مین دوسرے بند کی ردیف ہی "دکن" ہے صحت واقعہ کیلئے پوری نظم درج ذیل ہے:-

اے دکن ایکہ جہان راسر وسودا باتست ۔ اے کہ مجموعۂ صد یاس و تمنا باتست
اے کہ صد نقش زہر پردہ برانگیختۂ ۔ اے کہ صد جلوہ گری ہای تماشا باتست
زاہداستی کہ سر صدق و صفا ہست ترا ۔ شاہد استی کہ دلآویز ادا ہا باتست
ساز نیرنگی و صد نغمۂ رنگین داری ۔ لوح ارژنگی و صد پیکر زیبا باتست
یادگار جشم و تیم و سلجوق استی ۔ مایۂ دولت بغداد و بخارا باتست
داستان ہائے عزیزان ہمہ از بہ داری ۔ خبراز قافلۂ یثرب و بطحا باتست
آن پراگندہ نژاد عرب و نسل عجم ۔ یعنی آن دفتر اسلام مجزا باتست
گرچہ شیرازۂ امت ہمہ ابتر شدہ است ۔ آن ورق ہائے پراگندہ بیک جا باتست
گرچہ زان میکدہ اکنون اثری نیست بجائے ۔ جرعۂ چند از ان شیشہ و مینا باتست
گرچہ آن تازہ چمن رفت بتاراج خزان ۔ باز ہم بوئے خوشی زان گل رعنا باتست
گرمی صحبت آن میکدہ سرجوش تو ہست ۔ مصر و غرناطۂ و بغداد ہمہ آغوش تو ہست

اے بزرگان گران پایہ دارکان دکن — اے ہمہ شمع فروزندۂ ایوان دکن،
ہر سر موئے من امروز زبانے شدہ است — بسپاس آوری منتِ اعیانِ دکن
پائے تا سر ہمہ دربندکرم ہائے شماست — می توان خواندنم از جملہ اسیرانِ دکن
با غریبے چو منے این ہمہ الطاف وکرم — چہ کنم اگر نشوم بندۂ احسان دکن
ہم زگیرائی اخلاق دلآویزبود — کہ بود رومی وشامی ہمہ مہمان دکن
بوئے خلق است کہ دل می بردم ورنہ مرا — نتواند کہ فریبد گل وریحانِ دکن
یارب آن بادکہ این تخت گہِ دولت ودین — سبز وخرم بود از فیضِ سلیمان دکن
میر محبوب علیخانِ نظام آصف جاہ — تاجدارِ دکن وقیصر وخاقانِ دکن
صدر جم مرتبہ نواب وقار الامرا، — آنکہ صد پایہ فزود از شرفش شانِ دکن
وان دگر صدر نشینان وعزیزانِ وطن — کہ بود از دم شان زینت ایوان دکن

همہ را بزم طرب باسر و سامان باشد
شبلیِ خستہ ہم از حاشیہ بوسان باشد

اب ناظرین معارف پر یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ پہلے شعر مین جو پیچ حرفی لفظ جو نہ معلوم مولانا نے کیون نہین لکھا وہ آخر "اے دکن" ہو کر ان کے قلم سے ادا ہوا، پس سارا خطاب ترکان عثمانی کے باقیات صالحات سے نہین بلکہ مغلیہ شوکت و سطوت کے یادگار سے ہے ۔

سیر الصحابیات

جن مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہراتؓ، بنات طاہراتؓ اور عام صحابیات کے سوانح اور ان کے اخلاقی ومذہبی علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۲۵ قیمت ؏ "منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

اسلامی خلافت کا کارنامہ

مؤلفہ

جناب حاجی محمد موسیٰ خان صاحب رئیس دتاولی، علی گڈھ،

حاجی صاحب ممدوح کا نام قومی کامون کے سلسلہ مین اکثر زبانون پر آیا ہے، مگر ایک مصنف کی حیثیت سے وہ شاید سب سے پہلی دفعہ ظاہر ہوئے ہین، اس کتاب کا نام خود بتا رہا ہے کہ یہ تحریک خلافت کے پر جوش عہد کا کارنامہ ہے، چنانچہ حاجی صاحب نے خود تمہید مین بھی اس کا ذکر کیا ہے، اس کتاب کا موضوع یہ ہے، کہ اس سے پہلے کہ خلافت کا فرض مسلمانون کے سپرد ہو دنیا کے بڑے بڑے ملکون اور قومون کی اخلاقی اور روحانی حالت کیا تھی؟ اور کس درجہ وہ تاریکی، گمراہی اور گندگی مین مبتلا تھین، اس سلسلہ مین مصنف نے یورپ، آفریقہ اور ایشیا کے تین بابون کے نیچے ہر براعظم کے ماتحت ملکون مین سے ایک ایک ملک کی کیفیت ایک ایک فصل مین دکھائی ہے، اس طرح قدیم یونان، رومۃ الکبریٰ، جرمنی، اسپین، فرانس، انگلستان، مصر، کارتھیج، طرابلس، مراکش، حبش، افریقہ کے دیگر ممالک، پھر ایران، ہندوستان، چین، وسط ایشیا، افغانستان، اور عرب کے ملکون اور قومون کی مذہبی اور اخلاقی پستی کا مرقع کھینچا گیا، اور بتایا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا کی روحانی پستی کس حد تک پہنچ چکی تھی،

واقعات کی تلاش اور جستجو مین مصنف نے خاصی محنت اٹھائی ہے، اور ذرا ذرا سے واقعہ کو

جس سے ان کے دعوی کو مدد مل سکے کتابون کے سینکڑون صفحات سے چنکر یکجا کیا ہے، یورپ کی اخلاقی تاریخ کی تفصیل مین زیادہ تر لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ، اور گبن کی تاریخ زوال روم سے اور ہندوستان کے بیان مین ستیارتھ پرکاش، الفنسٹن کی تاریخ ہند، بدھ، وکلاسیکل ڈکشنری، اور منو سمرتی پر بھروسہ کیا ہے، عرب کے حالات خطبات احمدیہ، اعجاز التنزیل اور اخبار الاندلس سے لیے ہین، خوشی کی بات یہ ہے کہ ماخذ کی زیادہ تر کتابین اردو کی ہین، اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہماری قومی زبان کا سرمایہ کسقدر وسیع ہو گیا ہے،

حاجی صاحب کی اس محنت کو ہم بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور اسلام کی راہ مین اس کو ایک خاص خدمت سمجھتے ہین، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا کی اخلاقی، روحانی اور مذہبی کیفیت کیا تھی، اور اسلام نے آکر اس مین کیا انقلاب پیدا کیا، اور کس قدر اس پر احسانات کیے یہ اسلام سے پہلے کی دنیا کا آئینہ ہے، جس مین اس مین کی مکروہ ترین صورت نظر آتی ہے، اور اس سے معلوم ہو گا کہ اسلام نے اس آئینہ مین کیا صیقل پیدا کیا،

ہمارے اردو مطابع مین غلطیون کی تو یون بھی پرسش نہین ہوتی، مگر اس کتاب مین خصوصیت کے ساتھ چھپائی کی غلطیان زیادہ ہین، یونان و روم کی ابتدائی تاریخون کے لیے مصنف نے مشرقی مؤرخون کو اور ان مین سے بھی متاخرین کو مثلاً آخوند شاہ (روضۃ الصفا) اور ابو الفدا، کو ماخذ بنایا ہے مگر یہ صحیح نہین جبکہ ان قومون کی اصلی تاریخون تک انگریزی کے ذریعہ سے رسائی ممکن تھی، اسی لئے مصنف نے ان قومون کو سام بن نوح یا حضرت ابراہیم کی نسل قرار دینے مین غلطی کی ہے (صفحہ ۳۰)، عیسائیون کا حضرت اسمٰعیل کی ہڈیون کو فلسطین سے قسطنطنیہ لے جانا بھی عجیب واقعہ ہے،

چوتھی صدی کے عیسوی مذہب کا جو بیان گبن کے تاریخ زوال روم جلد ۲ باب ۲۸ سے لیا گیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:-

"اور اس زمانہ مین دھڑلے سے ولیون، شہیدون اور راہبون کی مردہ ہڈیون اور تبرکون کی پوجا شروع ہوگئی تثلیثیون کی اس رغبت اور شوق سے ان کے دینی پیشوا پادریون اور ردیدہ نشینون کی دولتمندی کی ہوس مین تحریک ہوئی ان مقدس لوگون نے سمجھ لیا کہ ولیون اور شہیدون کی لاشین اور ہڈیان سونے چاندی اور جواہرات سے زیادہ بیش قیمت ہین یہ خیال جماکر تثلیثی دینی پیشوا اور پادری اس طرف متوجہ ہوگئے، اور تلاش کر کر کے اس بیش قیمت خزانہ کو اپنے گرجون اور خانقاہون مین رکھنے لگے، ان مذہبی ہادیون کے اس طریقہ سے تثلیثیون کی مخلوق پرستی کے شوق مین اور ترقی ہونے لگی، گبن بتاتا ہے کہ سینٹ اندرو، سینٹ لیوک اور سینٹ ٹیموتھی ان تینون ولیون کی نعشین تین سو برس کے بعد اون کے پرانے قبرستان سے نکالکر بڑے کروفر کے ساتھ قسطنطنیہ مین لاکر باسفورس کے کنارہ پر قسطنطین کے بنائے ہوئے حواریون کے گرجا مین دفن کر دگیئن، حضرت اسمٰعیل کی ہڈیان فلسطین سے برآمد کر کے ایک سونے کے برتن مین ریشمین چادر سے ڈھک کر عظیم الشان جلوس کے ساتھ قسطنطنیہ مین لائی گیئن جسکی زیارت کے واسطے فلسطین سے قسطنطنیہ تک زائرین کا تانتا بندھا ہوا تھا اور خود شہنشاہ آرکیڈیوس درباری امیرون کو ساتھ لیکر دور تک ان ہڈیون کے استقبال کو گیا تھا، مشرقی دارالسلطنت مین ان ہڈیون کی ایسی آؤ بھگت ہوئی جیسے کوئی زندہ رسول آیا ہو"

"تھیوڈوسیس ثانی کے عہد مین بیت المقدس کے ایک راہب لیوشن کے خواب کی بشارت پر، ولی استیفانوس کی نعش زمین سے نکالکر سیون کی پہاڑی کے ایک خاص گرجا مین دفن کر دگیئی جو اسی غرض سے بنایا گیا تھا، غرض اسی طرح سینکڑون ولیون درویشون اور شہیدون کی نعشین اور ہڈیان تلاش کر کر کے مشرقی اور مغربی رومن تخت گاہون کے گرجون اور خانقاہون مین رکھی جاتی تھین، تثلیثیون کا اعتقاد تھا کہ مرے ہوئے ولی اور شہید جو

آسمان پر حضرت مسیح کے ساتھ بادشاہت کر رہے ہین برابر اپنی رحم کی نظر زمین پر رکھتے ہین اور دعا مانگنے والون کی دعائین سنتے اور سمجھتے ہین دنیا کے کسی حصہ مین بھی ان سے مدد مانگنے سے مدد ملتی ہے، اس زمانہ مین صرف اصل ولیون کی ہڈیون کو تلاش کرکے لانے پر بس نہین کیا جاتا بلکہ بعض لاشون اور ڈھانچون کے فرضی نام رکھکر اونکی طرف کسی ولی یا شہید کے حالات منسوب کر دیئے جاتے تھے، یہ مخلوق پرستی صرف قسطنطنیہ اور رومہ کے تثلیثیون ہی مین مروج نہین تھی، بلکہ ان تخت گاہون سے ترغیب پاکر تمام دنیا کے تثلیثیون مین مردہ لاشون اور ہڈیون کی پوجا شروع ہو گئی تھی اور تمام تثلیثی دنیا نہ صرف "باپ بیٹا اور روح القدس" کو مخلوق کے کامون پر حاوی سمجھتی تھی، بلکہ مردہ ولیون شہیدون اور مقدس لوگون کو بھی قاضی الحاجات یقین کرتی تھی،،[1]

کتاب ۰۰ا صفحون مین تمام ہوئی قیمت ۸/ مشرف منزل علی گڈھ، یا دتاؤلی علیگڈہ کے پتہ سے ملے گی،

دکن مین اُردو،

مؤلفہ

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی،

اردو زبان کے تمام تذکرہ نویسون نے اگرچہ دکن کو اردو زبان اور اردو شاعری کا مسقط الراس تسلیم کیا ہے، لیکن دکن مین اردو زبان اور اردو شاعری نے دور بدور جس طرح ترقی کی ہے اسکی تاریخ سے ہمارے تمام تذکرہ نویس بالکل سرسری طور پر گذر گئے ہین، چنانچہ میر صاحب نکات الشعرا مین لکھتے ہین،

مخفی نماند کہ احوال یکے ازین شاعران سمت دکن کہ پُر بے رتبہ اند مگر بعض، چنانچہ ولی و سید عبد الولی و سراج و آزاد کہ معاصر ولی بود سر رشتۂ مربوط گوئی بدست ایشان

[1] ایضاً

یافتہ می شود باقی سر کلاغ داشت،

میر حسن دکن کے قدیم شعرار مین حبیب و حسن کے تذکرے مین لکھتے ہین،

"اکثر اشعار اینہا در بحر کیت بہ نظر آمدہ چون الفاظش ربط بیکدیگر نداشتند نقلم نیاورد"

لیکن اب زمانے کے ساتھ ساتھ تذکرہ نویسی کی حیثیت بھی بالکل بدلگئی ہے، پہلے صرف وہی شعرار قابل اعتبار خیال کئے جاتے تھے جن کے کلام مین کوئی شاعرانہ لطافت موجود ہو یا کم ازکم انکا کلام شاعرانہ معیار سے گرا ہوا نہ ہو، چنانچہ ہمارے تمام تذکرون مین اسی قسم کے شعرار کے حالات درج کئے گئے ہین اور اس حیثیت سے شعرائے دکن کی اصلی حیثیت بالکل نظر انداز کردیگئی ہے، لیکن اب تذکرون مین شاعرانہ لطافت سے زیادہ تاریخی تحقیق کی جستجو کیجاتی ہے، اور اس حیثیت سے ہماری نگاہ سب سے پہلے شعرائے دکن پر پڑتی ہے، اور قدرتی طور پر یہ سوالات پیدا ہوتے ہین کہ دکن مین اردو زبان کب پیدا ہوئی؟ وہان نظم و نثر کی ابتدا کب سے ہوئی؟ کس دور مین کون کون سے شعرار پیدا ہوئے اور انھون نے اصناف سخن مین سے کس کس صنف مین طبع آزمائی کی؟ ان کے کلام کا کس قدر حصہ محفوظ ہے؟ تقدم کے لحاظ سے نثر و نظم مین کیا نسبت ہے؟ یعنی پہلے نظم وجود مین آئی یا نثر؟ لیکن ان سوالات کے جواب دینے کے لیے جن تاریخی مواد کی ضرورت ہے نہ صرف دکن ہی مین موجود ہین، اور ان خزانون کے وقف عام کردینے کا فرض بھی اہل دکن ہی پر عائد ہوتا ہے، اور ہمین مسرت ہے کہ اب اہل دکن نے اس طرف خاص طور پر توجہ کی ہے، اور زیر تنقید رسالہ اسی توجہ کا نتیجہ ہے،

اس رسالے کے مؤلف نصیر الدین صاحب ہاشمی منشی فاضل ہین جنھون نے قدیم زمانے سے لیکر آج تک دکن مین اردو زبان کی نظم و نثر کو جس قدر ترقی حاصل ہوئی ہے، اسکی تاریخ مرتب کی ہے، اور سب سے پہلے اردو کے قدیم شعرار مثلاً وجدی، سعدی، سلطان محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، نشاطی غواصی، احمد خلیدی، شاہی، مرزا، شوقی، بیچارہ، بحری، طالب

نوری اور مومن کا ذکر کیا ہے، اوران کے کلام کے نمونے درج کیے ہین، ان نمونون مین اگرچہ غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ سب کچھ ہے، لیکن انھون نے اسکی تحقیق نہین کی ہے کہ اردو زبان مین ان مین کونسی صنف پہلے پیدا ہوئی؟ اور اوس کے پیدا ہونے کے اسباب کیا تھے؟

تاہم انھون نے جو نمونے درج کئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانے مین مثنوی گوئی کا زیادہ رواج تھا اور تقریباً ہر شاعر کوئی نہ کوئی مثنوی کہتا تھا. اس لیے اردو شاعری کی ابتدا غزل کے علاوہ کسی مسلسل ہی نظم سے ہوئی ہوگی، مصنف نے اردو کا پہلا شاعر وجدی کو قرار دیا ہے، جنکی دو مثنویان پنچھی نامہ اور تحفۂ عاشقان ملی ہین، پہلی مثنوی منطق الطیر کا، اور دوسری خسرو نامہ کا اردو ترجمہ ہے اور سال ترجمہ سنہ ۱۰۱۵ھ پنچھی نامہ ۱۱۵۵ھ مین ترجمہ ہوئی ہے، اسی لیے اس کے مترجم کی شخصیت کی نسبت شکوک ہین،

اس کے بعد مصنف نے اردو نثر کی ابتدا سے بحث کی ہے اور اگرچہ اس سلسلے مین اس تاریخی سوال کو نظر انداز کر دیا ہے کہ اردو زبان مین نثر پہلے عالم وجود مین آئی یا نظم؟ تاہم مولانا محمد حسین آزاد کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ دہ مجلس اردو زبان کی پہلی تصنیف ہے، اور اردو کی متعدد تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان مین نثر و نظم نے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے، چنانچہ عہد قطب شاہی مین مولانا عبداللہ نے سنہ ۱۰۳۲ھ مین ایک رسالہ لکھا جسکا نام احکام الصلوٰۃ ہے، اسی دور کی دوسری کتاب سب رس ہے جسکو ملا وجہی نے غالباً حضرت وجیہ الدین گجراتی متوفی ۹۹۸ھ کی تالیف سے ترجمہ کیا ہے، تیسری کتاب شمائل الاتقیا، ہے، جس کے اصل مصنف شیخ برہان الدین اورنگ آبادی نے فارسی مین لکھا تھا، مگر اس کا ترجمہ میران یعقوب نے سنہ ۱۰۶۸ھ مین کیا ہے، یہ تصوف مین ہے اور اچھی ضخیم کتاب ہے، مصنف نے ان کتابون کی اردو نثر کے نمونے بھی دیدیے ہین، جس سے اس زمانہ کی اردو زبان کی کیفیت معلوم ہوتی ہے،

غرض اس طرح دکن مین نثر و نظم نے آج تک جس طرح دور بدور ترقی کی ہے اوسکی مسلسل تاریخ لکھی ہے، اور شعرار و مصنفین کی نظم و نثر کے بہ کثرت نمونے دئے ہین، اخیر مین دکن کے اخبارات و رسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے، اور انکی فہرست دی ہے، جامعۂ عثمانیہ کا مفصل تذکرہ بھی موجود ہے جس نے موجودہ دور مین اردو زبان کو علمی زبان بنایا ہے، داغ و جلیل اگرچہ دکن کے رہنے والے نہ تھے لیکن چونکہ ان کی شاعری کا غلغلہ دکن ہی سے بلند ہوا ہے، اسلیے اس رسالے مین ان کا تذکرہ بھی موجود ہے، لیکن اردو زبان کے جو بڑے بڑے مصنفین اور انشاپرداز مثلاً مولانا شبلی، مولانا حالی، اور مولانا شرر وغیرہ ہوئے ہین اونکی سرپرستی بھی دکن ہی کی ریاست حیدرآباد نے کی ہے، اس لیے اگر اس سلسلے مین ان کا نام بھی شامل کرلیا جاتا تو اردو کی ترقی مین دکن کا حصہ اور بھی نمایان نظر آتا، بہرحال اردو زبان کی تاریخی تحقیق کی طرف جو قدم بڑھایا گیا ہے اوس کے لحاظ سے گو اس رسالے کو مکمل نہین کہا جاسکتا تاہم اس مین اس قسم کی معلومات کا ایک معتدبہ ذخیرہ موجود ہے اور اردو زبان کا آئندہ مورخ ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہی، یہ اردو زبان کی محققانہ تاریخ کا پہلا قدم ہے، اور اسلیے مصنف کی یہ محنت بیحد شکرگذاری کے لائق ہے،

کتاب کی ضخامت ۱۸۰ صفحے ہے، قیمت دو روپیے، پتہ:- مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب، ترپ بازار، حیدرآباد دکن،

سیرالانصار

حصۂ اول

سیرالصحابہ کا وہ حصہ جس مین انصار کرام رضی اللہ عنہم کے سوانح و حالات اور ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع سے بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گئے ہین، ضخامت ۳۶۵ صفحہ، قیمت ۳؎

مطبوعات جدیدہ

الایمان، مولوی مقتدی خانصاحب شروانی نے چھوٹے بچون کے ذہن نشین کرنے کے لیے آمنت باللہ ... کی سلیس اور صاف زبان مین تفسیر لکھی ہے جس کے پڑھنے سے اسلام کے سادہ اور صاف عقائد بچون کی سمجھ مین بہت آسانی سے آسکتے ہین، حجم ۱۵ صفحے کتابت وطباعت بچون کے پڑھنے کے لائق ہے، قیمت ۱ر پتہ مولوی محمد مقتدی خانصاحب شروانی مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ علی گڈہ،

حبیب القواعد اردو، مؤلفہ جناب محمد حبیب اللہ صاحب، یہ اردو کا ابتدائی قاعدہ ہے، طریقۂ تعلیم کے متعلق جابجا ضروری حواشی دیئے گئے ہین، حجم ۳۲ صفحے کتابت وطباعت اچھی ہے، قیمت ۱ر پتہ مولوی دین محمد صاحب کتب فروش بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۹،

تذکرۃ النحاۃ، یہ مولوی محمد جلیل صاحب نے عربی زبان کے چند نحویون کے مجمل تذکرے فارسی مین لکھے ہین، تاکہ عربی مدارس کے صرف ونحو پڑھنے والے طلبہ ان کا مطالعہ کرسکین، حجم ۱۸ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے، قیمت ۲ر پتہ:- محمد جلیل صاحب انصاری مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

خدائی انکم ٹکس، یہ خواجہ حسن نظامی صاحب کا ۴۰ صفحون کا ایک رسالہ ہے جس مین پہلے فلسفۂ زکوٰۃ پھر مسائل زکوٰۃ مختصراً بتائے گئے ہین، پھر آیت انما الصدقات للفقراء .... پیش کر کے علٰحدہ علٰحدہ اختصار کے ساتھ ہر مصرف کی توضیح کیگئی ہے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت ۱۰ر پتہ دفتر حلقہ مشائخ بکڈپو، دہلی،

ازواج النبی، مولوی عبداللہ الدلاوری صاحب ناظم دعوت وتبلیغ لاہور نے ازواج مطہرات سے متعلق آنحضرت صلعم پر غیر اقوام کی طرف سے جو بے معنی اعتراضات کئے جاتے ہین، اُس رسالہ مین

ان کے مدلل جوابات دئے ہین اور ہندؤن، یہودیون اور عیسائیون کی کتابون سے اس کا جواب الزامی دکھایا ہے، ۷۶ صفحے، کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے قیمت ۸؍ پتہ جمعیت دعوت وتبلیغ اسلام لاہور،

کاشف الاسرار، بہائیت کا فتنہ ایران سے گذر کر برما اور ہندوستان مین داخل ہوچکا ہے، زیر تبصرہ رسالہ مین جناب موسیٰ ابراہیم مانت متعلم بی اے کلاس رنگون یونیورسٹی کالج نے اسرار بہائیت کا پردہ چاک کیا، جہان اس کے فتنے موجود ہون وہان اس رسالہ کے پہنچانے کی ضرورت ہے حجم ۴۴ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت متوسط ہے، انجمن تبلیغ اسلام رنگون کو محصول ڈاک کے دو پیسے بھیج کر کتاب مفت منگائی جاسکتی ہے،

مثنوی فیاض، اس مین جناب محمد فیاض الدین صاحب فیاض نے چھوٹے چھوٹے سبق آموز اخلاقی قصے بطرز مثنوی لکھے ہین، حجم ۱۰۲ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے قیمت ۸؍ ہے، پتہ محمد فیاض الدین فیاض خطیب تعلقہ مومن آباد ضلع بیڑ (حیدرآباد)

ماہ نو، مصنفہ جناب محمد مبین صاحب نازش بدایونی، اس ناول مین گذشتہ جنگ یونان و ترکی کی جنگ سقاریہ کے واقعات بتائے گئے ہین تحریک کی نشو ونما کے حالات بھی ہین، لیکن اصول فسانہ نگاری کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے حجم ۸۰ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت محض معمولی ہے قیمت ۶؍ پتہ جنٹلمین بک ڈپو امین آباد لکھنؤ،

کی آف ہندوستانی سنپلیفائڈ، یہ ہندوستانی سنپلیفائڈ کی، جسے ڈی، ڈی ڈت نے لکھی ہے اردو تشریح ہے، کلکتہ، لاہور، لکھنؤ وغیرہ کے تاجران کتب سے ملسکتی ہے،

تبرنامہ، اس کے موضوع کا لب لباب واقعات کربلا کے سلسلہ مین شیعون کی مخالفت ہے جذبۂ اختلاف سے متجاوز ہو کر بعض صحابہ کرام کی شان مین بھی گستاخیان کیگئی ہین، حجم ۳۶ صفحے، کاغذ اور کتابت وغیرہ محض معمولی، اسلامیہ بک ایجنسی وزیر آباد پنجاب سے ۲؍ کے ٹکٹ بھیج کر منگائی جاسکتی ہے،

روئداد مسل مقدمہ آخرت، مؤلفہ جناب ابوالخیر صاحب وکیل ہائیکورٹ، یہ ، مضمون کا ایک اصلاحی رسالہ ہے جسمین آیات واحادیث کو پیش کر کے اعمال صالحہ واخلاق حسنہ کی تلقین کیگئی ہے، طرز بیان شستہ ہے، سرخیان قائم کرنے مین جدت کیگئی ہے اس کا مطالعہ مسلمانون کے لیے مفید ہے، قیمت عہ، کتابت وطباعت اچھی ہے اور کاغذ متوسط ہے، پتہ جناب ابوالخیر محمد خیراللہ صاحب وکیل درجہ اول نمکنڈہ ضلع ورنگل حیدرآباد،

ابتدائی تعلیم کی رام کہانی، مصنفہ منشی رام پرشاد صاحب بی اسے، یہ اصلاح تعلیم کے سلسلہ کی ایک کتاب ہے، اس مین مصنف نے نہایت وضاحت سے ہندوستانی دیہاتی مدارس کے نقائص بیان کر کے اونکی اصلاحی تدابیر بتائی ہین، پرائمری مدرسہ کے مدرسون کو اسے ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے، حجم ۲۵۲، تقطیع چھوٹی ہے کاغذ اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت ۱۲؍، پتہ جناب رام پرشاد صاحب بی اے سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس اٹہ،

فلسفہ عبادت، مصنفہ مولوی محمد عبداللہ صاحب، اس مین فریضہ صلوۃ پر مختلف نقطہ نظر سے بحث کر کے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء . . . کی مفصل توضیح اور آخر مین سورۂ فاتحہ کی مفصل تفسیر بیان کیگئی ہے، عبارت اور طرز ادا موثر ہے، مسلمانون کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہے، اور لوگون مین اسکی اشاعت کی حاجت ہے، حجم ۵۶ صفحے، کاغذ اور کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت عہ پتہ:۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب مہتمم مدرسہ اصلاح التعلیم امرتسر،

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی مین حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ ...... ۱۰؍
اسباق النحو حصہ اوّل و دوم، سہل طرز پر عربی گرامر اردو .... ۵؍ ۶؍
دیوان حمید، مولٰنا کا فارسی دیوان مع تصویر ... ۱۲؍
تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم مین .... ۲؍
خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمانؑ کا ترجمہ
دیوان فیض .... عہ؍

مولٰنا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد ثمود سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت ...... ع
ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱ ...... ۱۲؍
دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲؍
" " دوسری ریڈر طبع سوم ۴؍
رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم، .... ۳؍
حیات مالک، امام مالک کی سوانحعمری اور موطائے مالک پر تبصرہ .... عہ؍
خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اِس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفاے اسلام کے تعلقات اور سلاطین کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت .... ۸؍
دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد و جہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین قیمت .... ۲؍
خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا خدمتین انجام دی ہین، عہ
بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم ...... ۴؍
بشری، محبت الٰہی اور اسلام ------ ۸؍

مولٰنا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اوّل، صحابہ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے ضخامت ۳۵۰ صفحے
ایضاً جلد دوم، صحابہ کے سیاسی انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل ضخامت ۴۷۵، قیمت ...... عیہ
انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب جو قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۸؍
اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع قیمت .. ------ عہ
سیرۃ عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۂ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم قیمت ------- ۱۲؍

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد ؏ غیر مجلد ؏
مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فصیح

اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، مجلد عمار غیر مجلد ۱۲ر

مولوی عبدالماجد بی اے

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی، ۱ر

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح قیمت ع۸ر

تصوف اسلام، اسلامی تصوف کا عطر . . . . عہ

پیام امن، موسیو رچرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات دربارۂ امن عالم، و اخوت انسانی و خون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کی بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے جس مین انھین مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اردو مین بالکل نئے خیالات ہین۔ ۹۰ صفحے . . ۱۲ر

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت باختلاف کاغذ . . . . . . ۱۲ر و ۱۴ر

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، اعربی) معتزلہ کی مفقود اور نادر الوجود متعلق تفسیر قرآن کے اجزا، جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہے، قیمت ع۸ر

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہراتؓ اور عام صحابیاتؓ کی سوانحمریان اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے ۱۲ر

سیر الانصار حصہ اوّل، انصار کے حالات اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، ۸ر

پروفیسر سید نواب علی ایم - اسے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفۂ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ قیمت ۱۲ر

تاریخ صحف سماوی۔ توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول ۸ر قسم دوم، ۸ر

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی قومی و فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ ۱ر

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت کے اخلاق پبلک رہنماؤن کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین صفحہ ۲۴۳، عار

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، و جسکی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی کیا گیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین مل سکتا، ضخامت . صفحے قیمت ۱۲ر

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقایق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، . . . . عار

تذکرۃ الحبیب یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان، عہ

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

نومبر سنہ ۲۶ء

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف میں چھپکر
دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

جلد شانزدہم	ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۵ء	عدد پنجم

مضامین

شذرات

سوا مہینہ مدراس مین قیام کے بعد مین ۹ نومبر کو دار المصنفین واپس آگیا، شہر مدراس مین جنوبی تعلیمی اسلامی انجمن کے زیر اہتمام مسلمان طلبہ کے سامنے، اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے متعلق آٹھ خطبے مسلسل دیے، ان خطبون کے خلاصے وہان کے روزانہ انگریزی اخبارات ہندو اور ڈیلی اکسپریس مین برابر نکلتے رہے، اور دلچسپی سے سنے اور پڑھے گئے اکثر حضرات کا اصرار ہے کہ ان خطبات کو علیحدہ رسالہ کی صورت مین شائع کردیا جائے، اس اصرار کی تعمیل کا خیال پیش نظر ہے،

شہر مدراس کے علاوہ اس سلسلہ مین بنگلور مین تین خطبے وانمباڑی مین دو، ترپانور مین ایک خطبہ مختلف مذہبی عنوانات پر دیے گئے، بنگلور مین "دین کامل" کے عنوان پر پہلا خطبہ بہت بڑے مجمع مین دیا گیا تھا جس مین عام مسلمانون کے علاوہ ریاست میسور کے بعض بڑے ہندو عہدہ دار، اور بعض انگریز، اور بنگلور کے اکثر تعلیم یافتہ اصحاب شریک تھے، ایک مسلمان یورپین خاتون جنکا اسلامی نام زینب ہے، وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ جلسہ مین موجود تھین، اور باوجود اردو کم سمجھ سکنے کے بہت غور سے تقریر سنتی رہین، میری تقریر سے پہلے میسور یونیورسٹی کے فلسفہ کے پروفیسر واڈیا نے 'جو پارسی ہین' اسلام اور پیغمبر اسلام پر ایک پرمغز تقریر نہایت فصیح و بلیغ انگریزی مین کی، اسلام کی اس خود روشاعت کو دیکھکر حیرت کی ضرورت نہین، کہ آفتاب کی روشنی دنیا مین خود چمکتی ہے، دنیا اس کو نہین چمکاتی،

بنگلور مین میری دوسری تقریر "زندہ نبی" کے عنوان پر ہوئی، لوگون نے غلط فہمی سے سمجھا کہ اس موضوع کے تحت مین "حیات نبی" کے پرانے مسئلہ پر شاید گفتگو کیجائیگی، مگر تقریر کے بعد معلوم ہوگیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی ہونے کے کیا معنی ہین؟ تقریر مین ثابت کیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلعم اپنی سیرت، اپنی کتاب، اپنی سنت اور اپنی تعلیم کے لحاظ سے زندہ ہین، اور اسلیے کسی دوسرے مدعی نبوت کے لیے اس دنیا مین جگہ نہین،

پرانے مولویانہ دستور کے مطابق کہ جب کوئی نیا مولوی کسی شہر مین جائے تو اس شہر کے مولویون پر فرض ہوجاتا ہے کہ اپنے ہمجنس کو مناظرہ اور سوال و جواب کی تحدی کرین، چنانچہ میرے پہنچنے سے پہلے مناظرانہ اشتہارات نکلنے شروع ہوگئے، دینداری کی انتہا

کیون کیسی کہی ہ مولانا سلیمان ندوی جواب دین اور اسی طرح "وہابیت کا انکشاف" کے عنوانون سے پانچ اشتہارات تھوڑے تھوڑے وقفہ سے نکالے گئے، اور تمام شہر مین چسپان کئے گئے مگر یہ دیکھ کر ان کو سخت خجالت ہوئی کہ ان کے اشتہار کا بھی جواب میری طرف سے نہین ملا، بالآخر مجبور ہوکر انھون نے ایک آدمی کے ذریعہ سے میرے پاس مطبوعہ اشتہار بھجوایا کہ مین جواب دون اشتہار دیکھ کر مجھ کو ہنسی آ گئی، جیسی کہ انکو توقع تھی، مجھے ہنسی آ گئی، مین نے کہا کہ مجھے ضروری کامون سے اتنی فرصت نہین کہ اس غیر ضروری کام مین پڑون، انھون نے کہا کہ "سوال کا جواب دینا ایک عالم کا مذہبی فرض ہے"، مین نے عرض کی اگر درحقیقت ایک ناواقف کو ان سوالون کا جواب جاننا مقصود تھا تو اسکی آسان تدبیر یہ تھی کہ میرے پاس آکر یا خاص تحریر بھیجکر جواب حاصل کرنا چاہئے تھا، نہ یہ کہ اونکو چھاپ کر کوچہ بکوچہ، مسجد بہ مسجد، دربدر مشتہر کرنا تھا، کہ مجیب سلیمان شہر کے ایک ہی گوشہ مین فروکش ہے، وہ بقاعدہ وحدۃ الوجود ہر گوشۂ شہر مین جلوہ نما نہین ہے، اس جواب نے ان کو لاجواب کردیا۔

ہر شہر مین خوب غور سے دیکھیئے تو یہ عنصرِ فاسد ہر جگہ وہی ملے گا جو بریلی کے دار التکفیر سے متاثر ہے، کیا عجیب بات ہے کہ آج مذہب کے نام سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین جو بدعتین ہو رہی ہین ان کو بعینہ **حنفیت** کے مرادف سمجھا جاتا ہے حالانکہ مذہب حنفی تمامتر اُن سے پاک ہے، مگر ان عالم نما جاہلون اور اُن کے بے علم معتقدون کو کون سمجھائے کہ ان کے نزدیک اونکے عہد سے پہلے کا ہر لکھا ہوا ورق، صحیفۂ اسلام کا ہمپایہ اور دین محمدی کا اساس ہے، آج ہر بدعت جو مذہب مین پھیلی ہے اوسکو فقہ حنفی کا خاص مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور جو اُس کو غلط کہے وہ وہابی اور فاسد العقیدہ ہے، اعوذ باللہ من ھذا الجھل،

میری خاموشی نے جو عین حکم قرآنی کی تعمیل تھی کہ اعرض عن الجاھلین اشتہار بازون کو شرمندہ کردیا، اور انھین معلوم ہوگیا کہ اسلام کے خادمون کا کیا شیوہ ہونا چاہیئے مین نے اپنی ایک تقریر مین اپنے مفتیون کے فتویٰ کے جواب نہ دینے کا سبب ان لفظون مین دیا تھا کہ "مجھے کافرون کو مسلمان بنانے سے فرصت نہین جو مسلمانون کو کافر بناؤن" اس جواب کی سچائی ایک خاص واقعہ کی بنا پر ہمارے مخالفون پر بھی روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی، اور انھون نے تسلیم کیا، و للہ الحمد،

ناشکری ہوگی اگر مین مدراس کے احباب کا شکریہ نہ ادا کرون، مدراس کے تعلیمی قومی ہیرو سیٹھ حمید حسن صاحب

بی اے ایل ایل، بی (علیگ) جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب مولانا محمد صدیق صاحب بہاری مبلغ جمعیتہ دعوت و تبلیغ، جناب ایم جمال محمد تاجر چرم، سی عبد الحکیم صاحب، سید جیلانی صاحب، جناب مدیکار عبد العزیز صاحب، جناب اُو، پی، عبد الکریم صاحب، کے حاجی محمد عمر صاحب اور جلال حاجی عبد الکریم صاحب، برادرم مولوی نذیر حسین صاحب برادر زادہ مولانا عبد القادر صاحب قصوری، اور شیخ دوست محمد صاحب پنجابی اور آخر مین اپنے دو حریف فن افضل العلماء، پروفیسر عبد الحق ایم اے اور شمس العلماء مولوی عبد الرحمٰن صاحب شاطر مصنف اعجاز عشق کی مہربانیون کا شکر گذار ہون جنھون نے ہمیشہ مسافر نوازی کا حق ادا کیا۔

ایم جمال محمد صاحب جو ان خطبات کے اصلی محرک تھے، وہ مدراس کے ایک روشنخیال، شریف اخلاق، فیاض اور حد درجہ متواضع تاجر ہین، دیگر متفرق عطیون کے، اسو ماہوار وہ صرف تعلیمی درسگاہون پر اپنے پاس سے صرف کرتے ہین، مجھے خوشی ہے کہ میری تحریک پر انھون نے پچاس روپیہ ماہوار بمد وظائف دار العلوم ندوۃ العلماء کے لئے بھی مقرر کر دیا ہے، جزاہ اللہ خیرًا، ارکان ندوۃ العلماء دل سے اون کے شکر گذار ہین،

مدراس نے ندوۃ العلماء کی ہمیشہ مدد کی ہے، دار الاقامہ کی مد مین بھی اس نے کچھ دیا ہے، مگر مین اپنے اس سفر کے معاوضہ مین دار العلوم مین ایک مسجد کی تعمیر کا خرچ احباب مدراس سے وصول کرکے چھوڑونگا۔ ہمارے مخلص کرمفرما حاجی جلال عبد الکریم صاحب کو اپنا وعدہ یاد رکھنا چاہئے، سی عبد الحکیم صاحب بھی امید ہے کہ وہ اپنے اکہتر کا وعدہ فراموش نہ کرین گے،

مولوی عبد الرحمٰن صاحب شاطر کو لوگ ان کے اعجاز عشق کے سبب اکثر جانتے ہونگے، وہ شاعر اور فلاسفر ساتھ ہین، وہ اتفاق سے اسٹیشن پر میری مشایعت کی غرض سے جب پہنچے تو گاڑی چل چکی تھی، مگر انھون نے فلسفیانہ متانت کی رفتار کو تیز کرکے فلسفہ کے دامن پر داغ لگانا نہ چاہا، پہلے انھون نے شاعری یہ کی کہ اپنے پیچھے سلسلہ ستارے کا ہار جو ان کے شعرون کی طرح نظم ثریا تھی اپنے ہاتھون سے اس گنہگار گلے مین نہ ڈال سکے، تو اسکو ڈاک سے بھیجکر میری عزت افزائی کی،

مدراس مین جو سب سے عجیب چیز دیکھی وہ ایک شاعری کا گھرانا تھا، شاطر صاحب کے والد مرحوم فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے، شاطر صاحب خود اردو و فارسی کے برجستہ گو شاعر ہین، انکی اہلیہ محترمہ اور انکی دو صاحبزادیان بھی فارسی کی شاعرہ ہین، شاطر صاحب نے فرمائش

کی کہ مین ان خواتین کو مصرع طرح دون، چنانچہ اپنی واپسی کی مناسبت سے حافظ شیراز کا یہ مصرع زبان پر آیا،

بہ شہر خود روم و شہر یار خود باشم،

دو تین گھنٹہ کے بعد انکی اہلیہ نے اس پر تین شعر اور انکی چھوٹی صاحبزادی نے پانچ شعر کہکر بھیجے، مین دیکھکر دنگ رہ گیا، بڑی صاحبزادی نے ایک اور طرح امتحان دینا منظور کیا کہ نثر مین کوئی واقعہ ان کے حوالہ کر دون، وہ اسکو نظم کر دنگی، مین نے سیرۃ النبی حصۂ دوم سے حضرت جابرؓ اور انکے یہودی قرضخواہ کا واقعہ نکالکر دیا، تھوڑی دیر کے بعد انھون نے اوس واقعہ کو شاہنامہ کی بحر اور زبان مین مثنوی کے دس پندرہ شعر مین نظم کر کے بھیجدیئے، نثر مین پہلا فقرہ یہ تھا "حضرت جابرؓ روایت کرتے ہین" انھون نے نظم مین ادا کیا

روایت کند جابر نامدار

آج ہندوستان مین عورتون کی نفس فارسی تعلیم کیاب ہے پھر فارسی مین شعر کہنا اور اس طرح فی البدیہہ شعر کہنا کس درجہ حیرت انگیز ہے، اور یہ سب پرانی طرز تعلیم کے ساتھ انجام پایا ہے، بارک اللہ فی بیت العلم ھذا،

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی امداد کے سلسلہ مین خوست کورلی بلوچستان کے پرجوش مسلمانون کا پہلے بھی ہم شکریہ ادا کر چکے ہین، اور آج یہ نادر موقع پھر ہاتھ آیا ہے، خوست کورلی انجمن کے صدر مسٹر اوسوال محمد کی طرف سے دو سو اکتیس روپیے پھر وصول ہوئے ہین، ہم بصدق دل ان محسنون کا شکریہ ادا کرتے ہین،

نگار بھوپال کے کسی پچھلے پرچہ مین "خطا کے شہزادے" کے عنوان سے کسی "اہل خطا" کا مضمون شیعی نقطۂ نظر سے نکلا ہے، جسمین ایک جچا تلا طرز تکلم مین اہل سنت کی کتب حدیث، اور امام اہل سنت حضرت احمد بن حنبلؒ اور سیرۃ نبوی کے ایک بیان اور اس کے مصنف مرحوم پر بیباکانہ حملے کئے گئے ہین، نفس تنقید مین کوئی برائی نہین لیکن جس شیطانی طرز تحریر مین وہ مضمون ادا ہوا ہے وہ سخت قابل افسوس ہے، اگر یہ مضمون برطانی ہند مین چھپتا تو یقیناً وہ برطانی قانون مطابع کی زد مین آتا، مگر نہین معلوم اس بارہ مین ریاست بھوپال کے کیا قواعد ہین، اڈیٹر نگار نے ایک خاص شان سے وعدہ کیا ہے، کہ ایک مہینہ کے انتظار کے بعد وہ بالآخر خود اسپر قلم اٹھائین گے، معارف بھی اس سلسلہ مین کچھ عرض کریگا، مگر نگار کی نگارش دیکھ کر: شاید کہ دہی کافی ہو،

مقالات

نظمِ ملت

مسلمانون کی پراگندگی اوران کی پریشان خیالی کی جو داستان اگست اور ستمبر کے پرچون مین لکھی گئی تھی، وہ میرے اتفاقی سفر کے باعث رک گئی تھی، پچھلے دو سلسلون مین دکھایا گیا تھا کہ اس وقت دنیائے اسلام منتشر اور پراگندہ گھرانون کا مجموعہ ہے، جن مین کوئی رئیس بیت نہین، اور اسکا علاج صرف خلافت اور امامت کبری کے منصب کا قیام ہے، لیکن اس منصب کے قیام سے مقصود محض لفظی خلافت اور امامت کا اعادہ نہین، بلکہ معنوی طور سے اس کے اصلی مفہوم مین، مسلمان قومون کی جمعیت کی ریاست اور سرداری ہے، مگر یہ خوب سمجھ لیجئے کہ اس معنوی خلافت و امامت یا مسلمان قومون کی جمعیت کا قیام اوس وقت تک لفظی ہی رہیگا، جب تک تمام مسلمان قومین علحدہ علیحدہ مستقل طور پر خود اپنے ملک کے اندر منتظم اور شیرازہ بند نہ ہون، کسی دھاگے مین ایک امام کے باندھنے سے تسبیح نہین بن سکتی، جب تک اس کے سب دانے بھی اوس دھاگے مین پروئے ہوئے نہون،

اس وقت دنیائے اسلام مین دو قسم کی قومین ہین ایک وہ ہین جہان اونکی آبادی کی کثرت ہے، اونکی ملکی تنظیم خود اُن کی قومی تنظیم کے مرادف ہے، ایسے ملک دو قسم کے ہین، ایک تو وہ ہین جو حقیقت مین خودمختار اور آزاد ہین، جیسے ترکی، ایران، افغانستان، یمن، نجد، وغیرہ، ان کو اپنی مضبوطی اور ترقی کی کوشش کرنی چاہیے دوسرے وہ ملک ہین جو برائے نام قومی خودمختاری یا اپنی حکومت رکھتے ہین، جیسے مصر، عراق، شام، حجاز،

مراکش، تونس، بخارا، آذربائجان وغیرہ، روسی ممالک، ان کو حقیقی آزادی اور خود مختاری کی کوشش کرنا چاہیئے، تیسرے وہ ملک ہین جہان گو مسلمانون کی کثرت ہے، مگر ان کو سیاسی آزادی نصیب نہین وہ غیر قومون کی محکوم اور ماتحت ہین، جیسے ملک کاشغر چین کا ماتحت ہے، الجزائر فرانس کا ماتحت ہے، جاوا ہولینڈ کا ماتحت ہے ان ملکون کو اپنی سیاسی آزادی حاصل کرنا ہے اور اس کے بعد مسلمان قومون کی جمعیت مین وہ داخل ہو سکتے ہین، چوتھے وہ ملک ہین جہان گو مسلمانون کی تعداد ہر ایک اسلامی ملک سے زیادہ ہے تاہم ان کو اپنے ملک مین اکثریت حاصل نہین، ایسے بدقسمت ملک دنیا مین صرف دو ہین **ہندوستان** اور **چین**، ان دونون ملکون کی سیاسی اور ملکی آزادی وہان کے مسلمانون کے لیے بھی گو صد درجہ ضروری ہو تاہم ملکی حالت کے اختلاف کی بنا پر ان دونون ملکون کی سیاسی اور ملکی آزادی، اس ملک کے مسلمانون کی تنظیم کے مرادف اور ہم معنی نہین ہو سکتی، اسی لیے ہندوستان و چین کے مسلمانون کو اس مسئلہ پر تمام دنیا کے مسلمانون سے زیادہ اپنا وقت اور اپنی ہمت صرف کرنی چاہئے،

یہ کوئی چھپا راز نہین کہ آیندہ ہندوستان کی حکومت کی کوئی سی بھی شکل ہو، وہ خواہ ایک آزاد حکومت زیر سایۂ برطانیہ ہو، یا بڑھکر ایک آزاد جمہوریہ بن جائے تاہم وہ کوئی اسلامی حکومت نہ ہو گی، اور اسکی ملکی تنظیم مسلمانون کی ملی تنظیم کے قائم مقام نہین ہو سکتی، اسلیے یہ صد درجہ غور کے قابل حقیقت ہے،

ہندوستان مین ہمارے محترم دوست ڈاکٹر سیف الدین **کچلو** اور ان کے رفقا نے **تنظیم** کے نام سے ایک آل انڈیا مجلس کی بنیاد ڈالی ہے، جہان تک اس کے اصول و مقاصد کا تعلق ہے کوئی عقلمند مسلمان اسکی مخالفت نہین کر سکتا، لیکن ہم اپنے دوست کی خدمت مین یہ عرض کرنا چاہتے ہین کہ جس چیز کو وہ تنظیم سمجھ رہے ہین وہ حقیقت مین تنظیم کے فروع ہین، اصل نہین، شاخین ہین، جڑ نہین، اوصاف و عوارض ہین، جوہر نہین، وہ تنظیم کے نتائج کا رہین تنظیم کا رشتہ نہین، اسلامی فرقون مین مصالحت کا پیغام نیا نہین یہ **ندوۃ العلماء** کی پرانی آواز ہے جس پر اوسکو کفر کی سندین ملین، یتیمون اور بیواؤن کا انتظام، مسجدون کی نگرانی، مسلمانون کے اقتصادیات کی اصلاح، مدرسون اور مکتبون کا اجراء اور اسی قبیل کی چیزین تنظیم کے عملی کام ہین، مگر خود تنظیم نہین تنظیم کے

بغیر ان کامون کو انجام دینے کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے بنیاد کے بغیر دیوار کھڑی کرنا، بلکہ دیوار کے بغیر چھت ڈالنا ہے،

جیسا کہ ہمارے دوست اپنی تقریرون مین کہا کرتے ہین کہ وہ تنظیم کے نام سے کوئی نیا پیغام نہین لائے ہین،
بلکہ وہی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا پیغام ہے جو دوبارہ سنایا جارہا ہے، یا اب یاد دلایا جارہا ہے، واقعہ یہی ہے
مگر دیکھنا یہ ہے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے والی تنظیم کیا تھی؟

کم از کم میرے لیے تنظیم کا تخیل نیا نہین ہے، اس وقت جب ہمارے رہبرون کی وہان تک نگاہین بھی
نہ تھین، اسی معارف کے صفحات پر آج سے نو سال پہلے میرے خیالات اوس وقت ظاہر ہو چکے ہین، جب
مسٹر مانٹیگو کی تشریف آوری کے موقع پر فرنگی محل کی دعوت پر علمار کا وہ شاندار اجتماع محلسرائے فرنگی محل
مین ہوا ہے، جس مین علمائے اسلام کی طرف سے یہ سوچا جارہا تھا کہ حکومت سے ہمارے کیا مطالبات ہون،
اور سنا ہے کہ یہ طے پایا تھا کہ یہ مطالبہ کیا جائے کہ شرابی اور غیر پابند شرع مسلمان کونسلون کے ممبر نہ ہوسکین،
اس مقالہ کا عنوان "مسلمانانِ ہند کی تنظیم مذہبی" ہے اس مین ظاہر کیا گیا تھا کہ جس طرح اسلام کے تمام دور
مین، اور خود ہندوستان کے اسلامی عہد مین، اور اس وقت بھی اکثر اسلامی ملکون مین ایک امور مذہبی کا صیغہ
صیغہ ہائے حکومت کا ایک جزر تھا، رہا ہے، اور ہے، اسی طرح حکومت ہند آج بھی مشیخۃ اسلامیہ یا اور کسی
نام سے اس صیغہ کو قائم کرے، اور تمام دوسرے صیغون کی طرح اس کی بھی بہ ترتیب اور مقام وار شاخین قائم
ہون، اور اس کے ماتحت ہر جگہ مسلمانون کے مذہبی مقدمات طلاق، نکاح، فسخ، وراثت وغیرہ طے ہون،
اور مدرسون مکتبون اور اوقاف کا انتظام اور مساجد اور ان کے امامون اور موذنون کی دیکھ بھال سپرد ہو، یہ
زمانہ اور تھا، حالات اور تھے، اب زمانہ نے پلٹا کھایا ہے، ترک موالات کی خلیج حائل ہے، اب قومین حکومت
کی مدد کے بغیر اپنا کام آپ کرنے کے لیے آمادہ ہو رہی ہین، اور اس خیال سے کہ گذشتہ مجوزہ طریقہ تنظیم مین جہان
بھلائیان تھین، وہان یہ بھی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ قوم کے گلے مین غلامی کا ایک اور نیا سنہری طوق پڑ جائے،
اور سرکاری "علمار" کی تعداد مین اور غیر معمولی اضافہ ہوجائے اس تجویز کے آگے بڑھانے مین ہمیشہ خطرہ رہا،

مسلمانون کی حقیقی، اصلی اور جوہری تنظیم وہی ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے قائم کیگئی تھی، اور وہ یہ ہے کہ ہر ایسے ملک مین جہان مسلمانون کی حکومت نہین، اور اکثریت بھی نہین، ایک امارت یا امامت قائم کیجائے خاص قواعد شرعی کے ساتھ انتخاب ہو، اس کے لیے ایک مجلس شوری ہو، اور تمام افراد اس کے ہاتھ پر شرعی بیعت کرین، اور اس کے ہر شرعی حکم کو ایک حکومت کے حکم کی طرح واجب التعمیل سمجھین، جس کا مخالف مذہبًا عاصی اور گنہگار، اور ملت کے رشتہ سے کٹ جانے والا ہوگا،

بدبختی یہ ہے کہ ہم یورپ کے خیالات، افکار اور طریقۂ کار سے اس قدر متاثر ہوگئے ہین کہ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہین، وہی خیالات، وہی اصطلاحات اور وہی صورت حال ہمارے سامنے آجاتی ہے جب ہم اپنی قوم کی شیرازہ بندی کرنا چاہتے ہین، تو انھین کی بتائی ہوئی تدبیر ہم کو سوجھائی دیتی ہے، آزادی سے انھین کی آزادی سمجھ مین آتی ہے، ارگنزیشن، اور ڈسپلن سے انھین کا لفظی ترجمہ تنظیم و ترتیب باقاعدگی خیال مین آتاہے

امت محمدیہ کی تنظیم خود بانی امت کی تعلیم کے مطابق ہونی چاہئے، سرکار امت علیہ السلام نے سب کچھ بتایا ہے، اور کرکے دکھایا ہے، اسی کی تلاش اور جستجو کی ضرورت، اور اسی بنیاد اور اساس پر اپنی ٹوٹی اور شکستہ دیوار کے درست کرنے کی حاجت ہے، حضرت سرکار رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا تو عرب کی قوم ہم سے زیادہ منتشر اور پراگندہ تھی، ہم سے زیادہ عداوتون اور دشمنیون مین مبتلا تھی، ہم سے زیادہ بدحال اور خستہ و خراب تھی، لیکن حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور کوششون سے اور جناب باری عزاسمہ کی توفیق سے اس طرح متحد منتظم اور یک رشتہ ہوگئی، کہ کانہ بنیان مرصوص گویا کہ یہ ایک دیوار ہے جس مین سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا ہے، اور اوسکی سب اینٹین جڑکر ایک ہوگئی ہین، یعنی اونکی فردیت فنا ہوکر جماعت کا جزو ہوگئی ہے،

جسکو ہم تنظیم کہتے ہین، اس کا شرعی نام جو محمد رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے نکلا ہے، وہ جماعت ہے تنظیم کرنے کو "جمع" یا "جمع کلمہ" اور تنظیم ہونے کو اجتماع یا اجتماع کلمہ کہا گیا ہے، اس جماعت کے صدر یا رئیس کا نام امام یا امیر اور اس کے ارکان مشورہ کا نام اولوالامر ہے، ڈسپلن کا شرعی نام جسکی تاکید محمد رسول اللہ صلعم نے کی ہے، اطاعت

اور آزادی کے اظہار کا نام قول حق ہے، اگر ہم مسلمانوں کی تنظیم اور شیرازہ بندی کرنا چاہتے ہیں اور یقیناً مسلمانوں کو زندہ رہنے کے لیے اس تنظیم کی حاجت ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بغیر اس کے ہیئت اسلامیہ کا وجود ہی نہیں ہو سکتا آج ہمارے سینکڑون کام ہین، ہر کام کے لیے ایک ایک عالمگیر مجلس یا انجمن بنے قائم کی ہے، قوم پر اثر رکھنے کے لیے تاکہ ان کے کامون کے لیے ان کو روپیہ ملتا رہے، آج ہر شہر مین ہر اسلامی مجلس، اور انجمن دوسری مجلس اور انجمن سے ٹکرا رہی ہے، ہمارے ہر کام کی ابتدا گداگری سے ہوتی ہے، اور کم از کم دو تین نسلین اینٹ چونے کی عمارت اور فراہمی سرمایہ مین کھپ جاتی ہین، اور کارکنون کو اصلی کام کا موقع یا ملتا ہی نہین یا کم ملتا ہے، اور یہ ہماری تباہی کے اسباب ہین، ان سب کا علاج یہ ہے کہ ہماری ہیئت اجتماعی یا جماعت بندی پوری طرح کیجائے، اس کے بغیر یا ہم صرف منتشر اور بکھرے افراد ہین، جماعت نہین، اور اسلیے ہم اس حالت میں کسی جماعت اور کسی قوم کا مقابلہ نہین کر سکتے، یا مختلف مجلسون اور انجمنون مین بٹے ہوئے مختلف ٹولیان ہین، جو خود باہم ہاتھا پائی مین مصروف ہین، مختلف خانوادون اور پیرون کے مرید ہین، جو الگ الگ حصون میں بٹے ہوئے ہین، اور آہ! کہ وہ کیفیت ہے جو قرآن پاک نے کبھی نامسلمون کی بتائی تھی کہ

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتّٰى	(حشر)	بظاہر تو ان کو ایک سمجھئے حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے بٹے ہوتے ہین،

امت محمدیہ کی شیرازہ بندی کس دھاگے سے ہے، اور اسکی تنظیم کس رسی سے ہے،

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا	(آل عمران)	اے مسلمانو! اور خدا کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا،

اور منع کیا کہ تمھاری زندگی ان دوسری قومون کی طرح نہ ہو جنہین کوئی رشتہ اور نظام نہین،

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ	(آل عمران)	اور ان لوگون کی طرح نہ بنو، جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور کھلے کھلے احکام کے آنے کے بعد آپس مین اختلاف کرنے لگے اور انھین کیلئے بڑا عذاب ہے،

آخرت میں تو جو عذاب ہو رہے ہے اس دنیا میں بھی یہی ہیں جو ہر جگہ ناکام اور ٹھگا ئے اور لوٹے اور نقصان میں بچے ہیں، نہ انکی جماعت کا کوئی نظم ہے، نہ انکا کوئی اجتماعی کام ہے، نہ قومی عزم ہے، نہ دشمنوں پر ان کا رعب ہے، اور اس نتیجہ کو خود قرآن ہی نے ظاہر کر دیا تھا، اور مسلمانوں کو اس سے مطلع کر دیا تھا،

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا — اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو
وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (انفال) — ورنہ تم سست پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی،

رسول اللہ صلعم کا جب عرب میں ظہور ہوا تو عرب کا قبیلہ قبیلہ جدا تھا، اور جیسے آج تمہارا فرقہ فرقہ جدا ہے، اور ہر فرقہ کا نیا قبلۂ مقصود اور نیا کعبۂ امید ہے، آپ کی برکت سے دشمن، دوست مختلف متحد، منتشر مجتمع ہو گئے، اور قبائل نے ملت، اور افراد نے امت کا پیکر بدلا، اس نظم اور وحدت کا جو نتیجہ نکلا وہ سب کے سامنے ہے، بعثت محمدی کی برکتوں میں سے یہ سب سے بڑی برکت ہے جو قومی حیثیت سے عرب کو حاصل ہوئی، خدا نے اس پر احسان جتایا، اور فرمایا،

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ — اور اپنے اوپر خدا کے احسان کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے
بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران) — تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو اسکی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہو گئے"

اسی نظم و اتحاد سے مسلمانوں پر خدا کی نصرت اتری، اور جب اتر گئی اسی طرح اتر گئی، اسی لیے اس نظم و اتحاد کے پیدا کر دینے کو خدا نے اپنا خاص فعل قرار دیا،

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ — وہی خدا ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تیری
بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ — مدد کی، اور ان مسلمانوں کے دلوں کو باہم جوڑ دیا اور اگر تو روے
وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (انفال) — زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتا تو ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتا لیکن خدا نے ان میں باہم الفت پیدا کر دی، بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے

اس نظم و اتحاد و تالیف اور اجتماع کے پیدا کرنے کی اوس زبردست حکمت والے نے تدبیر کیا بتائی ہے؟ سب سے پہلی چیز اطاعت ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاذْكُرُوا اللَّهَ — اے مسلمانو! جب کسی گروہ سے مقابلہ آ پڑے تو خدا کو بہت یاد

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (انفال)

کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو، اور خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں نہ جھگڑو، ورنہ پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی،

کسی دوسری قوم سے مسلمانون کو کامیاب مقابلہ کے لیے پہلی شرط خدا کی یاد اور اس پر اعتماد اور بھروسہ ہے، اور دوسری خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ آپس مین لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرین،

یہ حقیقت سامنے آنی چاہیئے کہ جس طرح رسول کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہے، اور رسول کی اطاعت اوسکی اطاعت کے سوا نہین ہے، اسی طرح رسول کے جانشینون کی اطاعت بھی خود رسول کی اطاعت ہے، اسلئے رسول کے بعد ان امرار یا امامون کی اطاعت فرض ہے، جو صحیح طریقہ سے اوسکی نیابت کا حق ادا کرین، قرآن پاک کی اُن تمام آیتون مین جہان رسول کی اطاعت کی تاکید ہے، اگر وہان کوئی قرینہ ایسا نہین ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہان نبوت کی حیثیت ملحوظ ہے، تو وہان رسول کی اطاعت کے ضمن مین اوس کے نائبون اور جانشینون کی اطاعت بھی داخل ہے، اور اسی بنا پر احادیث مین امرا اور امامون کی اطاعت مسلمانون پر فرض کیگئی ہے، قرآن پاک کی دوسری آیت مین ہے،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے مسلمانو! خدا کی اطاعت کرو، اور رسول اور اپنے سردارون کی اطاعت کرو،

خدا کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور امت کے امرار اور اماموں کی اطاعت مسلمانون پر واجب ہے، اور یہی ایک صورت مسلمانون کی تنظیم اور شیرازہ بندی کی ہے، اگر خود رسول اللہ صلعم کی حیات مین اولی الامر سردارون اور امامون کی اطاعت واجب تھی تو آپ کے بعد تو اور زیادہ ضروری ہوگی، یہان ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ الرسول اور اولی الامر ایک ہی فعل اطیعوا (اطاعت کرو) کے تحت مین مفعول ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت بعینہ رسول کی اطاعت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اولی الامر کی اطاعت

اسی حالت مین واجب ہے جب کہ اونکا حکم خود رسول کے حکم کی تجدید و تائید ہو،

بعض لوگون نے اولی الامر کے معنی مین اختلاف کیا ہے، مگر یہ تو زبان عرب کا لفظ ہے اس کے معنی لغت سے معلوم ہو سکتے ہین، یلی ھذا الامر مشہور محاورہ ہے، احادیث مین سینکڑون دفعہ یہ لفظ ھذا الامر آیا ہے، لیکن اس کے معنی خلافت، حکومت، مسلمانون کی سرداری، اور ریاست کے آئے ہین حضرت ابوبکر اپنی تقریر مین کہتے ہین کہ یہ امر قریش کے علاوہ کسی اور قبیلہ مین ہوگا، تو عرب تسلیم نہ کرین گے، خود قرآن ایک موقع پر کہتا ہے،

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ (نساء)

جب ان منافقون کے پاس امن یا خوف (یعنی اچھی، بری) کی کوئی خبر آتی ہے تو وہ اس کو شہرت دیتے ہین، اور اگر اس خبر کے بارے مین وہ رسول اور سردارون کی طرف رجوع کرتے تو اُن مین سے جو لوگ بات کی حقیقت سمجھتے ہین وہ اسکو سمجھ سکتے، اور اگر خدا کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو چند کے سوا تم سب شیطان کی پیروی کرتے،

ان پاک آیتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولی الامر کے کیا معنی ہین؟ یہ ضروری نہین ہے کہ اولی الامر کے معنی صرف قوت قاہرہ اور قوت نافذہ والے امراہی کے ہون، کیونکہ ظاہر ہے کہ رسول کی موجودگی مین کسی دوسرے کو یہ قوت حاصل نہ تھی، اس وقت رسول کی حیثیت امام اعظم کی تھی، اور دوسرے سردارون کی امام اصغر کی تھی جو اپنے قبیلون، یا فوج کے دستون، یا درس کی مسندون پر متعین تھے،

اسی آیت مین مسلمانون کی تنظیم و شیرازہ بندی کا نقشہ بھی ہے، کہ جب دشمن کی کوئی خبر ملے یا اور کوئی اہم واقعہ معلوم ہو تو اس کی اشاعت کی مصلحت کو صرف امامون اور سردارون کے ہاتھ مین سپرد کردینی چاہیے، اس کی خبر پہلے امامت اور امارت کے مرکزی موقع پر پہنچانی چاہیے، تاکہ اگر وہ مصلحت سمجھین تو اوسکی اشاعت کرین، یا اس خبر کی تحقیق کرین، اور اس تنظیم اور جماعت کے نظام سے روگردانی

نفاق کی علامت اور شیطان کی پیروی ٹہرائی گئی، اور اسی لیے ایسے اشخاص جو اس جماعت کا ساتھ چھوڑ دین اون کو قتل تک کر دینے کی اجازت دیگئی،

ہم نے اوپر کی سطرون مین قرآن کی آیتون سے جو کچھ ثابت کرنا چاہا ہے، وہی احادیث صحیحہ سے ثابت اور واضح ہے، آپ فرماتے ہین،

من اطاعنی اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی (بخاری، کتاب الاحکام)	جسنے میری اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی، اور جسنے میری نافرمانی کی، خدا کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جسنے میرے امیر کی نافرمانی

آپ فرماتے ہین،

اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ (بخاری، احکام)	سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تمپر سردار بنایا گیا ہو جس کا سر سوکھے منقی کی طرح کیون نہ ہو،

پھر ارشاد ہوتا ہے،

من رای من امیرکم شیئا فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الامات میتۃ جاھلیۃ (بخاری احکام ومسلم کتاب الامارہ)	جو تم مین سے کوئی اپنے امیر سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ کوئی جماعت سے علحدہ ایک بالشت بھی علحدہ ہو جائے اور اسی حالت مین مرجائے، تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی

دیکھو یہی جماعت کا لفظ اس حدیث مین قومی نظام کے معنی مین بولا جارہا ہے، اس بارہ مین سب سے زیادہ صاف اور واضح حدیث حضرت حذیفہ والی روایت ہے، حضرت حذیفہ صحابی کہتے ہین کہ لوگ رسول اللہ صلعم سے خیر اور بھلائی کی نسبت سوال کیا کرتے تھے اور مین شر اور برائی کے بارہ مین دریافت کیا کرتا تھا کہ وہ مجھے کہین پا نہ لے، مین نے عرض کی یا رسول اللہ ہم عرب جہالت اور بدی مین مبتلا تھے خدا اسلام کی یہ بھلائی لایا، تو کبھی اس بھلائی کے بعد پھر برائی کا دور بھی آئے گا، ارشاد ہوا، ہان! آئے گا، دوبارہ

گذارش کی کہ کیا اس کے بعد پھر بھلائی کا زمانہ آئیگا، فرمایا ہان کسی قدر دل کے بگاڑ کے ساتھ، عرض کی وہ بگاڑ کیا ہوگا، فرمایا کچھ ایسے لوگ ہون گے جو میرے طریقہ کے خلاف چلین گے، اچھی باتین بھی کرین گے، بری باتین بھی کرین گے، گذارش کی، کیا اس اچھائی کے دور کے بعد پھر برائی کا دور بھی آئے گا، فرمایا ہان متفرق لوگ ہین جو جہنم کے دروازون کی طرف لوگون کو بلا رہے ہونگے، جو ان کی بات مانے گا، وہ اس کو دوزخ مین پہنچادین گے، عرض کی یا رسول اللہ اونکی صفت بیان فرمادیجئے، ارشاد ہوا کہ وہ ہماری ہی قوم کے ہونگے، اور ہماری ہی زبان بولتے ہون گے، عرض کی، حضور! اگر یہ زمانہ میرے سامنے آجائے تو کیا حکم ہے فرمایا، تلزم جماعة المسلمین وامامھم مسلمانون کی جماعت کو اور اس کے امام کو لازم پکڑو عرض کی یا رسول اللہ اگر نہ مسلمانون کی کوئی جماعت ہو اور نہ کوئی اون کا امام ہو تو کیا حکم ہے، فرمایا تو اس وقت ان سب مختلف فرقون کو چھوڑ کر علحدہ ہو جاؤ، اگر درخت کی جڑ کھا کر زندگی بسر کرو یہانتک کہ تمکو موت آجائے تو یہ بہتر ہے،

یہ حدیث صحیح بخاری کتاب الفتن اور صحیح مسلم کتاب الامارہ مین ہو کہ یہ حدیث ہماری موجودہ مشکلونکی مختلف گرہون کو کھولتی ہے،

۱۔ پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ مسلمانون کا نظام وہی اونکی جماعت ہو، اور اس جماعت کا رئیس وہی ان کا امام ہے،

۲۔ اسی امامت کے وجود سے جماعت کا وجود ہو، اگر امامت نہین تو جماعت بھی نہین، بلکہ وہ بٹے ہوئے فرقے مین،

۳۔ مسلمانون کے تمام قومی اور اجتماعی کام اسی وقت جائز ہین جب پہلے اونکی جماعت کا کوئی امام ہو، اسلئے مسلمانون کی اجتماعی زندگی کا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ وہ امام کے نصب وقیام کے بعد ایک جماعت بنجائین،

۴۔ اگر امامت نہ ہوگی، تو جماعت بھی نہ ہوگی اور جب جماعت نہ ہوگی تو ان کا کوئی کام درست نہ ہوگا،

۵۔ اسلیے جب مسلمانون مین امام وجماعت نہو تو افراد کو جماعتی کامون کو چھوڑ کر تنہا اپنی ذاتی نجات کی فکر کرنا چاہیے کہ امام وجماعت نہ ہونے کی صورت مین جماعتی کام کا خیال وقت عزیز کو ضائع کرنا ہے،

بنابرین ان تمام لوگون کو جو مسلمانون کا اجتماعی وجود چاہتے ہین جو اون کے جماعتی کاروبار کو چلانا چاہتے ہین، سب سے پہلے خود مسلمانون کو فرقون کے بجائے جماعت بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اسی کا نام نظم ملت ہے،

اس تخیل پر بعض گوشون سے یہ فقیہانہ اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ کتب فقہ کے دفتر مین کسی ایسی امامت کا وجود نہین جسکے ہاتھ مین احکام کے اجرار کی فوجی اور سیاسی طاقت نہ ہو، سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے مطابق اگر ہم اپنی جماعت بنانا چاہین، تاکہ ہمکو وہ منصوص قوت حاصل ہو تو پہلے وہ قوت حاصل کرنی چاہیئے جو جماعت کا نتیجہ ہے، یا پہلے جماعت بنانا چاہیئے جسکا نتیجہ قوت ہے؟ اسلام پہلے جماعت بنایا قوت؟ اب اگر اسلام ہندوستان مین قوت سے محروم ہے تو اوسکو پہلے قوت بنا چاہیئے یا جماعت؟ آنحضرت صلعم نے ۲۳ برس نبوت کی یعنی مسلمانون کی امامت فرمائی، مگر ظاہری قوت کی مدت صرف دس برس ہے، تو کیا مکہ معظمہ کے ۱۳ برسون مین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاطاعت امام نہ تھے، اور مسلمان آپکے ہر حکم کی بجا آوری کے لئے مامور نہ تھے کہ آنحضرت صلعم کے دست مبارک مین تنفیذ کی ظاہری قوت نہین، کیا یہ عقیدہ اور یہ استنباط صحیح ہے؟ حبش کے ملک مین مسلمان مہاجرین کی حیثیت ایک جماعت کی، اور حضرت جعفر کی حیثیت ایک نائب امام کی نہ تھی؟ جماعت علت ہے، اور قوت معلول، قوت علت اور جماعت معلول نہین ہے، جماعت پہلے پیدا ہوتی ہے، اور قوت بعد کو، قوت پہلے اور جماعت بعد کو نہین پیدا ہوتی، اور اگر یہ صحیح ہے کہ قوت کے بغیر امامت و پیشوائی اور جماعت کا خیال غلط ہے، تو پھر اس باب مین کیا ارشاد ہے کہ "محروم القوۃ پیرون" کے ہاتھ بیعت جائز ہے یا نہین؟ اور انکی اطاعت واجب ہے یا نہین؟

یہ تو بیچ مین جملہ معترضہ تھا، اصل یہ ہے کہ مسلمانون کی تنظیم کا اصلی شیرازہ اُن کی جماعت ہے، اور اس جماعت کا مرکز ایک واجب الاطاعت شخصیت، اور اس کے ساتھ بحکم وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (مسلمانون کا کام یا حکومت آپس کے مشورے سے ہے) اولوالامر اور ارکان شوریٰ کا وجود ہے کہ خود امام الاولین والآخرین کو بھی بارگاہ الٰہی سے یہی حکم تھا،

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ اور اے رسول! یا اے مسلمانون کے امام! ان مسلمانون سے باہم مشورہ کر کر لیا کر

اس نظم جماعت کے ماتحت ہمارے تمام کام کسی نزاع کسی تصادم اور کسی باہمی جھگڑے کے بغیر انجام پا سکتے ہین، مسلمانون نے ابھی چند سال پہلے اس نقشہ کے مطابق اپنی جماعت، اپنی اطاعت اور مرکزیت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا تھا اس کا حیرت انگیز نتیجہ انھون نے دیکھا، اگر یہ چیز پوری طرح، کامل ہمیت کے ساتھ اور پورے نظام کے ساتھ قائم ہو جائے، تو مسلمان حقیقت مین مسلمان ہو جائین،

اس بحث کے ابھی اور اطراف باقی ہین، اور اس کے متعلق ہم بہت کچھ کہنا چاہتے ہین بشرطیکہ مسلمان سننا بھی چاہین،

فرائض تمدن

بسلسلۂ گذشتہ

از مولوی عبد الباسط صاحب بی اے بچھرایونی

جہان ماہرین فلسفہ متفقہ طور پر اس کے حامی ہین کہ نوع انسانی کے تمدن پر اقلیم یا آب وہوا، غذا سرزمین اور مناظر فطرت اپنا کافی اثر ڈالتے ہین وہان یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اِن مین سب سے زیادہ نتائج جس چیز سے انسانی تمدنی زندگی پر مرتب ہوئے ہین وہ فراہمی دولت ہے، ہر ملک وملت مین جب ایک خاص حد تک دولت جمع ہوجاتی ہے، اس وقت وہ مختلف طریقون سے ترقی کرنا شروع کرتے ہین خود علم کی ترقی دولت کی افزونی سے وابستہ ہے، جس وقت تک ہر فرد خود اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے مین ہمہ تن مصروف رہے گا، اس وقت تک نہ تو کسی کو اعلیٰ ترین مشاغل کا ذوق وشوق ہوگا، اور نہ اوسکی فرصت ملیگی کہ وہ کوئی جدید ترقی کرسکے، اگر کسی سوسائٹی کے تمام افراد اسقدر صرف کردین، جس قدر کہ وہ کماتے ہون تو ان کے پاس کچھ سرمایہ ان لوگون کے لیئے پس انداز ہوگا، جو دراصل فراہمی سرمایہ کیلئے فطرةً ناقابل ہین، لیکن اگر آمدنی خرچ سے زائد ہوگی تو بافراغت لوگون کی ایک ایسی جماعت قائم ہوجائیگی جو زیرکی وفہم اور عقل ودانش مین اپنے سے زیادہ متمدن ممالک سے کسی طرح کم نہ ہونگے اور تھوڑے ہی عرصہ مین ملک ترقی کرتا چلا جائے گا، اس وقت اسکی ضرورت باقی بھی نہ رہیگی کہ تمام اشخاص انفرادی حیثیتون سے علیحدہ علیحدہ رزق رسانی کے لیے محنت کرین بلکہ وہ اپنا وقت اس سے زیادہ کارآمد کام مین صرف کرسکین گے اور علم وعقل کی روشنی مین مختلف طلسمات نیرنگ عالم دیکھ سکین گے، اور اس طرح ایجاد واختراع کا دروازہ کھل جائے گا،

اب ہم اس امر سے بحث کرتے ہین کہ قوانین انسانی اور حقوق الناس متمدن زندگی مین کس درجہ

اثر رکھتے ہین، یہان یہ امر واضح ہوجانا چاہیئے کہ کسی سوسائٹی کی عادلانہ تنظیم کا انحصار صرف اکراہ و اجبار پر موقوف ہوتا ہے اسمین سلاطین وقت یا ان کے قوانین مروجہ کو بہت کم دخل ہوتا ہے کیونکہ وہ اقوام جو بالطبع مطلق العنان ہوتی ہین ان کے لیے رعب سلطانی اور قوانین ملک بالکل بے اثر ہوتے ہین، اسی طرح وہ قوم جو اصل معنون مین امن پسند اور عاقل ہوجاتی ہین ان کے لیے بھی قوانین کی فطرۃً کوئی ضرورت باقی نہین رہتی، جو قوانین کہ ایک خاص وقت مین مفید ثابت ہوتے ہین وہی دوسرے وقت بیکار اور بتدریج مضر ہونے لگتے ہین، اس لیے بہترین اصول یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ زندگی کے مختلف شعبون مین سخت اور قطعی قوانین وضوابط قائم کئے جائین افراد مین اس امر کی کوشش کیجائے کہ ان مین خصائل حسنہ اور اعمال وافعال پسندیدہ پیدا ہون لیکن ابتدا مین ناروا آزادی کی روک تھام کے لیے قوانین کا وجود ضروری ہے چونکہ جس چیز کو لوگ خوف سے کرتے ہین وہ بتدریج عادت ہوجاتی ہے اور پھر اسی کو وہ اپنی شوری آزادی سے انجام دینے لگتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ اول قانون وجود مین آتا ہے پھر عادت اور پھر نیکی، اصل منشائے قانون لوگون کے حقوق وفرائض کی اقامت اور تنظیم ہے اور یہ دونون چیزین باہم لازم وملزوم ہین، جب ایک شخص کوئی حق رکھتا ہے تو دوسرون پر نہ صرف اس حق کی حرمت فرض ہوجاتی ہے بلکہ ساتھ ہی اس حق کو فلاح عامہ کے لیے استعمال کرنے کا فرض بھی اسی عائد ہوجاتا ہے یعنی حقوق الناس کے یہ معنی ہین کہ رفاہ عام کے لیے اس کو بعض چیزون کا مالک بنا دیا گیا ہے،

حقوق دو قسم کے ہوتے ہین، اول حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد یا حقوق الناس، اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ غایت تخلیق اشرف المخلوقات کی بنا یا انتہا صرف ان دونون اقسام کے حقوق کا اپنی زندگی مین کامل طور پر انجام دینا ہے، حقوق اللہ سے وہ حق مراد ہین جو خالق مطلق نے اپنی مخلوق کے ذمہ اپنے متعلق عائد کئے ہین اور ان کی فرضیت نص صریح سے ظاہر ہے ان حقوق کا ادا کرنا ہر فرد انسانی کے لیے خالق کی رضا جوئی کی غرض سے فرض ہے اگر اسکی غایت خوشنودی خالق نہ ہوگی تو وہ

حق پورا نہ ہوگا، بلکہ اس کا شمار ریا مین ہوگا،

دوسرے حقوق العباد ہین ان مین سے بعض وہ حقوق جنکا تعلق افراد کو صرف اپنی ذات سے ہوتا ہے اور ان مین سے بعض وہ ہین جو ایک شخص کے ذمہ دوسرے بنی نوع کے حقوق بہ حیثیت نوع انسان مختلف طریقون پر واجب ہوتے ہین، ان مین سے سب سے اول ہم ذاتی فرائض کو لیتے ہین، ہر شخص بخوبی واقف ہے کہ ترکیب انسانی دو اجزا سے مرکب ہے، اور وہ دونون ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہین ان مین سے ایک جسم دوسرا روح ہے اور باوجود اس کے کہ ان کی طبائع بالکل متغائر ہین لیکن ان دونون مین ایسا عجیب وغریب اتحاد پایا جاتا ہے کہ ایک کے متاثر ہونے پر دوسرا ضرور متاثر ہوتا ہے لہذا ہر انسان پر یہ فرض ہے کہ وہ ان دونون وجودون کی بخوبی حفاظت کر سکے، علامہ لاک لکھتا ہے کہ "وہ سعادت وفلاح جس سے دنیا مین فائدہ اٹھانا انسان کے لیے ممکن ہے اس کے واسطے دو چیزین لازمی ہین اول عقل صحیح دوسرے جسم سالم" یہ دونون نعمتین تمام دیگر نعمتون کی اصل ہین، اور جس شخص کے پاس یہ دونون موجود ہین وہ دراصل بڑا خوش قسمت ہے چونکہ یہی دونون سعادت اور شقاوت کی بنیاد ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو دو قسم کی ضروریات ہوتی ہین ایک روحانی ضروریات جو نفسانی سعادت اور روحانی فلاح کو مستلزم ہین اور دوسری جسمانی ضروریات جو جسمانی سعادت کو مستلزم ہین، اب نفسانی یا روحانی ضروریات تو وہ ہوئین جنکے استعمال مین لانے سے انسانی نفس صحیح سالم اپنے فرائض کی انجام دہی کے قابل رہتا ہے، اور جسمانی ضروریات وہ ہین جنکی بدولت جسم تندرست اور ان فرائض کی انجام دہی کے قابل ہو جاتا ہے جو اس دنیوی زندگی مین اس کے ذمہ فرض کئے گئے ہین،

اب ان حقوق الناس مین سے جنکا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے منجملہ دیگر حقوق کے اہم ترین حقوق، حقوق زندگی، آزادی، ملکیت، معاہدہ اور تعلیم قرار دیئے جا سکتے ہین،

انسانی حقوق مین مقدم ترین حق زندہ رہنے کا ہے، اس سے مطلب یہ ہے کہ تکمیل نفس

ایک شخصی چیز ہے، ورنہ اگر اس کو غیر شخصی شئے تصور کر دیا جائے تو پھر اس پر شخصی حیات قربان کیجا سکتی ہے لیکن غور کرنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جس نفس یا شخصیت کی تکمیل مقصود بالذات ہے وہ دراصل انفرادی نہین ہے بلکہ ایک حد تک اجتماعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع ایسے پیش آجاتے ہین جہان افراد کی قربانی جماعت کے لئے مستحسن قرار دیجاتی ہے لیکن یہ صورتین دراصل مستثنیات مین سے ہوتی ہین عام طور پر یہ اصول مسلمہ نہین ہے بلکہ عمومی حیثیت سے انسانی فلاح انسانی حیات کے بقا اور تحفظ ہی کی مقتضی ہے اس لئے حرمت حیات کا حق تمام حقوق مین اوّل ہے ،

غیر متمدن اقوام مین اس حق کی حرمت کا لحاظ نہین کیا جاتا اپنے ذاتی فوائد کو ملحوظ رکھکر بچون کو معرض ہلاکت مین ڈالدیتے ہین، اسیران جنگ اکثر تہ تیغ کر دیئے جاتے ہین لیکن متمدن اقوام اس حق کا بہت زیادہ پاس وادب کرتی ہین اور حتی الوسع ان مواقع سے احتراز کرتی ہین جہان اس حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے،

زندگی کے حق کے بعد آزادی کا حق ہے انسان فطری اور خلقی طور پر آزاد پیدا کیا گیا ہے اس کو آزادی کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے کسی ہادی کی ضرورت نہین ہے کیونکہ انسان مین آزادی کا احساس منجملہ ان احساسات کے ہے جسکی طرف انسان فطرۃً مائل ہوتا ہے، یہی وہ آزادی ہے جس کا شعور ہر ذی عقل انسان اپنے نفس مین پاتا ہے، تمام تاریخی واقعات اور حادثات اسی آزادی پر مبنی ہے، وہ کونسی آزادی ہے جس کے حصول کی غرض سے یورپ نے نہایت جانبازی کے ساتھ جہاد کیا ہے اور اپنی عزیز جانین تک قربان کردین؟ وہ کونسی آزادی ہے جسکی نسبت ڈیولو (BE.VEUX) بکتا ہے کہ "آزادی دنیا کی ہر قسم کی سعادت و فلاح سے افضل ہے" اور جسکی وکٹر ہیگو (VICTOR HUGO) ان الفاظ مین مدح سرائی کرتا ہے کہ "آزادی ایک ایسی ہوا ہے جو نفس انسانی کی زندگی کے لیے ایک ضروری اور لابدی شے ہے"

کیا اس آزادی سے یہ مراد ہے کہ انسان تمام قیود اور ہر قسم کے روابط سے آزاد ہو کر محض بے قید اور مطلق العنان ہو جائے اگر اس آزادی کو اس کے معنی کہا جاتا ہے تو یہ اس لفظ آزادی کا بالکل ناجائز استعمال ہے،

خود سری یا مطلق العنانی کسی حالت مین بھی کسی خوش نظم یا متمدن سوسائٹی مین جائز نہین قرار دیجا سکتی ہے، اس سے تو یہ مراد ہوگی کہ کس جماعت کے ہر فرد کو یہ حق ہوگا کہ وہ جو اس کا دل چاہے کرے، وہ آزادی جس کے اشتیاق مین تمام قومون کے فلاسفر بے چین ہین وہ معتدل آزادی ہے جسکی بدولت انسان اپنی تمام قوتون کو جو قدرت سے اسکو عطا کیگئی ہین، بغیر کسی مزاحمت وخوف کے استعمال کر سکے بشرطیکہ وہ ان حدود مقررہ سے متجاوز نہ ہو، جو عادلانہ قوانین نے قرار دیدی ہین کیونکہ اگر ان حدود سے متجاوز ہوگا تو وہ قوم کے دیگر افراد کے لیے مضر ثابت ہوگا، اور اس طرح اصول تمدن کے خلاف ثابت ہوگا اسی معتدل آزادی کے ضمن مین نفس کی آزادی عقلی آزادی، اور علمی آزادی بھی آسکتی ہین،

حق آزادی کے بعد حق ملکیت ہے اس آزادی سے جو فرض انسان کے ذمہ عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو عاقلانہ اور عادلانہ طور پر فلاح عامہ کے لیے استعمال کیا جائے وہ اقوام جو اس فرض کی انجام دہی مین کوتاہی کرتی ہین ان کو یہ حق نہین دینا چاہیئے، چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ ابتدائی اقوام مین یہ حق بالکل مفقود ہے، افلاطون کا یہ خیال ہے کہ ایک اعلیٰ نظام حکومت مین تمام چیزین مشترک ہونا چاہئین اس کے نزدیک ملکیت شخصی کا کوئی حق نہین ہے، یہی وہ اصول ہے جسکی بنا پر موجودہ زمانہ مین **بالشویک** تمام ملکیت کو شخصی ملکیت سے نکالکر ہر فرد بشر پر یکسان مشترک ملکیت مین دینا چاہتے ہین، وہ افلاطون کے اس معنی مین بھی ہم خیال ہین، کہ اقوام مین عقد یا نکاح زن وشو کی رسم محض ایک لغو اور لایعنی شے ہے، توالد وتناسل یا ترقی نسل کے لیے منجملہ دیگر اشیار کے عورت کو بھی کسی شخص واحد کی ملکیت مین نہ ہونا چاہیے، اس مشترک یکسان ملکیت سے اقوام کو جو نقصان عظیم پہنچا ہے اس کا اندازہ ان اقوام کی مجموعی

حالت دیکھنے سے بخوبی ہوجاتا ہے جس مین یہ اصول تھوڑے ہی عرصہ تک رائج رہتے ہین،

دیگر اشیا کی مشترکہ ملکیت مین سے جو ایک حد تک ناممکن الوقوع صرف صنف نازک ہی کو لیجئے کہ جن اقوام مین مذہبًا یا رسمًا اس کا رواج ہے وہ متمدن سوسائٹی مین کس نظر سے دیکھی جاتی ہین اگر تعصب سے کام نہ لیا جائے تو انکی نسبت یہ فتویٰ دیدینا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ وہ دراصل بے حیائی اور بے شرمی کا مجسمہ ہے،

ملکیت کے حق کے بعد ہم حق معاہدہ" سے بحث کرتے ہین یہ وہ اخلاقی فرض ہے جس سے باہم ایک دوسرے سے جو معاہدہ ہو اسکو پورا کرنے کا فرض انسان کے ذمہ عائد ہوتا ہو، تمدن کے ابتدائی درجات مین معاہدہ دراصل کوئی شے ہی نہین ہوتا اور ایفائے وعدہ سے ہر شخص نا آشنائے محض ہوتا ہے، وہان قوت بازو فیصلہ کن رکن ہوتا ہے ہروہ فرد جس مین نسبتًا دوسرے اشخاص سے قوت وطاقت زیادہ ہوتی ہے وہ اپنا کام نکال لیتا ہے چنانچہ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ "جماعتین اپنی طبعی حالت سے معاہدہ کی طرف ترقی کرتی ہین،" جس کے یہ معنی ہین کہ ہر متمدن سوسائٹی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس عہد یا معاہدہ کو جو آپس مین طے ہو ہر حالت مین پوری پابندی کے ساتھ وفا کرے اگر ایفائے عہد کسی سوسائٹی یا جماعت سے مفقود ہوجائے تو اس کے افراد مین اتحاد و موانست ایک منٹ بھی قائم نہین رہ سکتی اور نتیجہ پوری جماعت کی بربادی ہوتا ہے،

اس کے بعد اسی طرح "حق تعلیم" سے ہم وہ حق مراد لیتے ہین جس کے ذریعہ سے نفس عاقلہ کی تکمیل ہوتی ہے، ایک اعلیٰ نظام اور متمدن سوسائٹی کے لیے نہ صرف تعلیم محض بلکہ اعلیٰ تعلیم ضروری اور لازمی چیز ہے، جس کے بغیر متمدن ہونا بہت دشوار ہے، تمام کتب سیر اس پر شاہد ہین کہ تمام وہ اقوام اور ممالک جو تمدنی ترقیات مین پیچھے ہین وہ ہمیشہ سے تعلیم سے بے بہرہ رہی ہین، غیر متمدن زندگی کے زنگ کو جو چیز صیقل کرکے صاف کرتی ہے اور اس کو ابھار کر متمدن طبقہ سے لاملاتی ہے وہ صرف تعلیم ہے،

اس سے واضح ہوگیا کہ تمام جماعتوں کے لیے جو تمدنی زندگی مین فائق ہونا چاہتی ہین یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے افراد کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام کرین، آج تمام وہ اقوام جو مدارج تمدن کے ملأ اعلیٰ پر نظر آتی ہین صدیون پہلے سے اپنے افراد کی تعلیم مین منہمک اور سرگردان رہی ہین، جب ان کے نفوس عاقلہ کی پورے طور پر تکمیل ہوچکی تو زمانہ کے متمدن افراد مین شمار ہونے لگی ہین، یہان تعلیم سے مراد کوئی خاص تعلیم مغربی یا مشرقی یا کسی خاص جگہ یا قوم کی نہین ہے بلکہ اس سے مراد وہ تعلیم ہے جس کے ذریعہ سے دماغ نشو ونما پاکر جہالت کی تاریکیون سے نکل جاتا ہے،

ان تمام حقوق الناس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمکو یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ جس قوم وملت کے ہم فرد ہین اسکی اعلیٰ ترین ترقی اور فلاح وبہبودی کے لیے ہماری زندگی کے نشو ونما کو جو ذرائع اور وسائل درکار ہین ان پر ہمکو پورا پورا حق حاصل ہے اوران تمام ذرائع اور وسائل کو اسی مقصد کے لیے استعمال کرنا ہمارا تمدنی فرض ہونا چاہیئے،

ترکیب تمدن

انفرادی ہستیان جب کسی ایک رشتہ مین منسلک ہوتی ہین تو ان کی مختلف صورتین پیدا ہوسکتی ہین، منجملہ ان کے سب سے اول مجموعہ ایک خاندان یا قبیلہ کی صورت مین ظہور پذیر ہوتا ہے، یہ جماعت چند افراد کا باہم رشتہ قرابت سے وابستہ ہونے کا نام ہے اس کا اصل اصول موانست فطری ہوتی ہے اور یہی اس کے قیام کا باعث ہوتی ہے، اس کا مقصد دراصل بیچارگی طفولیت کی حفاظت وخبرگیری اور فطری محبت وموانست کے ساتھ ایک دوسرے سے ربط واتحاد ہے، یہ نظام قدرتی طور پر اس خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے کہ کوئی دوسرا نظام ایسا نہین ہوسکتا، ایام طفولیت یا شیرخوارگی مین جو حفاظت یا خبرگیری والدین کرتے ہین وہ کوئی بہتر سے بہتر نظام سلطنت بھی نہین کرسکتا، اسی طرح دوستی کا دائرہ جس قدر کم ہوگا اسی قدر اس مین پائداری اور خلوص زیادہ ہوگا، خاندان کا ایک بزرگ مثل ایک بادشاہ کے

ہوتا ہے اور اس کے خور د سب اس کے احکام کے ماتحت ہوتے ہین، حسب مشورہ خاندان وہ تمام امور کی انجام دہی کے لیے حسب مراتب احکام نافذ کرتا ہے اور اس طرح پر تمام خاندانی کام انجام پاتے ہین، اندرونی اور بیرونی تمام معاملات خاندان کے سامنے پیش ہوتے ہین اگر کوئی مسئلہ متنازع فیہ ہوتا ہے تو وہ ہر دو فریق کے بیان سنکر بزرگ خاندان کے ہاتھون طے پاتا ہے، سلطنت روم مین ایک بزرگ خاندان کے اختیارات بہت وسیع ہوتے ہین یہانتک کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو قتل کر سکتا تھا گویا خاندان ایک جمہوریت کا نمونہ ہے گو چھوٹے پیمانے پر ہو مگر اصول بالکل یکسان ہین اسی طرح چند خاندان سے ملکر جو ایک جماعت بنتی ہے اس کو قوم کہتے ہین، قوم مین بھی مثل خاندان کے تمام ان حقوق کی بدرجہ اکمل پابندی ہوتی ہے، تمام قوم کا ایک سردار قرار دیدیا جاتا ہے اور اسی کے مشورہ ورائے کے مطابق قوم کے تمام مراحل طے پاتے ہین، ہر فرد قوم کا اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ وہ تمدنی فرائض کی پابندی کرے، ایک قوم بحیثیت اپنی ذات کے بمقابلہ دوسری اقوام کے متحد ہوتی ہے، بیرونی دشمنون سے محافظت اور اندرونی معاملات کی تنظیم اس کا فرض منصبی ہوتا ہے، جب چند اقوام ملجاتی ہین تو اس سے ایک ملک یا سلطنت کی بنیاد پڑتی ہے اور اس طرح حکومتین اور سلطنتین معرض وجود مین آتی ہین

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خاندانی تعلقات کی بنیاد باہمی فطری محبت پر ہوتی ہے، لیکن اس سلسلہ سے قطع نظر کرکے جب ہم کاروباری زندگی پر سطحی نظر ڈالتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہین، چونکہ کاروبار مین صرف باہمی معاہدہ ہی شرط ہوتی ہے اس کو کوئی تعلق فطری جذبات سے نہین ہوتا ہے، وہان تعلقات مربیانہ ہوتے ہین، یہان افسری اور ماتحتی کے تعلقات ہوتے ہین اگرچہ خاندان مین بھی یہی حاکم و محکوم کا رشتہ ہوتا ہے لیکن نوعیت جداگانہ ہوتی ہے، وہان تو ایک مربی اپنے کمسن متعلقین کی بہ حیثیت مربی تعلیم و تربیت کرتا ہے، یہان صرف ایک معاہدہ ہے، جس کیلیے وہ ایک خاص کام کے لیے مقرر ہوتا ہے، اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے ایسے قوانین وضوابط ترتیب

دیئے جائین جن سے ماتحت لوگون پر تشدد نہ ہو سکے اور حاکم محکوم کو درجہ غلامی تک نہ پہنچا سکین،

زمانہ گذشتہ وحال کا موازنہ ہم کو یہ بتاتا ہے کہ جس قدر زمانہ تمدنی ترقیات مین گام زن نظر آتا ہے اسی قدر خلوص وموانست مین کمی اور محض رسم ورواج مین ترقی روز افزون ہوتی جاتی ہے، زمانہ سابق مین ایک آقا اور خادم کا باہمی کاروباری تعلق مثل ایک خاندانی تعلق کے ہوتا تھا، جو معاہدہ کاروباری حاکم محکوم مین ہوتا تھا وہ موانست وخلوص کی زنجیر سے مستحکم ہوجاتا تھا، آقا کا اخلاق خادم کے اخلاص پر سیمنٹ کا کام کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ آقا کا برتاؤ مربیانہ ہوتا تھا، اور خادم کا طرز عمل مودبانہ اور مخلصانہ ہوتا تھا، آقا کی خوشحالی اور نیک نامی سے خادم کو دلی مسرت ہوتی تھی، اور اس پر کسی قسم کی مصیبت خادم کے لیے سوہان روح ہوتی تھی، لیکن فی زماننا یہ واقعات محض افسانہ ہوکر رہ گئے ہین، اکثر وفادار خادم اپنے آقاؤن کے لیے اپنی عزیز جانین تک قربان کردیتے تھے،

اسی طرح استادون اور شاگردون کا برتاؤ مخلصانہ اور مربیانہ ہوتا تھا، شاگرد اپنے اساتذہ کا خیال اپنے والدین سے بھی زیادہ کرتے تھے، ان کے ادب مین اپنی بہبودی وفلاح تصور کرتے تھے، کسی خاص علم کے ماہر استاد کی شاگردی کو اپنا فخر جانتے تھے اور صدہا کوس کی منازل پاپیادہ طے کرکے ان کے پاس پہنچتے تھے اور بالآخر سقراط زمان اور افلاطون دوران ہوتے تھے، علمائے سلف کی سوانح اس پر شاہد ہین کہ وہ پہلے شاگردان رشید کو مثل اپنی اولاد کے تربیت دیتے تھے، اور سچے دل سے چاہتے تھے، کہ جو کچھ وہ خود جانتے ہین وہ سب اپنے شاگردون کو ذہن نشین کرادین، یہی وجہ تھی کہ اکثر شاگرد اپنے استاد سے بعض اوقات کسی خاص فن مین زیادہ ماہر ہوجاتے تھے،

جن کی قابلیت اور ذہانت پر خود استادون کو بجا طور پر ناز وفخر ہوتا تھا، اور وہ اسکے لیے مائہ ناز ہوتے تھے، تاریخ وکتب سیر اس کی شاہد ہین کہ اساتذہ اور شاگردون مین جو رشتہ ہوتا تھا وہ بیحد خلوص اور موانست پر مبنی ہوتا تھا، برخلاف اس کے موجودہ زمانہ مین ہر طالب علم یہ سمجھتا ہے کہ وہ کچھ روپیہ خرچ کرتا ہے،

جس کے بدلے اس کے استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کو تعلیم دیدے اور وہ بھی ایک خاص وقت معینہ پر،
اسی طرح استاد یہ خیال کرتے ہین کہ وہ ایک مقررہ رقم کے عوض ایک محدود زمانہ تک اپنا کچھ حصۂ وقت
صرف کر دین بلا لحاظ اس کے کہ اس کا مقصد اصلی حاصل ہو یا فوت نہ ایک دوسرے کا خیال، نہ ادب نہ
پاس، نہ اخلاص و مودت، نتیجہ یہ ہے کہ شاگرد محض ڈگری یافتہ بے عمل ہوتے ہین،

اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ جب مربیانہ تعلق کسی فطری رشتۂ محبت پر مبنی نہین ہوتا تو اسمین کسی قسم کا خلوص باقی نہین رہتا محض ہی ضابطہ کی خانہ پری
رہ جاتی ہے اور آگے چل کر اس کا یہی نتیجہ ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا ہے، اب اگر کاروباری تعلقات خالص
معاہدانہ حیثیت کے ہونگے تو ایک حد تک ناانصافی کے لیے سد باب ضرور ہو جائیگا اور پھر خود بخود
رفق و وفاداری اور محبت کے جذبات پیدا ہو جائینگے لیکن اگر خود معاہدہ بھی محض رسمًا اور رواجًا ہوگا
تو اس کا اثر بالکل برعکس ہوگا، ضرورت اس امر کی ہے کہ ماتحتی کی سختی اور ناگواری کی صورتون کے کم کرنے
کے لیے معاونت اور اتحاد عمل یعنی تعامل و تعاون کی صورتین اختیار کیجائین تاکہ مودت پیدا ہو،

اگر لوگون کے کاروباری تعلقات کو محض معاہدانہ رکھنا ہے تو ان مربیانہ اور ہمدردانہ فرائض کو جو افراد کے ہاتھون
مین نہین چھوڑے جا سکتے ہین ایک خاص جماعت کو من حیث المجموع اپنے ذمہ لینا چاہئے، اگرچہ یہ کام ایک
مرکزی حکومت کا ہے لیکن اس کو ہر شخص خود انجام دیسکتا ہے، مثلًا حفظان صحت کا انتظام وسائل تعلیمی
کی فراہمی، حادثات کی روک تھام بصورت حفظ ما تقدم، اشیائے خوردنی مین میل یا اور قسم کی دھوکہ بازی
کا انسداد، اسی طرح وہ لوگ جو محنت و مزدوری کرنے کی قابلیت بھی نہین رکھتے ان کے لیے ضروریات
زندگی کی فراہمی یہ سب امور تمدنی زندگی کے لیے لازمۂ انسانیت ہین ان تمام امور متذکرہ بالا کو پیش نظر
رکھتے ہوئے ہم اب اس سوال پر غور کرتے ہین کہ آیا کسی قوم کو انفرادیت کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے یا اشتراکیت
کی طرف اس مسئلہ پر دو گروہ جداگانہ متضاد رائے رکھتے ہین، جماعت **انفرادیہ** کا یہ خیال ہے کہ
تا امکان افراد کی آزادی کو قائم رکھنا زیادہ اہم ہے لیکن دوسرا گروہ **اشتراکیہ** یہ کہتا ہے کہ اصلی شے

افراد کے افعال کو فلاح عام کے نقطۂ نظر سے منضبط اور محدود کرنا ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں مخالف آرا، کی تطبیق اس صورت سے بآسانی ممکن ہے کہ نہ تو کل کی فلاح بغیر افراد کی فلاح کے ممکن ہے، اور نہ ہر شخص کو انفرادی آزادی بغیر اس شرط کے دیجا سکتی ہے کہ بحیثیت مجموعی اس مین کوئی عام فلاح مضمر ہو،

لہذا اب سوال جو کرنے کا ہے وہ یہ ہو کہ کن چیزون مین لوگون کو زیادہ آزادی دینا مستحسن ہے اور کن چیزون مین ان کے افعال کی نگرانی اور تحدید ضروری ہے، بہرحال زمانہ موجودہ عمومی ترقی کے لئے اشتراکیت کا زیادہ حامی نظر آتا ہے اور فی الحقیقت یہی اصل تمدن ہے،

ایک خطبۂ علمیّہ

ابو العلاء معرّی کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیان

(۳)

از جناب مولانا میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی ادیب اورینٹل کالج، لاہور،

عصبیت | بہت سے اغلاط مسیحی تعصب یا ملی منافرت کا نتیجہ ہین، مثلاً

(۲۵) انھون نے ابو العلاء کے غیر معمولی حافظہ کے متعلق جو حکایات مشہور ہین ان کی بلا وجہ تکذیب[1] کی ہے حالانکہ بعض تو روایت و درایت ہر دو اصول پر صحیح اترتی ہین، ایک حکایت کے راوی تو تبریزی ہین جو ابو العلاء کے خاص الخاص شاگرد ہین اور انکی بابت علمائے رجال کا یہ قول ہے وکان ثقۃ فیما یرویہ' تبریزی سے سمعانی صاحب انساب راوی ہین جو دو ایک واسطہ سے اُن تک پہنچتے ہین وکلھم ثقات ہمنے اپنی کتاب مین ان سے کہین زیادہ محیر العقول واقعات اصمعی اور امام بخاری کے حافظہ کے متعلق نقل کیے ہین، تو کیا مارگولیوتھ صاحب انکی بھی تکذیب کرین گے،

احمل اسیٔ الفی اباہ مقصرًا   معادٍ لاھل المکرمات الاوائل

امت اسلامیہ اور خاصۃً عرب جس فطری مزیت پر اقوام عالم کو چیلنج دے سکتے ہین وہ یہی غیر معمولی حافظہ ہے

---

[1] م ۱۵، فلعھ بینی کر السمانی عن ابوالیتی عن التبریزی ص ۱ کیا ہر وہ شخص جسے اسناد کرتا ہو کارہن ہو کہ گزشتہ اسناد قابلِ صحت مانی گئی،

جس نے الغیث المسجم کی فصل حفظ و عیان اور نکت الہمیان و مقدمۂ الصبح المنبی کا مطالعہ کیا ہے وہ کیسے ابوالعلاء کے حافظہ کی تکذیب کرے گا، جبکو اس کے معاصر ابن القارح نے نہ ہی کہ زوردار الفاظ مین تسلیم کیا ہے، بلکہ اسکی بنا پر ابوالعلاء کو ابن خالویہ ابوعلی الفارسی اور ابو الطیب اللغوی وغیرہ پر ترجیح دی ہے،

ولم تزل قلة الانصاف قاطعة بين الرجال وان كانوا ذوي رحم

ہان اگر سردسیر ممالک مین بباعث کثافت اخلاط و امشاج وغلظ طبیعت و مزاج ایسی نادر مثالین نہ ملین تو نہ سہی، مگر اس کے یہ معنی نہین کہ دیدہ و دانستہ اون کے فضائل سے انکار کیا جائے، کہ ممالک گرم سیر نے بحمداللہ ہر زمانہ مین ما فوق العادہ حافظہ کی صدہا نادر مثالین پیش کی ہین، ابھی کوئی دس پندرہ سال کا عرصہ ہوا ہوگا کہ اخبارون نے ایک مدراسی لڑکی کا حال چھاپا تھا جس نے قریبًا دس برس کی عمر مین علاوہ چند دیگر زبانون کے سنسکرت کی چند منظوم کتابین بھی ازبر کر لی تھین، اور جس چیز کو وہ ایک بار سن پاتی تھی اس کو کبھی نہ بھولتی تھی اس لئے ڈاکٹرون کے مشورے سے روزانہ اوسکو ایک تنہا کمرے مین بند کر دیا جاتا تاکہ ادھر اُدھر کی باتین اس کے دماغ کو مشوش نہ کرین، کیا مارگولیوتھ صاحب کوئی ایسا آدمی اپنی قوم مین بتائین گے جس کو دس لاکھ حدیثون کے برابر نثر عبارت یاد ہو،

(۲۶) کہتے ہین[1] کہ وہ قصہ جس مین یہ ہے کہ جب ابوالعلاء اپنی رحلت شام مین لاذقیہ کی طرف سے گذرا تو ایک مسیحی راہب نے اسلام کی طرف اس کے دل مین کچھ شکوک پیدا کر دیئے جن سے وہ اپنے تئین تادم زیست نجات نہ دلیسکا، ممکن ہے درست ہو مگر اسلامی روایات مین راہب کا نام اس درجہ مطعون چلا آتا ہے کہ وہ ہمین اس قصہ کو نگاہ شک سے دیکھنے مین حق بجانب ٹھہرتا ہے،

گویا آپ ایک بدیہی بات کو جو روزمرہ مشاہدہ مین آتی ہے اپنے پادر ہوا استدلال سے نظری بنانا چاہتے ہین، حالانکہ اس قصہ کا راوی ذہبی ہے اور اغلبًا قفطی سے جو ابوالعلاء کا ہم وطن ہے

[1] م ۲۶، سبب بے انصافی ہمیشہ لوگون مین قطع تعلقات کا باعث بنتی ہے خواہ وہ قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں

لزوم مین ایسے صدہا ابیات ہین جو ابو العلار کی اخبار و رہبان سے غیر معمولی واقفیت اور دلچسپی کا پتہ دیتے ہین ملاحظہ ہو میری تالیف نظرۃ فی النجوم من اللزوم، سو اسلامی روایات کا اس مین کیا قصور آپ اپنی حیات مین جو اعمال کرتے ہین ان کا حقیقی عکس یہان دیکھ لین، ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

(۲۷ و ۲۸) دادا جگہون پر حضرت نے مسیحیت کے عشق مین ایسی باتین لکھی ہین جنکا یہان ذکر کرنا اور پھر رد کرنا ناحق قارئین کے وقت کو ضائع کرنا تھا،

(۲۹) آپ فرماتے ہین کہ ابو العلار نے اپنی طویل عزلت (۴۰۰ - ۴۴۹ھ) کو علاوہ تعلیم و تصنیف کے مشغلہ کے شطرنج و نرد کھیلنے مین صرف کیا الخ،

یہ بات بتاتی ہے کہ مارگولیوتھ صاحب نے ہنوز ابو العلار کو پہچانا ہی نہین ہے، بیشک ثعالبی نے یہ قصہ نقل کیا ہے ملاحظہ ہو تتمۃ الیتیمۃ نسخہ خطیۂ پیرس جس کے الفاظ یہ ہین کان[۳] حدثنی ابو الحسن الدلفی المصیصی الشاعر وھو من لقیتہ قدیما وحدیثا فی مدۃ ثلثین سنۃ قال لقیت بمعرۃ النعمان عجبا من العجب رأیت اعمی شاعرا ظریفا یلعب بالشطرنج والنرد ویدخل فی کل فن من الجد والھزل الخ مگر شاید فی مدۃ ثلثین سنۃ کو بالکل بھول گئے

ثعالبی کی وفات ۴۲۹ھ مین ہوئی تھی اور یقینی ہے کہ اس نے وفات سے پہلے تتمہ طیار کیا ہوگا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ابو الحسن الدلفی نے ابو العلار کو قریبا ۴۰۰ھ مین دیکھا ہو بلکہ اس سے بھی بیشتر، ابو العلار اس سے زیادہ عاقل تھا کہ اپنی عزلت کے قیمتی وقت کو عبث ضائع کرے، وھو القائل

جنیت ذنبا والھی خاطری وسن یحشرین حوّلا فلما انتبہ اعتذرا

اس غلطی کا محل نمبر ۳۲ کے بعد تھا مگر سہواً یہان درج ہو گئی،

---

[۱] م ص ۵ ص ۱، [۲] م ۳۰، [۳] مجھ سے ابو الحسن دلفی نے بیان کیا تھا جس سے مین بہت پہلے اور ابھی بھی کوئی تیس سال کی مدت مین ملا ہون کہ مین نے معرہ مین ایک حیرت انگیز بات دیکھی یعنی کہ ایک ظریف الطبع نابینا کو دیکھا جو شطرنج نرد کھیلتا تھا اور سنجیدگی اور مزاح کے ہر باب مین دسترس رکھتا تھا،

نکلسن کے اغلاط

(۳۰) دائرہ[1] مین لکھتے ہین کہ ابو العلاء بغداد سے واپس آکر ۴۹ سال عزلت گزین رہا اور افکار[2] مین کہتے ہین کہ وہ بعد از رجوع پچاس سال جیا،

حیرت ہے کہ ایک شخص کی دو زبانین ہون اور دونون باہم دگر متناقض، واقعہ یہ ہے کہ بعد از رجوع وہ ۴۸ سال اور قریبًا ایک ماہ عزلت گزینی مین جیا، اسلیے کہ وہ خود رسائل[3] مین لکھتا ہے کہ مین ۲۴ رمضان سنہ ۴۰۰ھ کو بغداد سے روانہ ہوگیا، سو بظاہر اوائل ذی الحجہ یا اواخر ذی القعدہ مین معرہ پہنچا ہوگا، جہان وہ ربیع الاول سنہ ۴۴۹ھ مین مرا جس طرح تمام مورخین نے بلاخلاف لکھا ہے یعنی صفدی، عباسی، ابو الفدا، یافعی، ابن الاثیر، ابن الانباری، سمعانی، یاقوت، ابن خلکان، اور سیوطی وغیرہ نے،

(۳۱) آداب[4] مین ہے کہ وہ ۸۴ سال کی عمر مین مرا، اس قول کی تکذیب کے لیے ہمین جملہ سابق الذکر مؤلفین کی کتب کی ورق گردانی کی ضرورت نہین بلکہ خود نکلسن دائرہ[5] مین اپنے قول کی اس طرح تکذیب کرتا ہے یعنی کہ وہ ۳۶۳ھ مین پیدا ہوا اور ۴۴۹ھ مین مرا۔ ظاہر ہے کہ اس حساب سے اوسکی عمر ۸۶ سال کی ہوتی ہے. وھو الصواب جس طرح معجم الادبا[6] مین تصریحًا مذکور ہے د عاش ستا وثمانین سنة، ہان مگر یہ یاد رہے کہ مارگیولیتھ نے ستا کو شیئا لکھا ہے جو ناقابل معافی تصحیف ہے، ابو البرکات ابن الانباری[7] راوی ہین کہ ابوبکر الصولی نے اس حدیث کو جب روایت کیا من صام رمضان واتبعه شیئا من شوال الخ تو محمد بن العباس نے کہا، ایها الشیخ یہ نیچے کے نقطے اوپر لگا لیجیے، مگر وہ کچھ نہ سمجھے تو پھر کہا کہ اسکو ستا بنا لیجیے چنانچہ انھون نے بنا لیا، کیا مین مارگولیتھ صاحب سے بھی یہی توقع رکھون؟ چند کے لیے عربی مین علی العموم لفظ نیف آتا ہے

---

[1] ص ۷، [2] ص ۴۴، [3] ص ۳۲، [4] ص ۳۱۳، [5] ص ۵، ۷۶، [6] ۱، ۱۷۰، [7] نزهة الالبا ص ۳۴۳ و نزهة الالباء ص ۳۴۳

نہ کرشی،

(۳۲) دائرہ[1] مین ہے کہ ابو العلاء ۴۰۰ھ تک معرہ مین رہا اور پھر بغداد جانے کا ارادہ کیا، اس مہمل غلطی کی تکذیب کے لیے مارگولیوتھ[2] کا یہ قول جو عربی تواریخ مین بھی بالاتفاق موجود ہے بہت کافی ہے،

یعنی ابو العلاء ۳۹۸ھ مین معرہ سے بغداد کی طرف روانہ ہوا اور ۴۰۰ھ مین معرہ واپس آگیا،

(۳۳) دائرہ[3] مین لکھتے ہین کہ سقط کی بہترین شرح خود ابو العلاء کی شرح ضوء السقط ہے اور اس کے شاگرد تبریزی کی شرح بھی لکھی ہے،

اس دعوی کی تکذیب کے لیے مارگولیوتھ[4] کا یہ قول کافی ہے کہ تبریزی کی شرح نہ واحد شرح ہے نہ بہترین اور ابن خلکان[5] کا یہ قول کہ ابن السید البطلیوسی کی شرح خود ابو العلاء کی شرح سے بہتر ہے،

(۳۴) آداب[6] مین لکھتے ہین کہ ابو العلاء کی وفات سے دس سال پیشتر ناصر خسرو معرہ پہنچا اور دائرہ[7] مین ہے کہ ناصر خسرو انکی وفات سے گیارہ سال پہلے ۴۳۸ھ مین معرہ پہنچا، دونون قول متناقض ہین نیز ناصر خسرو رجب ۴۳۸ھ مین معرہ پہنچا ملاحظہ ہو اس کا سفرنامہ[8] یعنی ابو العلاء کی وفات سے دس سال سات ماہ پیشتر، صاحب ذکری[9] کہتے ہین کہ وہ ۴۲۸ھ مین پہنچا تھا اور اس سنہ کو اسماء اعداد مین لکھا ہے اور پھر اس پر اپنے خیالات و مستنبطات کی اونچی عمارتین کھڑی کی ہین، سبحان اللہ چہ خوب! صاحب ذکری تو فارسی نہ جاننے کا خود ہی معترف ہے مگر نکلسن صاحب تو فارسی کے تو پروفیسر تھے،

(۳۵) انکار[10] مین ہے کہ ابو العلاء کے زیادہ تر رسائل بغداد سے واپس آن کر لکھے گئے ہین، مین نے بہت غور کیا ہے جس طرح مجھ سے پہلے مارگولیوتھ صاحب نے بھی کافی زحمت اٹھائی ہے اگر

---

[1] ص ۵، [2] ص ۴۴، [3] ص ۶۷، [4] ص ۳۰، [5] ۱، ص ۲۲۵، [6] ص ۳۲۲، [7] ص ۱۶۷،

[8] مطبوعہ برلن ص ۴ و ۱۵، [9] ص ۲۰۴، [10] ص ۸۴،

یہ حکم ہم سے نہین بن آیا، ابوالعلاء کے بیشتر رسائل کے متعلق کوئی حتمی حکم لگانا دوراز کار ہے، اور بیشتر[١] و پیشتر ہر دو قسم کے رسائل کی تعداد قریباً مساوی ہے،

(۳۶) افکار اور دائرہ مین رہن المحبسین کا املا یون ہے Rahnulmahbasayan اور چاہیے یون ہے Rahnulmahbisyan یعنی بکسر با،،

(۳۷) کہتے ہین[٢] کہ وہ اپنے والد کی وفات کے وقت ۱۴ برس کا تھا، صاحب ذکری[٣] نے بھی ایسا ہی لکھا ہے،

مگر قرین قیاس یہ ہے کہ اوسکو تقریباً ۱۵ سال کا فرض کیا جائے بقول سنہ ولادت یعنی ۳۶۳ھ اس کے والد ۳۷۷ھ مین مرے تھے جس طرح خریدہ اور ادبار مین ہے،

(۳۸) آداب[٤] مین ہے کہ ابوالعلاء رحلت شام سے واپس آنکر تا رحلت بغداد ۱۵ سال معرہ مین مقیم رہا، انسب یہ ہے کہ ۱۵ سال نو ماہ کہا جائے یا تقریباً ۱۶ سال، تفصیل کے لیے ہماری کتاب ملاحظہ فرمائین،

(۳۹) آداب[٥] مین ہے کہ وہ اپنی رحلت شام سے بیس سال کی عمر مین معرہ واپس پہنچا، مجھے اس بات کا کوئی ثبوت نہین ملتا بلکہ اوس کا صنعاء مین ایک سال رہ کر گوشت نہ کھانا جس کے راوی ابن حجر ہین یقیناً اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ۲۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنے ملک مین سیاحت کرتا رہا تھا، بظاہر ۲۰ سال کی عمر کو ختم سفر سے اس لیے نسبت دی ہے کہ خود ابوالعلاء رسائل مین لکھتا ہے کہ مین نے ۲۰ سال کے بعد کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہین کئے، مگر یہ استنتاج غلط ہے اس لیے کہ ممکن بلکہ اغلب ہو کہ وہ اس عمر کے بعد بغرض سیر کتب نہ بغرض تعلم سیاحت کرتا رہا ہو،

(۴۰) آداب[٦] مین ابوالعلاء کے ایک بیت واقع لزوم ۲ × ۲۸۰ از طبعۂ اولی مصر جو لزوم طبعۂ دوم مصر ۲ × ۲۴۲ مین واقع ہے،

[١] افکار ۵۴، [٢] ۱۹۹، [٣] ۳۱۳، [٤] ۳۱۳، [٥] ۳۲۴،

غدوت ابن وقتی ما تقضی نسیئه وماهو آت لا اُحس له طعما

کا مطلب یہ بتاتے ہین کہ ابو العلاء اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ مین اپنے عصر کا (ممتاز) فرزند ہون'

مگر ان کا یہ ترجمہ سراسر غلط ہے' ابو العلاء کا خیال یہ ہے کہ انسان کو موجودہ حالات کی بنا پر قیاس کیا جاتا ہے' معنی ماضی اور آیندہ کے متعلق کوئی حتمی حکم نہین لگایا جاسکتا، ہمارے پاس اس کے ثبوت مین لزوم کے یہ ابیات ہین،

انت ابن وقتك والماضی حدیث کری ولاحلاوة للباقی الذی غبرا

خذ الآن فیما نحن فیه وخلّیا غدا فهو لم یقدم وامس فقد مرّا

گویا ابو العلاء نے قریبًا ابن الوقت سے وہی معنی مراد لئے ہین جو ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے اپنی ایک کتاب کو ابن الوقت کے نام سے موسوم کرنے مین، اگر نکلسن صاحب سابق الذکر ہم معنی ابیات پر غور کر لیتے تو اس غلطی سے بچ جاتے،

مارگولیوتھ اور نکلسن کے مشترکہ اغلاط

(۱) مارگولیوتھ لکھتا ہے[1] کہ ابو العلاء کا نہال اور ددیال دونون مذہبی خیالات مین آزاد تھے، جنکا اثر ابو العلاء پر بھی پڑا، اس نظم سے جو صفدی نے نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انھین کی اقتدا مین حج نہین کیا الخ۔

اور نکلسن کہتا ہے[2] کہ حقیقت کہ نہ اس کے والد نے حج کیا نہ اس کے چچاؤن اور ماموؤن نے جنکو وہ اپنے لیے بطور مثال پیش کرتا ہے' اس کے مذہبی معتقدات کی تشکیل مین اہمیت سے خالی نہین، عصبیت کی اس سے بڑھکر مثال پیش کرنا ناممکن ہے' اس لیے کہ اسی حکایت کو جس مین مندرجہ ذیل اشعار بھی موجود ہین،

---

[1] م ۱۰۹، [2] انکارہ ۱۰۹،

قالوا هرمت ولم تطرق تهامة فی — مشاة وفد وکان کبان اجمال

فقلت انی ضریر والذین لھم — رأی رأوا غیر فرض الحج امثالی

ما حج جدی ولم یحجج ابی واخی — ولا ابن عمی ولم یعرف منی خالی

وحج عنهم قضاء بعد ما ارتحلوا — قوم سیقضون عنی بعد ترحالی الخ

خود مارگولیوتھ نے ایک اور جگہ نہایت سخت تمسخرآمیز لہجہ مین بطور تغلیط ٹھکرا دیا ہے[1]، اور یہان اس کے ایک جزء سے ایک بڑے واقعہ پر استشہاد کر رہے ہین، سبحان اللہ! کیا منصفانہ دیانتداری کی اس سے زیادہ بھدی نظیر کہین اور ملسکیگی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ سراسر لغو اور بے ثبوت ہے جس طرح صاحب ذکرے نے بھی اسکی سخت تردید کی ہے اور اس کا اصل ماخذ یعنی سر العالمین للغزالی نہ غزالی کی تصنیف ہے اور نہ کسی عالم کی، بلکہ وہ تو کسی نالائق جاہل کی جو عربی کے دو حروف بھی نہین جانتا گھڑنت ہے، جس طرح مولانا شبلی نے بھی الغزالی مین انکار کیا ہے: غزالی ابو العلاء کی وفات کے کئی سال بعد عالم وجود مین آئے ہین، مگر اس کتاب مین وہ ایک اور جگہ مدعی ہین کہ خود ابو العلاء نے مجھے ذیل کے اشعار سنائے ہین، اس پر طرہ یہ کہ وہ اشعار بشار اور جریر کے ہین جو ابو العلاء سے تین سو سال پہلے ہوئے ہین،

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا، — الا یا ایھا الساقی ادر کاسا وناولہا

بیشک ابو العلاء نے حج نہین کیا تھا جس کا باعث بظاہر اسکی معذوری تھی، ہم اس مدعی کے اثبات کے لئے لزوم کے چند اشعار پیش کرتے ہین،

اشدت الی ارض الحجاز تحملا — ففاتک عنه عائقات الحوائج

[1] تو نے حجاز کے سفر کا ارادہ کیا مگر کچھ عوائق مانع ہوئے، تو اپنے خالق کے خون سے اس کاقہ پر سوار ہوگیا، جو کمان کی طرح خمیدہ ہوگئی ہو اگر تو منی مین پہنچا تو انتہائی تمنا بڑے گناہون کی مغفرت ہوگی، لط م ۱۴۴

من خوف بأسك امتطيت نجيبة　　عادت لسيرك مثل قوس البارى

فاذا اوردت منى قعايات المنى　　ملقى جرانى فى الحياة كبار

کوئی صحیح الذوق آدمی ان ابیات کو پڑھکر یہ نہین کہہ سکتا کہ ابو العلا، اصل حج کا مخالف تھا، ولے

ان يسمعوا ريبة طاروا بها فرحا[عہ]　　عنى وما سمعوا من صالح دفنوا

صم اذا سمعوا خيرا ذكرت به　　وان ذكرت بشر عندهم اذنوا

ہان ابو العلا، ان حجاج کا سخت دشمن تھا جو حج کرکے اپنے اعمال قبیحہ کی فہرست مین بے دھڑک اضافہ کرنے لگتے تھے کہ،

صبح الشيخ مار وا　　بعد ما حج واستلم

سقط[عہ] مین حجاج کے بدرقہ رو کی زبان سے ایک لامیہ کہا ہے جو بیت ہمتون کو بیت العتیق کی طرف ان الفاظ مین گدگدیان لیکر اٹھاتا ہے،

دسريت تحت المدجنات ممار ساهوالها

فى فتية تزجى الى البيت الحرام نعالها

تبغى بمكة حاجة　　قدر العزيز منالها

حتى تقضيت طوافها　　سبعا وزرت حيالها

وسمعت عند صباحها　　ومسائها اهلالها

ترجو رضا الملك الذى　　منح الملوك جلالها[عہ]

عہ اگر وہ میری کوئی برائی سن پاتے ہین تو خندان خندان اسے لے اڑتے ہین اور اگر کوئی بھلائی ہوتی ہے تو اسکو دفن کردیتے ہین، اگر میرا خیر سے مذکور ہو تو بہرے بنجاتے ہین اور اگر شر سے ہو تو کان دھرتے ہین، عہ اور تو اندھیری گھٹاؤن مین بڑی شقتین جھیلکر راتون رات چل پڑا ہی ان جوانون کیساتھ جو بیت الحرام کیطرف پیادہ پا جارہے ہین، تو ایک ضرورت سے مکہ جاتا ہے جسکا مقصد ذات الٰہی ہے حتی کہ تو نے پورے سات طواف کرلیے اور وہان کے پہاڑ دیکھے، اور تو نے صبح وشام تلبیہ کی بلند آوازسنی، تیری تمنا اس خدا کی رضاجوئی تھی جس نے بادشاہون کو جلال بخشا ہے،

(۲۴۴) مارگولیوتھ کہتا ہے کہ[1] ابو العلاء نے قرآن کا چیلنج منظور کر لیا الخ، اور نکلسن[2] آداب مین کہ ابو العلاء کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے مین کلام تھا اسی بنا پر محمدؐ کے چیلنج کو اس نے منظور کر لیا اور ایک برابر کی کتاب طیار کی الخ ان کے علاوہ براؤن نے لٹریری ہسٹری آف پرشیا مین بھی اس خیال کو دہرایا ہے، اور اصل مین یہ زعم فاسد گولڈ زیہر نے زیڈڈی ایم جی کے مضمون کے ذریعہ تمام یورپ مین پھونک دیا ہے جسکا ہم اپنے مضمون مطبوعۂ معارف فروری ۱۹۲۵ء مین پورا پورا رد کر چکے ہین، مگر یہان ہم خود ابو العلاء کی شہادت در ۴۲۲ھ قرآن کے اعجاز کے متعلق نقل کرتے ہین جو الفصول کی تصنیف کے قریباً دس پندرہ سال بعد کی ہے، "ہر[3] ملحد اور مسلم اور گمراہ اور راہرو کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس کتاب نے جو محمد صلعم خدا کی طرف سے لائے ہین اپنے اعجاز کے ذریعہ سب کو مبہوت کر دیا ہے الخ"

(۳۴۔۲۴۴) مارگولیوتھ[4] بحوالہ تاریخ الاسلام[5] راوی ہے کہ جب ابو العلاء (۴۰۰ھ مین) شام کی رحلت سے واپس آیا تو اسے ایک وقف مین سے سالانہ ۳۰ دینار ملنے لگے، مگر ذہبی کے اپنے الفاظ یہ ہین، له وقف یحصل منه فی العام نحو ثلثین دینارا قدر منها لمن یخدمه النصف .... واتفق انه عورض فی الوقف المذکور من جهته امیر حلب فسافر الی بغداد الخ

نکلسن نے دو جگہ[6] اسی طرح لکھا ہے مگر آداب[7] مین اتنا اور اضافہ ہے کہ اوسکی بجز ان ۳۰ دیناروں کے اور کوئی آمدنی نہ تھی اور افکار مین یہ ہے کہ شاید اُسکی کچھ اور بھی آمدنی ہوگی جو اس کو بصیغۂ تعلیم حاصل ہوتی ہو، ظاہر ہے کہ یہ دونون قول صریحاً متناقض ہین، مگر اس سے بڑھکر حیرت انگیز یہ تناقض ہے کہ خود افکار[8] ہی مین لکھتے ہین، کہ اُس کو اپنے تلامذہ سے معتد بہ رقوم ملتی تھین، پہلے حوالۂ افکار مین "شاید" اور "کچھ" یہ دو مریض لفظ تھے اور دوسرے مین انکی بجائے "معتد بہ" کا زبردست لفظ ہے، حالانکہ دونون حوالے ایک ہی کتاب کے ہین، درحقیقت یہ مارگولیوتھ[9] کی تقلید ہے جو کہتے ہین کہ

---

[1] م ۲۶ [2] ۱۸،۳۱۳ [3] الغفران ۱۵۰ [4] م ۱ [5] ۱۲۹ [6] م ۱ [7] افکار ۱۴۶ دائرۂ [8] ۱۳۳، ۱۳۱ [9] ۱۲۵، م ۴۳

یہ بات کوئی خلاف عادت نہین کہ دور دراز کے طلبہ اپنے استاذ کو اپنی عقیدت کا ٹھوس ثبوت دیئے بغیر واپس نہ جاتے ہون، پھر مارگولیوتھ ایک اور جگہ لکھتے ہین[1]، کہ ابو العلاء کی تعلیم قدرتی طور پر طلبی کی زندگی کیلئے طیاری تھی، ایک اور جگہ[2] ہے کہ ہر چند ابو العلاء بار بار یہ خیال دہراتا ہے کہ اسکی نظمین صلہ کی طمع مین نہین حیاۓ کیگئین . . . . پھر ڈاکٹر ریو سے ناقل ہین کہ سقط کا پہلا قصیدہ سعید الدولہ نبیرۂ سیف الدولہ کی مدح مین ہے الخ یعنی گویا بقول مارگولیوتھ یہ قصیدہ ابو العلاء کے طالب زر ہونے کی اول شہادت ہے،

مارگولیوتھ بہت بیتاب نظر آتے ہین کہ کسی طرح ابو العلاء کو طامع شعراء کی صف مین لا کھڑا کرین،

مگر تحقیق یہ ہے کہ مذکورۂ بالا رقم ۳۰ دینار تھی جسکا بیشتر حصہ نہ کہ نصف اوس کا خادم لیجاتا تھا تبصریح ابو العلاء[3] مین برخلاف ذہبی کے یہ کہونگا کہ یہ قلیل رقم اس کو بغداد سے واپس ہونے کے بعد ملتی تھی کہ خود ابو العلاء تصریحًا اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ سفر بغداد سے پہلے وہ کچھ ثروت رکھتا تھا[4]، اور ظاہر ہے کہ ۳۰ دینار کو ثروت سے نہین تعبیر کیا جا سکتا، مگر مارگولیوتھ اور نکلسن کی یہ اپنی ایجاد ہے کہ یہ حقیر رقم اوسکو رحلتِ شام کے بعد سے ملنے لگی ذہبی کی عبارت ہرگز اس مفہوم پر نہین دلالت کرتی بلکہ بظاہر اس رحلت سے پہلے بھی اس کو مذکورہ رقم ملتی ہو گی،

رہی یہ بات کہ اوسے اپنے طلبہ سے کوئی اجرت ملتی ہو تو یہ حکم عادات مشرق اور حالات ابو العلاء سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے، کیا ابو العلاء ان دونون کی طرح کیمبرج اور اکسفورڈ کا کوئی پروفیسر تھا یا متفرق شائقین کو ٹیوشنون پر پڑھاتا پھرتا، نہین بلکہ ابو العلاء الٹا اپنے طلبہ کی امداد کیا کرتا تھا، ذہبی راوی ہین[5] کہ وہ اون طلبہ سے جو اوسکی طرف رحلت کر کے آتے یہ عذر کیا کرتا کہ وہ بے بضاعت ہے اور معرہ کے متمول لوگ تو بخل کے لیے مشہور ہی ہین اور اس بات پر اوسکو سخت تاسف تھا، مین نے

---

[1] ص ۴۰، [2] ص ۱۱، معجم الادبا ۱/۱۰۲، [3] سقط مع تنویر ۲/۱۱۰، میری بغداد سے واپسی کا باعث علالت والدہ اور فقدان ثروت تھا خدا نے دونون کو میری واپسی سے پہلے زندہ رکھا مگر اوس کے بعد دونون پر موت کا حکم قضا کر دیا، [4] ص ۱۴۰

لزوم میں اسی معنی میں چند ابیات دیکھے ہیں،

ینادونی القوم ھذا ارضنا یمن	لوگ میرے پاس آتے ہیں ایک یمن کا ہے تو دوسرا
من البلاد وھذا دارنا الطبس	طبس (خراسان کے ایک ضلع) کا، کہتے
قالوا سمعنا حدیثا عنک قلت لھم	ہیں ہم نے تمھارا شہرہ سنا ہے، میں کہتا ہون
لا یبعد اللہ الا معشرا لبسوا	خدا ملمع کارون کو دور کرے!
اعاننا اللہ کل فی معیشتہ	خدا ہم سب کی دستگیری کرے، کہ ہر ایک اپنی
یلقی العناء فدرسی فوقنا درس!	گزران مین زحمت برداشت کر رہا ہے، سوا آسمان ہمپر ہنس رہا ہے
ماذا تریدون لا مال تیسر لی	تم چاہتے کیا ہو کہ نہ میرے پاس مال ہے جس کو
فیستماح ولا علم فیقتبس	مانگو اور نہ علم جس سے مستفید ہو،
اتسالون جھولا ان یفید لکم	کیا تم ایک جاہل سے افادہ چاہتے ہو،
وتحلبون سفیا ضرعھا یبس	اور کیا بے دودھ کی اونٹنی کو دوہتے ہو جس کا پستان خشک ہے
انا الشقی بانی لا اطیق لکم	مین بدنصیب ہون جو تمھاری اعانت نہین کر سکتا،
معونۃ وصروف الدھر تحتبس	ہان زمانہ کی گردشین تنگ حال کر دیتی ہین،

قفطی راوی ہین کہ ایک روز طلبہ نے مل کر ابو العلاء سے حلب کے تربوز کی خواہش ظاہر کی، ابو العلاء نے آدمی بھیجکر وہ منگائے جنکو ان سب نے ملکر کھایا اور کچھ حصہ ابو العلاء کے لیے الگ کر دیا جو یونہی پڑے پڑے سوکھ گیا اور ابو العلاء نے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا، یہ حکایت نص صریح ہے کہ ابو العلاء طلبہ کی امداد کرتا تھا نہ کہ علی العکس، اسی طرح ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (۳ ۳ ۵ ۳۱۵) مین ابو العلاء کے شاگرد رشید تبریزی سے روایت کی ہے کہ مین دمشق کی جامع مسجد مین خطیب بغدادی سے ادب کی کتابین پڑھا کرتا تھا، ایک روز خطیب میرے حجرہ مین آکر مجھے ۵ دینار دے گئے اور کہا انکی قلمین خرید لانا، پھر ایک مرتبہ اور اسی طرح

قریبًا اتنی ہی رقم دیگئے،

مارگولیوتھ اور نکلسن ہردو نے وقف کا ترجمہ کہین ٹرسٹ فنڈ سے اور کہین پنشن سے کیا ہے

مگر حقیقت یہ ہو کہ ابو العلار کے چند مکانات تھے جن سے کرایہ آتا تھا اور کچھ زمین جو سالانہ کچھ پھل دیا

کرتی تھی جس طرح خود ابو العلار کے اپنے بیانون سے ہمنے اپنی کتاب مین ثابت کیا ہے، ظاہر ہے

کہ ایسی آمد پر ہر دو لفظون کا اطلاق مشکل ہے،

یہ قول بھی کتنا پا در ہوا ہے کہ ابو العلار کی تعلیم زرطلبی کے لیے ہو، حالانکہ سینکڑون جگہ وہ

اس سے انکاری ہو نیز ذہبیؒ وغیرہ کہتے ہین کہ وہ بڑا عالی ہمت تھا کسی کا احسان نہ اٹھاتا ورنہ اگر شاعری

اور مدح خوانی کو ذریعۂ معاش بنانا چاہتا تو اسے یقینًا دنیوی ریاست حاصل ہوجاتی، ہمین ان استدلالون

کی بھی ضرورت نہین ہے کہ ابو العلار کی پوری زندگی قناعت کا بہترین نونہ اور مثال ہے، گویا

مارگولیوتھ صاحب اس کو یورپ کی للچائی ہوئی اور مادہ پرست آنکھون سے اپنی طرح جوع البقر

مین مبتلا دیکھتے ہین حالانکہ ابو العلار اپنے لڑکپن کے قصائد کے متعلق خود مقدمۂ سقط مین کہتا ہے

"مین نے اپنی مدح سے رؤسا کے کانون کو دستک نہین دی، نہ کسی سے صلہ ملنے کی طمع مین یہ تعریفین

لکھی ہین، میرا مقصد تو صرف طبع آزمائی اور مشق سخن تھا وبس! اللہ کے ہزار ہا شکر ہین کہ اس نے

قوت لایموت سے میرا پردہ ڈھانک رکھا ہے اور مجھے وہ قناعت بخشی ہے جو میرے لیے ایک بڑی

ثروت کے برابر ہے" کیا یہ دونون صاحبان ابو العلار سے راستبازی مین کچھ زیادہ بڑھے ہوئے

ہین، مین مانتا ہون کہ ریو صاحب نے سچ کہا ہے جس طرح سقط نسخۂ پیرس کے عنوان مین ہے کہ

اس کا پہلا قصیدہ سعید الدولہ کی مدح مین ہے، مگر اسے کاش کہ یہ مدعی اسی قصیدہ کے عنوان

پر نظر ڈالتا، جس مین ہے" ولم یکن من طلاب الفوائد" اور مطبوعہ نسخون مین من طلاب الفوائد

ہے، اس تصریح کے بعد یہ کہنا کہ سقط کی مدائح زرطلبی کے لیے ہین صاف ہٹ دھرمی مکابرہ اور

عصبیت جاہلیت نہین تو اور کیا ہے، یہ اس کے لڑکپن کا بیت ہے،

قنعتُ فخلت ان النجم دونی　　　وسیّان التقنّع والجهاد

(۷،۴) ددنوش[1] صاحب کہتے ہین کہ ابوالعلار کا سفر بغداد تلاش معاش یا قسمت آزمائی یا طلب ملازمت کیلئے تھا، مگر ابوالعلار تو خود بغداد مین اور وہان سے پلٹ کر بھی یہ کہہ رہا ہے،

سیطلبنی رزقی الذی لو طلبته　　　لما زاد والدنیا حظوظ واقبال

مجھے میری روزی خود ہی ڈھونڈھ لیگی کہ میرے ڈھونڈھنے سے وہ کسی طرح بڑھیگی نہین، اس لیے کہ دنیا بخت واقبال کا نام ہے

رحلت لم آت قرواشا اداوله　　　ولا المهذب ابغی النیل تقویتا

والموت احسن بالنفس التی الفت　　　عن القناعة من ان تسأل القوتا

مین بغداد سے واپس ہوا ہون مہذّب صاحب البطیحہ اور قرواش صاحب موصل سے روزی مانگنے نہ آیا تھا، اور اس شخص کے لیے جو خوگرِ قناعت ہو بھیک مانگنے سے تو مرجانا کہین بہتر ہے،

وکم ماجد فی سیف دجلة لم اشم　　　له بارقا والمرء کالمزن هطّال،

ساحل دجلہ مین بہت سے (فیاض) شریف تھے جنکی بارش کا مین منتظر نہ رہا، حالانکہ وہ ابر کی طرح ریزان تھے،

وانی تیممت العراق لغیر ما　　　تیممه غیلان عند بلال

مین اس مقصد سے بغداد نہ گیا تھا جس سے ذوالرمہ بلال بن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ الاشعری کے ہان پہنچا تھا،

ناظرین مختار ہین چاہین ابوالعلار کی تصدیق کرین اور چاہین اوس کے مادہ پرست سوانح نگار کی

[1] ۱۰۵، ۹۰، سقط، ؎ ۵۲ م ۲۱ افکار ۷۶ م، آداب ۳۱۳، وغیرہ،

پھر دونون صاحب فرماتے ہین کہ ایسے انکاری اشعار سے تو ابو العلاء گویا خود اپنے مقصد کو شکست دیتا تھا، اے سبحان اللہ! شاید آپ نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہے، ھلا شققت عن قلبہ،

(۴۸) دونون کہتے ہین کہ ابو العلاء بغداد سے واپس آنکر تو بحیثیر بن یعنی مقتنع علی البنات بنالخ،

یہ قول ابو العلاء کے اپنے بیان کے خلاف ہے، وہ صاف لکھتا ہے "جب ناچیز کی عمر ۳۰ سال کو پہنچی تو اس نے مدۃ العمر کا روزہ اور اقتناع علی النبات شروع کر دیا" یعنی کہ ۳۹۳ھ مین رحلت بغداد سے کوئی ساڑھے پانچ سال پیشتر، اس کے علاوہ ہمارے پاس ایک زبردست بیرونی شہادت بھی موجود ہے، قال ابن جحر انہ بقی فی صنعاء سنۃ لا یاکل اللحم یعنی بقول ابن حجر وہ صنعاء شام مین ایک سال گوشت خوری سے مجتنب رہا، یہ متفق علیہ ہے کہ وہ بغداد سے واپس آنکر پھر اپنے کنج تنہائی سے کہین باہر نہین نکلا، اسلیے یہ صنعاء کی رحلت حتماً قبل از رحلت بغداد واقع ہوئی ہے، یہ غلطی کہ ابو العلاء کے جین ازم یا برہمن ازم سے ملتے ہوئے خیالات بغداد سے پلٹ کر بروئے کار آئے ہین، قریب قریب تمام سوانح نگارون کی مشترکہ لغزش ہے، ہان یہ صحیح ہے کہ ان خیالات کا علم دنیا کو بعد ہی کو ہوا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے انکی سخت پابندی واپس آنکر ہی کی ہو جبکہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے لیے راہ عمل سوچ چکا تھا،

(۴۹) دونون فرماتے ہین کہ وہ جاتے ہوئے حلب سے روانہ ہوا،

مگر افسوس کہ خود مسافر انکی تصدیق کرنے کو طیار نہین وہ تو صاف کہتا ہے،

مانکبت حلب فی الابداء ولا انکفاء الا لخ ... مین بغداد جاتے اور آتے حلب سے اسلیے رہ گذر ... ، ہاکر ا ۶

ناظرین کے لیے یہ بات مایۂ حیرت ہوگی کہ ناشر ترجمان رسائل ایسا کہے،

(۵۰) رسائل ۲۸ مین ہے متبذۃ کنبذۃ فنیق النجوم، یعنی کہ ستارون کے سائدہ کی سی عزلت

لزوم ۳۰۰ و ۳۰ آب ۵، دائرہ ۶۰، سقط الزند ۱ × ۹۹ انشام ۱۰، افکار ۲۹۴، رسائل ص ۴۹،

اس مین مارگولیوتھ اور نکلسن ہر دو فنیق کو کوئی ستارہ سمجھ بیٹھے ہین[1]،

یہ زعم غلط ہے فنیق نام کا دنیا مین کوئی ستارہ نہین اصل مین فنیق سانڈھ اونٹ کو کہتے ہین اور چونکہ سہیل تمام ستارون سے الگ تھلگ اور مستبد سا نظر آتا ہے اس لیے اس کو مجازاً فنیق کہتے ہین، کتاب الازمنہ مین[2] امام ابوعلی مرزوقی چند اشعار دیتے ہین جنمین سے ایک یہ ہے،

شامية الا سهيلا كانه   فنيق غدا عن شوله وهو جانح[3]

یہ ایک مارگولیوتھ کی غلطی ہے جس کا ذکر پہلے رہ گیا تھا،

(۵) داعی الدعاۃ[4] نے مصر سے ابوالعلاء سے گوشت خوری کے ترک پر خط و کتابت کی،

یہ صحیح نہین کہ داعی الدعاۃ خود کہتا ہے[5] فلما رمت بی المرامی الی الشام وسمعت ان الشیخ وفقه الله الخ یہ پوری عبارت کوئی شک کی گنجائش نہین چھوڑتی، صاحب ذکری نے بھی مارگولیوتھ کی اندھی تقلید کی ہے دیکھو ذکری ص ۶۹،

حیرت در حیرت

یاقوت نے فلک المعانی سے نقل کیا ہے[6] کہ بعض نادان لوگ موت کو خدا کی طرف سے ظلم خیال کرتے ہین، معری بھی انھین مین سے ہے ۔۔۔۔۔ خدا نے اس پر داعی الدعاۃ کو مسلط کر دیا اور دونون مین کچھ رسائل دائر ہوئے جنکا انجام اس پر ہوا کہ داعی نے اس کو حلب مین آنے کے لیے لکھا تاکہ اگر وہ اسلام لائے تو اُسے بیت المال سے ایک گران قدر رقم دیجائے، جب ابوالعلاء کو یہ معلوم ہوا کہ یا مجھے قتل کیا جائیگا یا جبراً مسلمان بنا لیا جائے گا تو خود ہی زہر کھا کر مرگیا،

---

[1] ترجمہ رسائل ۴۳ و انکار، ۸۴، [2] ۲۲ ۲۲۳ و ۳۲۳ و ۳۱۸، [3] وہ سارے تارے شامی ہین بجز سہیل کے جو یمانی ہے، گویا وہ کوئی سانڈ ہے جو جفتی چھوڑ کر سانڈنیون سے الگ تھلگ ہو گیا ہو، [4] ۱۹۰۴ جرنل آف راے ایشیاٹک سوسائٹی ص ۳۱۳، [5] ارشاد ۱۰۲۰۶۱، [6] ادبار ۱۹۲۴ء،

فلک المعانی (ابویعلی ابن الہباریہ) کی تالیف ہو (ملاحظہ ہو کشف الظنون)، یاقوت نے اس سے جابجا نقل کیا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ایاصوفیہ لائبریری قسطنطنیہ مین موجود ہے، (دیکھو اس کے دفتر مطبوعہ ۱۳۰۴ھ کا نمبر ۵۰۱۷)، ابن الہباریہ ایک نہایت گندہ دہن اور بدزبان شاعر ہے، تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ کوئی بھلا آدمی اسکی ہجو سے نہین بچا (دیکھو ابن خلکان وغیرہ) ایسی حالت مین ابوالعلا کا اسکی مذمت سے نہ بچ سکنا اسکی فضیلت کی دلیل ہے،

وَاِذَا اَتَتْکَ مَذَمَّتِی مِنْ نَاقِصٍ　　فَهِیَ الشَّهَادَةُ لِی بِاَنِّی کَامِلٌ[1]

خیر اس کا تو ہمنے اپنی کتاب مین پورے طور پر رد کردیا ہے، اسی طرح ابوالعلاء کے زہر کھا کر مرجانے کا، کسی مورخ نے ذکر نہین کیا، اور ابن الہباریہ ثقہ نہین لہذا یہ قول مردود ہے،

اب سنیئے ڈاکٹر طٰہٰ حسین مذکورالصدر قصہ کو غرس النعمہ کے نام سے نقل کرکے لکھتے ہین کہ "اس مہمل واقعہ کی خود یاقوت ہی نے تکذیب کردی ہے اور حیرت اس پر ہے کہ فرنچ مستشرق سلامون نے یاقوت کی عبارت کا مطلب بالکل نہین سمجھا اور یہ خیال کیا کہ خود یاقوت ہی اس قول کا قائل ہے، اس لیے اس بیچارہ پر ناحق نے دے کی ہے، اگر وہ یاقوت کی عبارت پر ذرا غور کرتا تو اپنے تئین رد کی اس طویل زحمت سے چھڑا لیتا"

ناچیز کہتا ہے کہ بیشک سلمون نے غلطی سے یاقوت کی طرف اس قول کو منسوب کیا، مگر یا حضرت آپ بھی ذرا اپنے گریبان مین منہ ڈالئے، کہ آپ بھی مصیب نہین ہین، بیچارے غرس النعمہ کو اس حکایت سے کیا سروکار، ذرا میرے کہنے سے پھر معجم الادبار کا مطالعہ کیجئے، اور ہان! یہ یاد رہے کہ فلک المعانی ابن الہباریہ کی کتاب ہے نہ کہ غرس النعمہ کی، کیا آپ مجھے اجازت دینگے کہ مین اس مقام پر ہمارے متفقد دوست ابوالعلار کا ایک بیت پڑھون ،،

[1] جب تم کو کسی خطا کار کی زبان سے میری برائی پہونچے تو وہ گویا میری فضیلت کی پختہ دلیل ہو، ۱؎ ذکری ص ۲۲۵،

وبصّیرا لاقوام مثلی اعمی فھلمّوا فی حندس نتصادم

راقم کو زندگی مین یہ مشغلہ بالکل نہین بھاتا کہ اورون کی طرح لوگون پر زبان طعن دراز کر کے اپنے لیے راستہ صاف کرے، اگرچونکہ مستشرقین کا عموماً ہمارے ہان آج تک ایک ہی پہلو دکھایا گیا ہے، اس لیے بتقاضائے سنت الٰہی ضرور تھا کہ یہ باب مضامین سے سراسر خالی نہ رکھا جائے، مین اچھی طرح جانتا ہون کہ انسان کا کوئی کام خامیون سے خالی نہین رہ سکتا، اسلیے مین اپنے کو بریئی بنا کر بازار مصر مین نہین پیش کر سکتا، ہان یہ خیال میرے لیے فی الجملہ مایۂ طمانیت ہے کہ حتی المقدور مین نے دعوون سے اپنے تئین بچایا ہے نیز یہ کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو ہمارے ملک کے مبہوت الحواس مدعیان علم مستشرقین کو آئندہ پھر معصومیت سے نسبت دینے کی جسارت نہ کر سکین گے،

یہی نہین بلکہ مضمون بہت سی انوکھی تحقیقات پر مشتمل ہے اس لیے امید ہے کہ طالبان حق اس کے حقیقی فوائد پر نظر رکھین گے،

الا لیقل من شاء ماشاء انما یلوم الفتی فیما استطاع من الامر

تصوف اسلام

یعنی

اسلامی تصوف کا عطر، قدما صوفیہ کے حالات اور ان کی تصانیف پر تبصرہ مولفۂ مولوی عبد الماجد صاحب بی، اے، لکھائی چھپائی عمدہ ضخامت ۲۰۰ صفحہ قیمت عمہ

"منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ"

سلہ قوم کا مینا بھی میری طرح اندھا ہی ہے سو آؤ ہم اندھیرے مین باہم دگر سر مارین،

سلہ سے بھی جس کسی کے جی مین آئے کہڈالے کہ انسان اسی امر مین قابل سرزنش ہو سکتا ہے، جو اس کے بس کا ہو،

ابرق

ہندوستان مین ابرق کے مفاد و مضار

از
مولوی نور الہدیٰ صاحب ندوی متعلم بی اے کلاس کلکتہ

"کلکتہ یونیورسٹی سے طلبہ ہر سال کسی پروفیسر کی نگرانی مین تاریخی اور قابل دید مقامات کی سیر کو بھیجے جاتے ہین، مولوی نور الہدیٰ صاحب ندوی کو اس تقریب سے کوڈرما ضلع ہزاری باغ کی ایک ابرق کی کان کے دیکھنے کا موقع ملا موصوف یہ چمکتا ہوا تحفہ وہین سے ساتھ لائے ہین، اس مضمون کے پڑھنے سے ایک معمولی گریجویٹ اور ایک عربی خوان ندوی گریجویٹ کے اختلاف نظر اور طریقۂ تحقیق اور طرز ادا اور انشا پردازی کا فرق محسوس کر لیجئے"، "اڈیٹر"

ہندوستان کی جغرافیائی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر اے، سی، مکرجی نے لکھا ہے کہ یہ "دنیا کا نچوڑ ہے"[1] اس زبردست صداقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ یہان اگر ایک طرف بقول لارڈ مکالے وہ لوگ بستے ہین جو "عجیب غریب ستارون کی پرستش کرتے ہین"، تو دوسری طرف وہ قوم بھی آباد ہے جو "عجیب وغریب حروف داہنے ہاتھ سے بائین ہاتھ کی طرف لکھتی ہے"[2] یہان اگر ایک صوبہ ایسا ہے جس کے باشندے مئی جون کی چلچلاتی دھوپ مین بھی سر ڈھانکنا ضروری نہین سمجھتے تو ایک صوبہ ایسا بھی ہے جس کے بسنے والے کو ہر فصل و ہر موسم مین نصف تھان کی پگڑی باندھے بغیر چین نہین آتا، یہان اگر ایک جگہ ایسی ہے جہان قطب شمالی جیسی سردی پڑتی ہے، تو دوسری جگہ ایسی بھی ہے جہان خط استوا جیسی گرمی، اس کی سرزمین مین اگر ہیرے کی کان ہے، تو کوئلہ کا خزانہ بھی ہے، اگر سونے کی اینٹین مدفون ہین تو لوہے کا کنز مخفی بھی ہے، اس کے ایک حصہ مین اگر ڈھائی تھے وزن کا ململ تھان تیار ہوتا ہے، تو دوسرے مین

---

[1] ملاحظہ ہو پروفیسر موصوف کی مختصر تاریخ ہند، صفحہ اول، [2] ملاحظہ ہو لارڈ موصوف کا مضمون "ٹرائل آف وارن ہیسٹنگز"،

گزی کاڑھنے کی صنعت بھی جاری ہے، اگر کہین ریشمی کپڑون پر ستارے کا گنگا جمنی جال بنا جاتا ہے تو کہین سوتی ململ پر چکن کی دستکاری بھی ہوتی ہے، الغرض ہمہ گیری کی پوری پوری شان ہندوستان کی رگ وپے سے نمایان ہے، تپتے ہوئے صحرا، وسیع سمندر، بلند پہاڑ، گھنے جنگل، سرسبز وشاداب کھیت، ہرے بھرے باغ، مختصر یہ کہ اسکی فضائے بسیط کسی چیز سے خالی نہین!

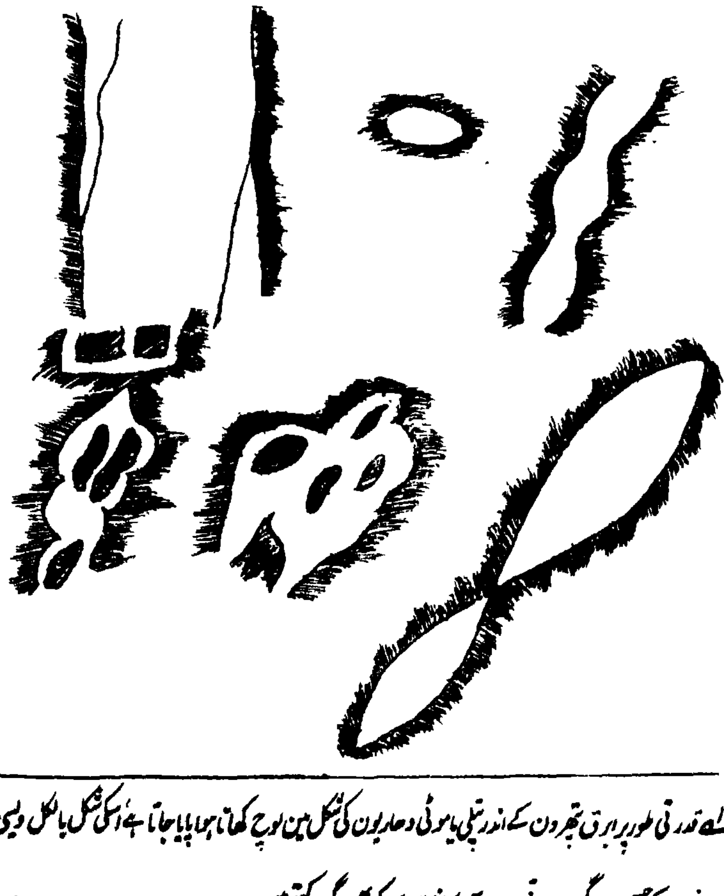
ابرق انھی بے شمار دولتون مین سے ایک ابرک یا ابرق بھی ہے[1]، مگر غالباً عام ہندوستان اب بھی اس سے ناواقف ہوکہ اس کا یہ مخفی خزانہ کیا قیمت رکھتا ہے اور کہان کہان مدفون ہے، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اور بعض معدنی اشیا مین ہندوستان مخصوص حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح ابرق کے معادن اور اقسام کے اعتبار سے بھی غیر ممالک کے معاون پر اس کو ایک خاص تفوق حاصل ہے،

کہان کہان پایا جاتا ہے عام طور پر ابرق کے معادن امریکہ، کناڈا، برزیل، آرگنٹائن، پیرو، اسٹریلیا، جنوبی اور مشرقی افریقہ مین پائے جاتے ہین، ان کے علاوہ انگلستان، روس اور جاپان مین بھی اس کا وجود ہے مگر اس سے تجارت نہین ہو سکتی، لیکن ہندوستان ابرق کی دولت مین ان تمام ملکون سے بڑھا ہوا ہے جہان اس کی تجارت ہوتی ہے،

کس طرح پایا جاتا ہے ابتدا مین ماہرین کا خیال تھا کہ ابرق زمین کی سطح سے کچھ ہی نیچے پایا جاتا ہے، اس لئے اس زمانہ مین تقریباً سو سوا سو فٹ کی گہرائی تک پہونچنے کے بعد کان کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا تھا، مگر اب جدید

[1] ابرک فارسی ہے اور ابرق عربی اس کے علاوہ عربی مین ایک لفظ "طلق" بھی ہے، صاحب غیاث اللغات فرماتے ہین
"نوعے از سنگ سفید وبراق کہ طبق بر طبق باشد، آن را ابرق نیز گویند۔۔۔ ظاہراً ابرق معرب ابرک ست چون دو طبق بر طبق بودن بابر مشابہ است لہذا ابرک بکاف تصغیر اسم آن سنگ شدہ یا آنکہ اسم تفضیل است از برق یعنی درخشندگی، بلحاظ درخشندگی اسم آن سنگ شدہ،"
قریب قریب یہی عبارت منتخب اللغات کی بھی ہے، مگر صاحب فرہنگ آنندراج ابرق کا ہندی مرادف لفظ بھی بتاتے ہین،
"بپارسی ابرک وبہ ہندی ابھرک خوانند"
اور اس کی تصدیق کشف اللغات سے بھی ہوتی ہے، جس کا ایک نسخۂ قلمی مرقومہ "سنہ یکہزار ویکصد دسی وچہارم ہجری" اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس کی یہ عبارت ہے:-
"طلق بفتح طا وسکون لام یکنوع دارو یست از سنگ کہ بزبان (؟) ابھرک گویند"

تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جس قدر زیادہ گہرائی بڑھتی جائے گی اسی قدر زیادہ بہتر ابرق دستیاب ہوگا اور مقدار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوگا، اس نظریہ نے ابرق نکالنے کے اخراجات کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے، ڈائنامائٹ کا خرچ لازمی ہوگیا ہے، قیمتی انجن اور دوسری برقی مشینیں منگانی پڑتی ہیں، ان تمام ساز و سامان پر بھی کام کرنے والوں اور معادن کے مالکوں کے لئے مشکلات میں کمی نہیں ہوتی، کیونکہ ابرق کی رگیں[1] کچھ اس طرح واقع ہوئی ہیں کہ وہ بظاہر بغیر کسی سبب کے کہیں تو عمق زمین میں غائب ہوجاتی ہیں اور کہیں پھر ابھر آتی ہیں بعض حالتوں میں یہ چار چار سو فٹ تک نفوذ کرتی چلی جاتی ہیں، اکثر مشاہدے ایسے بھی ہوئے ہیں کہ سو دو سو فٹ کی گہرائی میں ڈوبنے کے بعد ابھری ہیں اور ایسی مثالیں تو بے شمار ہیں کہ تیس چالیس فٹ نیچے جانے کے بعد ان کا کہیں پتہ نہیں



[1] قدرتی طور پر ابرق پتھروں کے اندر پتلی یا موٹی دھاریوں کی شکل میں لوچ کھاتا ہوا پایا جاتا ہے اسکی شکل بالکل ویسی ہوتی ہے جیسے انسان کے جسم میں رگیں ہوتی ہیں، اسی لحاظ سے اس کو بھی رگ کہتے ہیں،

ملا ہے ان مشکلات کی وجہ سے آج بھی باین ہمہ اسباب و وسائل تمام معدنیات مین ابرق کا کام سب سے زیادہ مشکل سمجھا جاتا ہے، نقشہ بالا سے معلوم ہوگا کہ ابرق کس کس شکل مین پایا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی ایسی بے شمار رگین ہین جو اپنے پیچ وخم مین آپ اپنی مثال ہین، مختصر یہ کہ ان نسون کے آڑے ترچھے ہونے کی کوئی حد نہین، یہی وجہ ہے کہ ابرق کے معادن مین نہ تو کوئلے کی کانون کی طرح روشنی کا کوئی معقول انتظام ہوسکتا ہے اور نہ راستہ صاف اور کھلا ہوا بنایا جاسکتا ہے، عام طور پر موم بتی کی مدد سے مزدور کام کرتے ہین اور اور اگر کوئی سیاح دیکھنے کو آتا ہے، تو اس کے لئے بھی یہی شمعِ ہدایت ہوتی ہے، عجیب پر لطف نظارہ ہوتا ہے، گذشتہ جاڑون مین مجھے بھی اس کا اتفاق ہوا، کوڈرما، ضلع ہزاری باغ مین ابرق کی غالباً سب سے بڑی کان ہے، نام بھی مناسب یعنی بڑھیا کان رکھا گیا ہے، اس کی گہرائی ساڑھے سات سو فٹ کے قریب ہے، تقریباً چھ سو فٹ تک لکڑی کی سیڑھیان بنائی گئی ہین مگر اس قدر تنگ کہ معلوم ہوتا ہے تہ خانہ مین جا رہے ہین، اور لطف یہ کہ ہر وقت حالت رکوع مین رہنا پڑتا ہے، ورنہ سرکشی کی فوراً سزا مل جائے، پھر بھی سرکش انسان کو سمجھ کہان! دو چار ٹھوکرین کھا ہی جاتا ہے، اکثر تو ابرق کے ابھرے ہوئے دھار سے اچھی طرح گھائل ہوجاتے ہین! ہان تو مین بھی سر بکف نیچے اترنے کو تیار ہوا، چار پانچ آدمی ساتھ تھے، مسٹر سی ہارٹن جو اس وقت اس کے منیجر تھے، ہر بندہ ایک ایک بڑی موم بتی جلا کر سب کے ہاتھ مین دی گئی اور احتیاطاً ایک بکس موم بتی اور دیا سلائی ایک چپراسی لیکر پیچھے ہو لیا، معدن کا دروازہ کھلا، اور سب نے سرنگون ہوکر تعظیم کی، اور اندر داخل ہوئے، راستہ کیا تھا لکھنؤ کی بھول بھلیان کی یاد تازہ ہورہی تھی، ہر قدم پر رخ بدل جاتا تھا، داہنے بائین، صحیفۂ فطرت کی ضخیم جلدین تو بر تو ابرق کی شکل مین انسانون کی بصیرت کے لئے کھلی تھین اور زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی تھین کہ ؎

ہر ورق دفتریست معرفت کردگار

راستہ اس قدر تنگ اور تاریک تھا کہ ہر قدم پر گوشۂ لحد یاد آجاتا تھا، غرض یہ کہ ہر چہار طرف عبرت و عظمت کا ایک دفتر کھلا ہوا تھا، اور ہم لوگ اس سے متاثر ہوتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے تھے، تقریباً ایک گھنٹہ مین دس [illegible]

سیڑھیاں طے ہوئیں اور آخری منزل نظر آئی، ادھر حالت بھی پست ہو چکی تھی، دیر تک آرام لینا پڑا، اس کے بعد چڑھائی شروع ہوئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے پاؤں پکڑ لئے ہیں، اُٹھتے ہی نہ تھے، دس دس قدم پر پانچ پانچ منٹ آرام لینے کی ضرورت ہوتی تھی، ان وجوہ سے اوپر کا سفر بڑی دیر میں طے ہوا، اور جب سطح بالا پر پہونچے تو سب پر نیم بے ہوشی طاری ہو گئی،

بہر حال ہم نے دیکھا کہ ابرق چٹانوں کے اندر دبا ہوا اس طرح پایا جاتا ہے، اور ہلکی موٹی پتلی ہر قسم کی دھاریاں کچھ اس طرح پیچ و خم کے ساتھ لاکھوں من پتھر کے اندر گھسی ہوتی ہیں کہ انھیں بے ساختہ چٹانوں کی رگیں کہنے کو جی چاہتا ہے، شاید اسی مناسبت سے انگریزی میں ان کو "وین" (VEIN.) کہتے ہیں، اور چونکہ یہ دھاریاں چوڑائی میں طبق برطبق ہوتی ہیں، اس لئے ابرق کی سلوں کو "بک" (BOOK) کہا جاتا ہے،

ابرق کی قسمیں ابرق کی متعدد قسمیں ہیں، اور رنگ کے اعتبار سے اس کی رنگت بھی مختلف ہوتی ہے، سبز، سیاہ، سرخ، زرد، سفید ہر قسم کا ابرق پایا جاتا ہے، مگر سب میں اعلیٰ قسم وہ ہے جس کی رنگت یاقوتی ہوتی ہے، عرصہ ہوا کہ ماہرین معدنیات نے کافی تحقیق و تفتیش کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ بنگال کا یاقوتی ابرق دنیا بھر کے معدن سے بہتر ہے، لیکن حکومت نے اس وقت تک اس کی اہمیت کو نہیں سمجھا جب تک کہ گذشتہ مہیب جنگ کا آغاز نہ ہو گیا، محکمہ جنگ نے جب ابرق کی کثیر مقدار طلب کی تو آنکھیں کھلیں مگر وقت گذر چکا تھا، اور جرمن تجار جن کے ہاتھ میں اس وقت ہندوستان کی تجارت تھی جہاز بھر بھر کر ابرق پہلے ہی سے جرمنی روانہ کر چکے تھے۔ اس وقت سرطامس ہولینڈ ناظم محکمہ اسلحہ جات کی سراسیمگی قابل دید ہو گی! بہر حال اس وقت تو جس طرح بھی ہو سکا ضرورت پوری کی گئی مگر اس کے بعد سے حکومت برابر اس کی طرف متوجہ ہے، اور ۱۹۲۳ء میں اس کی پوری روک تھام لئے قوانین بھی نافذ کر چکی ہے،

زمانۂ قدیم میں ابرق کا استعمال ابرق زمانۂ قدیم میں کسی مفید کام میں نہیں استعمال کیا جاتا تھا، بلکہ محض نمائشی چیزوں کی زیب و زینت بڑھانے میں صرف ہوتا تھا، چنانچہ "یادگار سلف" کے طور پر اس کا ایک مشاہدہ آپ کو اس وقت ہو سکتا ہے جب آپ کسی کپڑا رنگنے والے کی دوکان پر چند لمحہ کیلئے کھڑے ہو جایئے، "ابرق

کا سفوف رنگ گھولتے وقت پانی مین ملا دیتا ہے، اِس طرح یہ ذرّات کپڑے مین چپک جاتے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تارے جڑ دیئے ہین، اسی طرح کھلونے بنانے مین ابرق استعمال ہوتا تھا، حکما، اکثر اس کا کشتہ بھی تیار کرتے تھے، جو مختلف امراض کے لئے اکسیر سمجھا[1] جاتا تھا، مختصر یہ کہ آج کل کی جدید تحقیقات سے اس وقت دنیا واقف نہ تھی، اسی وجہ سے لوگ سطحی خزائن کھود کر اس کو نکال لیتے تھے، اور پتھر کاٹنا اور مشینون سے کام لینا ضروری نہین سمجھتے تھے، اسی مناسبت سے مزدورون کو نقد کچھ نہ دیا جاتا تھا بلکہ غلہ وغیرہ کی قسم سے کچھ دے دلا دیتے تھے، اِس بیان کی تصدیق کے لئے کوئی تاریخی حوالہ تو نہین مگر کہا جاتا ہے، کہ یہ طرزِ عمل کئی سو برس تک قائم رہا،

عہد حاضرہ مین ابرق کا استعمال

مگر آج صحیح طور پر ہم کہہ سکتے ہین کہ ابرق کس قدر مفید چیز ہے، ماہرین کا یہ فیصلہ ہے کہ ابرق پر بندوق کی گولی نہین اثر کرتی، آگ اس کا کچھ بگاڑ نہین سکتی[2]، اور بجلی اپنی تمام حاکمانہ طاقتون کے باوجود بھی اس کے آگے سر نہین مار سکتی، اِن خصوصیات کی بنا پر آجکل ابرق اور برق دونون لازم ملزوم سمجھے جاتے ہین، یعنی بجلی کی عجیب وغریب طاقت سے جن خطرات کا اندیشہ ہے ان کو روکنے کے لئے بجلی کے تارون کے اوپر ابرق کی ایک تہ جما دی جاتی ہے، جس تختہ پر بجلی کو پیدا یا ناپید کرنے کا بٹن لگا ہوتا ہے اس مین بھی ابرق ہی کا استعمال ہوتا ہے، شیشہ کی جگہ یورپ مین اب کثرت سے ابرق ہی لگایا جاتا ہے، کیونکہ شیشہ مین زیادہ گرمی برداشت کرنے کی طاقت نہین، جہازون کے وہ حوض جن مین پانی کھولایا جاتا ہے ابرق ہی کی چادرون سے ڈھکے ہوتے ہین، بلون کی چمنیون مین بھی اسی سے مدد لی جاتی ہے، اور گولا ڈائنامائٹ کی طرح پھٹنے والے بارود بھی اسی سے بنائے جاتے ہین جنکا مخصوص نام " مائیکا پاؤڈر (mica powder)[3] ہے،

---

[1] پرانے لوگون کا یہ بھی خیال تھا کہ ابرق کو پانی مین حل کیا جانا ممکن ہے چنانچہ عربی ادب کا طالب علم غالبًا اس مشہور فقرے سے ناواقف نہ ہوگا کہ "من حل الطلق استغنی عن الخلق" ، اس مفہوم کا ایک شعر شیخ آذری کا بھی ہے، ؎

معنی حل طلق حلول قناعت است — این نکتہ یاد گیر کہ من کیمیاگرم

[2] اگلے لوگون کا بھی خیال ہے کہ "چون بر چیزے بمالند آتش آنرا نسوزد" (غیاث اللغات) ملاحظہ ہو، ای، بی چرچی کی انڈین اکنامکس صفحہ ۱۴۹،

ہندوستان میں بھی اب ماشاء اللہ ابرق کی مصنوعات ترقی پذیر ہیں، لالٹین کی چمنیاں، لیمپ کی ہانڈیاں اسی کی بننے لگی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے چراغ اسی سے روشن ہیں، اکثر مقامات پر میونسپلٹی نے بھی سڑکوں کی لالٹینوں میں شیشہ کی جگہ ابرق ہی کا استعمال شروع کیا ہے،

ابرق کی قیمت | پہلے کہیں گذارش کرچکا ہوں کہ یاقوتی رنگ کا ابرق نہایت عمدہ اور قیمتی سمجھا جاتا ہے، دوران گفتگو میں میں نے مسٹر مارٹن سے اس کے متعلق استفسار کیا تو انھوں نے کہا کہ معمولی قسم کا ابرق بیس پچیس روپیہ من بکتا ہے، مگر اعلیٰ قسم کے یاقوتی ابرق کی قیمت چار ہزار روپیہ من تک بڑھ جاتی ہے، قیمت کی زیادتی اور کمی میں ابرق کی سلون کے طول و عرض کو بھی دخل ہے، لیکن گرانی کی اصلی وجہ شاید یہ ہو کہ خرچ سے پیداوار بہت کم ہے، یعنی بقول مسٹر مارٹن دس فی صدی مانگ پوری ہوتی ہے،

ابرق اور دوسری معدنی اشیا میں فرق | دوسری معدنی اشیاء کے برخلاف ابرق کان سے نکالے جانے کے بعد ہی خرید و فروخت کے قابل ہو جاتا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ ہندوستان میں بھی اس کی کوئی منڈی ہوتی مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں، جتنی مقدار ابرق کی نکلتی ہے، وہ غیر ممالک مثلاً امریکہ اور یورپ بھیجدی جاتی ہے، اس لئے یہاں جو ابرق ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتا رہتا ہے، اس کا اکثر حصہ مسٹر مارٹن کے بیان کے مطابق مسروقہ ہوتا ہے، اور یہ بعید از قیاس نہیں کیونکہ اس پورے رقبہ کی حفاظت جس میں ابرق کے خزائن ہیں ایک امر محال نظر آتی ہے، مزدور نہایت آسانی سے دس بیس سیر ابرق تھوڑی زمین کھود کر نکال لے سکتا ہے جس سے اسکو کوڑیوں مول بیچنے پر بھی ایک معقول رقم مل جاسکتی ہے، یہ حال کوئلے کا نہیں، اولاً تو اگر کوئی مزدور سیر آدھ سیر کوئلہ چوری کر بھی لے تو مالکوں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کیونکہ اس کی قیمت ایک پیسہ یا دو پیسہ سے کبھی زیادہ نہیں ہوسکتی، دوسرے دس سیر کوئلہ بغیر سر پر اٹھائے نہیں لیجایا جاسکتا لیکن ابرق اس سے بالکل مختلف ہے، اس کے ایک سیر کی بھی قیمت ہے اسلئے کوئی مالک چشم پوشی نہیں کرسکتا دوسرے یہ کہ یہ ایک وزنی چیز ہے، اور نہایت آسانی سے اس کی چھوٹی چھوٹی سلیں غائب کردی جاسکتی ہیں، اس کی قیمت کا حساب من سے کیا

جاتا ہے، اور کوئلے کی قیمت کا نمن سے،

یہی اسباب ہین جنکی بنا پر معادن کے اندر کام کرنے والون کی سخت نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ چلتے وقت نہایت آسانی سے ہر روز ایک ٹکڑا اپنے کپڑون مین چھپا کر اس طرح ے جاسکتے ہین کہ نگرانی کرنے والون کو خبر نہ ہو کیونکہ وزنی ہونے کی وجہ سے بظاہر اس مین ضخامت نہ ہوگی، اس بدعت کو روکنے کے لئے مالکان معادن ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہے ہین مگر کوئی تدبیر کارگر نہین ہوتی، جن اضلاع مین ابرق کے معادن ہین، وہان کے مقدمات کی فہرست دیکھئے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہان کی عدالتون مین نصف سے زیادہ مقدمات صرف ابرق سے تعلق رکھتے ہین، کوڈرما ضلع ہزاری باغ کے علاقہ مین ایک سب انسپکٹر پولیس اپنے عملہ کے ساتھ صرف ابرق کی چوری کے مقدمات کی تحقیقات کے لئے مقرر ہے،

ہندوستان مین ابرق کے معادن | ہندوستان مین ابرق کے معادن مدراس، راجپوتانہ، ٹراونکور، سیلون، مونگیر، گیا اور ہزاری باغ مین ہین، لیکن ان تمام مین کمیت اور کیفیت دونون کے اعتبار سے ہزاری باغ کے معادن سر فہرست ہین، اس ضلع کی بڑی بڑی کانین کوڈرما خاص محال[1] کے جنگلون اور ڈومچانچ، مستوڈیھ، گانوان بہت گانون

[1] اس "خاص محال" کے فقرے نے بھولی ہوئی داستان غم یاد دلادی، اس لئے ابرق کے صحیفۂ فطرت سے سبق لینے سے پہلے ذرا تاریخ کے خون چکان اوراق کو ملاحظہ فرمایئے کہ یہ رقبہ حکومت کے خاص قبضہ و تصرف مین کس طرح آیا ویسے تو ماشاء اللہ آجکل زمینداروں کی طاقت توڑنے کیلئے ہر روز نئے نئے قوانین نافذ ہوتے ہی رہتے ہین مگر یہ آئینی قدغن صرف اس لئے ہے کہ ہندوستان کے باشندے کسی قدر پڑھ لکھ لینے کے بعد پہلے سے زیادہ کچھ سمجھدار ہوگئے ہین لیکن اب سے ایک صدی پہلے جب یہ عقل کے کورے تھے تو ان کو زیر کرنے کے لئے آڑے ترچھے تیرون کی ضرورت نہ تھی بلکہ سرکار بہادر کے نقرے ہی مین وہ بجلی تھی جو دفعتہً ان کے خرمن ہوش و حواس کو خاکستر کر دیتی تھی،

"بندوبست دوامی" کے وقت کوڈرما کے مالک راجہ بردجو موہن ساہی کے مرافعہ پر اس رقبہ کی الگ پیمائش ہوئی تھی، اس مین باون گاؤن اور بارہ دانگی جو منضمات شامل تھے، اب سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا رقبہ کس طرح ہضم ہو سکا اور طریقہ ہضم کار کیا تھا،

جھنڈاری، موہیسری اور چرکی کی زمینداریوں مین واقع ہوئی ہین، ابرق کی شہ رگ انھی مقامات سے ہوکر گذری ہے اور اس کا زیادہ حصہ جنگل مین ہے،

ہزاری باغ کے معادن کو ہندوستان کے دیگر اضلاع کے معادن پر اس لئے تفوق حاصل ہے کہ یہان صرف اعلیٰ قسم کا ابرق پایا جاتا ہے، بنگال مین جس وقت پتہ چلا کہ یاقوتی ابرق وہان موجود ہے، اسی وقت سے ہندوستان کو اس خاص باب مین ایک اہمیت حاصل ہوگئی تھی مگر آج ہزاری باغ کے یاقوتی ابرق کی وجہ سے ہندوستان تمام دیگر ممالک سے آگے بڑھا ہوا ہے، اور کوڈرما بلااستثنا یاقوتی ابرق کا مخزن ہے، جس کے مقابلہ مین راجپوتانہ اور مدراس کا سبز و سفید ابرق کوئی قیمت نہین رکھتا،

ہزاری باغ مین ڈیھاکان کے علاوہ اور بھی بہت سی چھوٹی کانین موجود مین جنکی مجموعی تعداد اگر شمار کیجائے تو ساری اکائیان طے کرجائے گی، یہ معادن تقریباً ۵۰ × ۵۰ میل کے رقبۂ زمین پر پھیلے ہوئے ہین،

ابرق کی پیداوار — اوپر کہین بیان کیا جاچکا ہے کہ ابرق کی مانگ یوماً فیوماً بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ابتک

سلہ (بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) اس قصہ کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ہمین بندوبست دوامی، سے چند قدم پیچھے ہٹنا پڑیگا، [illegible] مین ایسٹ انڈیا کمپنی نے نواب اقبال علی خان کو گدی نگری (ڈیھ سے جو کوڈرما کے پاس ہی ایک الگ زمینداری تھی) بے دخل کردیا اور [illegible] مین اسکا بنگامی نظم و نسخ وہان کے ٹکیت (راجہ کوڈرما اور دوسرے زمینداروں کا اعزازی لقب، مگر یہان اس سے مراد راجہ کوڈرما ہی ہے) کے حوالہ کیا، [illegible] مین یہ بندوبست ہمیشہ کے لئے ہوگیا، اس کے کچھ دن بعد ٹکیت یعنی راجہ کوڈرما سے کہا گیا کہ اسکو خرید لو، چنانچہ حسب الحکم "سرکار بہادر" راجہ بردجو موہن ساہی کی موت کے بعد نیپ نرائن ساہی نے یہ زمینداری خرید کر کوڈرما کے رقبہ مین شامل کرلی اور اس طرح اپنی دولت صرف کرکے اپنی ریاست کے پورے رقبہ مین ایسا گھن لگایا جو بیس بائیس برس مین سب کو کھا گیا، اسوقت اس پورے علاقہ کی مال گذاری چھیاسی روپیہ اچھ آنہ پانچ پائی، تھی، اس خریداری کے بعد سے بیس بائیس برس تک کیا ہوا؟ اس کا جواب تاریخ اپنی پرمعنی خاموش زبان سے دیتی ہے، مگر اس کے بعد ہم دیکھتے ہین کہ [illegible] مین نیپ نرائن ساہی ڈاکہ زنی اور ڈاکوون کی حمایت کرنے کے جرم مین ماخوذ ہوتا ہے، اور اس کی پوری جائداد کو حکومت اپنے حفاظت مین لے لیتی ہے، اور بالآخر ۱۰ اکتوبر [illegible] کو بموجب حکمنامہ شاہی [illegible] اس کو شاہی مقبوضات مین شامل کرلیا جاتا ہے، پھر بھی ٹکڑے پارچے ریاست کے حقدارون کو دیکر اشک شوئی کردی جاتی ہے، کہ اس وقت زخم تازہ تھا مگر آج ہم دیکھتے ہین کہ اسی خاندان کے افراد کے لئے، ؎

صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

کیونکہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک آواز سے ان منتشر اجزا کو اکٹھا کرکے جوڑنا کا تو ن بنادیا گیا ہے، (ملاحظہ ہو "فائنل رپورٹ سروے اینڈ سٹلمنٹ، کوڈرما گورنمنٹ اسٹیٹ تیارکردہ [illegible]")

دس فیصدی سے زیادہ مطالبہ نہین پورا ہوسکا، شاید آپ یہ سنکر تعجب کرین گے کہ آپ کا ہندوستان اِس دس فیصدی مین ۷½، کا حصہ دار ہے، یعنی دنیا کے تمام معادن مل کر ۲½ فیصدی مانگ پوری کرتے ہین، اور تنہا ہندوستان ساڑھے سات فیصدی اَبرق پیدا کرتا ہے اور اس مین قریب قریب پوری مقدار صرف ضلع ہزاری باغ کے دفائن سے نکالی جاتی ہے،

ابرق کی تجارت کس کے ہاتھ مین ہے؟ یون تو آج کل ہزاری باغ مین ابرق کی خرید و فروخت کرنے والون کی تعداد بے شمار ہے اس لئے کہ جس کسی کو دس پندرہ سیر کسی صورت سے بھی ہر روز ابرق مل جاتا ہے وہ تاجر ہے، مگر جو لوگ واقعی اس کی تجارت کرتے ہین اور غیر ممالک سے ان کا لین دین ہے ان مین سے قابل ذکر مسرس ایف کرٹیمین اینڈ کمپنی لمیٹڈ، چھوٹا ناگ پور مائیکا سنڈیکیٹ لمیٹڈ، ہواری لل اینڈ کمپنی، مسرس ولیس اینڈ کمپنی، مسرس برڈ اینڈ کمپنی، اور ٹاٹا اینڈ سنز لمیٹڈ ہین، ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی بیس بائیس کمپنیان ہین جو باقاعدہ طور پر ابرق کا کاروبار کرتی ہین اور مال باہر بھیجتی ہین، درج بالا کمپنیون مین سے اول الذکر بہت سرمایہ دار اور قدیم کمپنی ہے، جو ہندوستان مین آئی، اس نے تاجر کے علاوہ ایک اچھے خاصے زمیندار کی حیثیت پیدا کر لی ہے، اس زمینداری سے بھی اس کی آمدنی ہزارون روپیہ ہوتی ہے، اس کے قبضہ مین متعدد بڑی بڑی کانین ہین، بڑھیا کان بھی اسی کا سرمایہ ہے،

اس کمپنی کی دولت کا اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ سیکڑون انگریز تنخواہ دار ملازمین اس مین کام کرتے ہین، اور ان کا باہم ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ ہوا کرتا ہے، یہ کمپنی ہندوستان مین تقریباً ایک صدی پہلے بغرض تجارت آئی تھی مگر اس کا پہلا سفر سودمند ہونے کی بجائے مضرت رسان ثابت ہوا، اور شدید ترین نقصان اٹھانے کے بعد بیک بینی و دوگوش اس کو یہان سے چلا جانا پڑا، لیکن اس ناکامی نے اس کے عزم کو متزلزل نہ ہونے دیا اور کارکنون نے دو چند ہمت سے کام لیکر پھر کاروبار شروع کر دیا، اسی استقلال کا نتیجہ ہے کہ آج ہزاری باغ کے معادن کے وسیع رقبہ پر اس کمپنی کی حکومت ہے، اور صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کے

کارکن اپنی سعی پیہم کی بدولت جنگل مین منگل منا رہے ہین،

کوڈرما ابرق ایسوسی ایشن | عہد حاضرہ مین مرکزیت کا جو عالمگیر خیال پھیل گیا ہے، اس سے تاجرون کا یہ طبقہ بھی نہ بچ سکا، چنانچہ چند سال سے ان لوگون نے بھی کوڈرما مائیکا ایسوسی ایشن (KODERMA MICA ASSOCIATION) کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے جو جلسے کرکے تجاویز پاس کرتی ہے، اور اپنے مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرتی ہے، ۱۹۳۰ء مین ابرق کی تجارت کے متعلق جن قوانین کا نفاذ ہوا ہے وہ مسٹر ریے (MR RAY)، نمایندۂ معدنیات بہار کونسل کی مساعی اور اسی انجمن کی احتجاج کا نتیجہ ہین،

اس ایسوسی ایشن نے گذشتہ جاڑون مین اپنا ایک خاص اجلاس کیا تھا، یہ اجلاس بعض وجوہ سے بہت زیادہ اہم سمجھا گیا، ہندوستان کے مختلف صوبون نے کافی جوش وخروش کے ساتھ اس مین حصہ لیا اور اپنے نمایندے بھیجے، متعدد تجاویز کے علاوہ اس اجلاس کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ ابرق کی طرف گورنمنٹ کی توجہ خاص طور پر مبذول کرائی جائے تاکہ معادن کی پوری حفاظت ہوسکے اور اس کی پیداوار مین ترقی ہو، ان مقاصد کے حصول کے لئے انجمن کی طرف سے حکومت کے سامنے ایک یادداشت بھی پیش کیگئی تھی جس پر ارباب حل وعقد غور وفکر کر رہے ہین، ارکان انجمن کا اصرار ہے کہ حکومت درج ذیل امور پر توجہ کرے اور ان پر قانونی قلمی پھیر دے،

(۱) بغیر لائسنس کے ابرق کی تجارت نہ ہو،

(۲) ابرق جنگلی پیداوار سمجھا جائے، اور قانون جنگلات کے ماتحت کر دیا جائے،

(۳) اگر زمیندار چاہین تو وہ بھی اپنے جنگلون کو جن مین ابرق کے خزائن ہین اس قانون کے ماتحت کر دین

(۴) درج ذیل فرائض کی انجام دہی کے لئے حکومت ایک افسر مقرر کرے جو معدنیات کا ماہر ہو۔

(الف) معادن کا معائنہ کرے،

(ب) معادن مین کوئی نقص نہ پیدا ہونے دے، ان کو برباد ہونے سے بچائے تاکہ جس کا اثر ملک

کی تجارت پر پڑے گا،

(ج) ابرق کے تاجرون کے کھاتہ پتر کا محاسبہ کرے، ان کے ذخائر پر نظر رکھے تاکہ دیانت سے تجارت ہو سکے اور مسروقہ مال ان مین خلط ملط نہ ہو،

(د) اُن مقامات کی تلاشی لے جہان اسے مسروقہ ابرق پائے جانے کا شبہہ ہو،

(ر) یہ بھی دیکھے کہ آیا واقعی مسروقہ ابرق اس معدن سے نکل سکتا ہے جس مین سے چوری جانے کی اُسکو اطلاع پہنچی ہے،

(س) لائسنس کے لئے تمام درخواستین اپنی معرفت ڈپٹی کمشنر کے پاس بھجوائے،

(ص) لائسنس کی منظوری یا عدم منظوری سے پہلے ڈپٹی کمشنر، معاون کے ذمہ دار افسر ایس ڈی او۔ ہزاری باغ، گرہی ڈیہہ، نواداسے اس کے متعلق استصواب رائے کرے، اس علاقہ کے تھانہ کی رائے بھی دریافت کرے، کوڈرما مائیکا ایسوسی ایشن یا اس قسم کی دوسری انجمن سے اگر کوئی موجود ہو مشورہ کرے، ان سب کے علاوہ اگر ضرورت ہو تو لائسنس طلب کرنے والے کے چال چلن کے متعلق انفرادی حیثیت سے بھی تحقیقات کرے، اس کے بعد حسب آرا لائسنس کی منظوری یا عدم منظوری عمل مین آئے، اگر کافی اسباب کے بغیر کوئی لائسنس نامنظور نہ کیا جائے، پھر بھی ڈپٹی کمشنر کوئی سبب ظاہر نہین کرسکتا،

(ط) ہر لائسنس کے لئے فیس اور ضمانت مقرر کی جائے،

(ع) ابرق کے تاجر اور خرید و فروخت کرنے والے معقول طور پر اپنے افسر معائنہ کے اخراجات ادا کرین

اس باب مین تاجرون کو درج ذیل امور پر توجہ کرنی چاہئے، تاکہ ان کے مالیات پر براہ راست کوئی زد نہ پڑے

(۱) گورنمنٹ سے منظوری کی سند حاصل کرین،

(۲) زر ضمانت ادا کرین،

(۳) ٹھیکہ دار رقم نظرانہ ادا کرین،

(۴) خیال رکھین کہ خرچ سے آمدنی کم نہو،

(۵) نفع یا نقصان کا صحیح حساب پیش کرین،

(۶) ابرق کے ٹھیکہ مین پیداوار کا صحیح حساب رکھین،

(۷) محاصل ادا کرین،

(ف) ابرق کے ایک تاجر کے لئے ضروری ہے کہ ایک معلوم مقام پر اس کا گودام ہو جہان افسر معائنہ جاکر اس کی دیکھ بھال کرے،

(ک) ہر تاجر یا معدن کا مالک وہ رسیدین دکھلایا کرے جن سے معلوم ہو کہ اُس نے کس کے ہاتھ ابرق بیچا ہے اور کس سے خریدا ہے، ان رسید و نمین ابرق کے بل کا وزن اور طول و عرض بھی ظاہر کیا جائے، رسیدن اور حساب کے رجسٹر مین تطبیق بھی ہونی چاہئے،

خاتمہ | درج بالا سطرون کے مطالعہ کے بعد ابرق کی اہمیت قارئین کرام کے ذہن نشین ہو گئی ہو گی اور یہ بھی سمجھ مین آگیا ہو گا کہ اس کی تجارت پر اس قدر قدغن کیون ہے، حقیقت یہ ہے کہ بجلی کے روز افزون کارنامون نے ابرق کو اس قدر اہم بنا دیا ہے، جنگی ضرورتون مین جہان کہین بھی بجلی کی حیرت انگیز طاقت کار فرما ہوتی ہے، ابرق کو اس کا دست راست سمجھا جاتا ہے، چنانچہ یہی وہ جنگی ضرورتین ہین جنکی طرف متوجہ کرکے کوڈرما ایسوسی ایشن کے اراکین کوشش کر رہے ہین کہ اس کی تجارت قانونی شکنجہ مین ڈال دی جائے، اور اسکو "شاہی ملک" (ROYAL ASSET) مین شامل کر لیا جائے، لیکن اگر ان مطالبات کو حکومت نے تسلیم کر لیا تو چھوٹے چھوٹے دیسی تاجر اس "جنگِ زرگری" مین بری طرح شکست کھائین گے، اور ان کو ابرق کی تجارت سے دست بردار ہو جانا پڑیگا، کیونکہ لائسنس کی منظوری مین اِس قسم کی شرائط پیش کی گئی ہین کہ اگر ایک معمولی تاجر اپنی درخواست آگے بڑھانے کی کوشش کرے تو ہر قدم پر اس کو "کشتیِ زر" کی ضرورت ہو گی، اور اسطرح اِن اِس جنس گران کی کساد بازاری کچھ خلاف توقع نہین! اگر یہ منزل بھی کسی طرح طے ہو گئی تو پھر ایسوسی ایشن

اور پولیس سے اپنے چال چلن کی تصدیق کے لئے دوچار ہونا پڑیگا، اور ایسے ایسوسی ایشن سے جس کی باگ "سفید بنیون" کے ہاتھ مین ہے، یہ امید رکھنی ایک فعل عبث ہے کہ وہ ہندوستانیون کو اس کا موقع دینگے، ان سب پر مستزاد وہ محاصل ہین جن کی ادائگی ان کی مالی مشکلات مین اور اضافہ کردیگی،

مذکورہ بالا حقیقتون کے جان لینے کے بعد ہم کیا توقع کرسکتے ہین کہ ہندوستان اپنے اس "کنز مخفی" سے کچھ بھی فائدہ اٹھا سکے گا، ہان ایسا اسی وقت ممکن ہے جب دولتمند ہندوستانی تجار سرمایہ دار اور زمیندار اس کی طرف کافی توجہ کرین اور اس جذبہ کے ساتھ ابرق کے معادن حاصل کرین کہ یہ ہماری دولت ہے، اس سے فائدہ اٹھانا ہمارا پیدائشی حق ہے، اگر ایسا نہ ہوا تو نیل کی کوٹھیون کے مالکون کی طرح ابرق کے معادن کے مالک بھی اپنے دیہاتی پڑوسیون پر مظالم توڑین گے، گو آج بھی وہ کچھ مہربانی سے پیش نہین آتے مگر قوانین کے اجرا اور تجاویز کی منظوری کے بعد تو یقیناً آنکھین بدل جائین گی اور سال کا ایک دن آپ سن لین گے کہ ابرق کی تجارت مین ہندوستان کا ایک ہاتھ بھی نہین،

تصوّف اسلام

یعنی

"افادیت اور خارجیت، ضمیریت اور تصوریت"

اور

اسلام کے عروج و زوال کا سبب

از مولوی الف دین صاحب سیالکوٹ

"افادیت" کا تعلق خارجیت یا بیرونی ماحول سے ہے اور "ضمیریت" کا تعلق تصوریت یا انسان کے خود اپنے اندرون سے ہے، افادیت کا مابہ الامتیاز "خارجیت" ہے تو ضمیریت کا امتیازی نشان "تصوریت" ہے،

جب "افادیت" مناسب اور معتدل حد سے متجاوز ہو جائے تو اس کا نتیجہ افراد یا اقوام مین جیسی کہ صورت ہو، یہ ہوتا ہے کہ وہ افراد یا قوم پرلے درجہ کی طامع، لالچی، فریبی، مکار، زر پرست، خود غرض اور مادہ پرستی اس کے بیشتر افراد کو لامذہبی کیطرف مائل کر دیتی ہے، جیسا کہ آج فرنگستان کی حالت ہے،

دوسری طرف جب "تصوریت" مین غلو کیا جائے تو اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ پرلے درجے کی خود انکاری نفس کشی، جائز خواہشون کی بھی موت، رہبانیت اور فرائض زندگی کی بجاآوری سے غفلت اور بالآخر جمود و خمود جیسا کہ ہندوستان ایران اور دیگر ممالک ایشیا مین دیکھا جاتا ہے، اس مفہوم مین سارا ایشیا باستثناے عرب تصوریت پسند ہی،

عرب سے امت وسطیٰ اٹھی اور قائم بالذات، حی قیوم، عادل و منصف خدا کے تصور کے ماتحت دنیا کے سامنے یہ حقیقت پیش کی کہ نہ تو اس قسم کی ماحول پسندی جو افادیئین مین ہے، اور نہ اس طرح کی اندرون پسندی جو تصوریین مین ہے سچی اور اخلاقی زندگی کا معیار ہو سکتی ہے، کیونکہ ان مین افراط و تفریط ہے، نہ سرے سے خدا فراموشی اور نہ ویدانتی تصور حلول، نشان زندگی ہے بلکہ اصلی

اور اخلاقی زندگی اور صراط مستقیم تو میانہ روی اور خدا کی ربوبیت عامہ کے تصور کے ماتحت "اعدلوا هو اقرب للتقوی" مین ہے،

دیکھو! بیکن کے زمانہ اور ملکہ الزبتھ کے عہد کا فرنگستان کیا تھا اور اس کے مقابلہ مین اکبر اور ابوالفضل اور راجہ ٹوڈرمل کا ہندوستان، عہد صفویہ کا ایران اور عہد عثمانیہ کا فرنگستانی روم کیسا شاندار تھا، اگر مسلمان اندلس مین کمزور ہو گئے تو اس مین کوئی کلام نہین کہ انھین دنون انھون نے قسطنطنیہ مین ایک زبردست حکومت قائم کی جس سے سولھوین اور سترھوین صدی عیسوی مین سارا فرنگستان لرزہ براندام رہا،

تاریخی حقائق کی روشنی مین بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے، کہ جب نیا دور شائستگی دنیا مین شروع ہوا، تو ایشیا کو فرنگستان کی بہ نسبت زیادہ امید افزا مواقع حاصل تھے، بلکہ ایشیا کے مقابلہ مین فرنگستان کی کوئی حیثیت نہ تھی،

پھر سوال یہ ہے کہ کیون فرنگستان بڑھ گیا اور اس کے مقابلہ مین ایشیا، سیاسی، اور اقتصادی رنگ مین بلکہ مین کہونگا کہ مذہبی حیثیت سے بھی کمزور ہو گیا،

اس سوال کا جواب واقعات کی روشنی مین میری رائے مین یہ ہے، کہ سولھوین صدی عیسوی کے آغاز تک فرنگستان، ایک دور از کار اور بعید از عقل، بیہودہ اور لاطائل مذہب کے شکنجہ مین گرفتار تھا، اس کا جان و مال، اسکی آزادی، اس کی قوت فیصلہ غرضکہ ہر ایک چیز پاپائی عقیدہ پر قربان کر دی گئی تھی، جب مذہبی اصلاح نے ۱۵۲۰ء مین اُسے پاپائی استبداد سے نجات دلائی تو مذہب کے خلاف اس زور اور شدت کے ساتھ ردّ عمل شروع ہوا کہ لامذہبی تک نوبت پہنچ گئی، شکسپیر ۱۵۶۴ تا ۱۶۱۶ نے ایک اعلیٰ اور کارآمد ادبیات کی بنیاد رکھی، بیکن ۱۵۶۱ تا ۱۶۲۶ء نے علمی فلسفہ کی بنیادین قائم کین، علوم طبیعی، اختراع آلات، اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ ہوئی، تلاش معاش

اور اقتصادی ضروریات کی وجہ سے ایک تجارتی کمپنی قائم کیگئی کہ وہ ہندوستان مین جائے، اسی طرح دیگر ممالک فرنگ سے فرانسیسی، ڈچ اور پرتگالی وغیرہ بیرونی ممالک مین نکل آئے،

ادھر ہندوستان مین سانکھیا، کپل، اور یوگ پتنجلی اور ان کے ساتھ ساتھ بھگوت گیتا کی شرح ویدانتی نقطۂ نظر سے جو شنکر اچاریہ نے مدتین گذرین کی تھی، مذہبی رنگ مین ہندؤن کے دل و دماغ پر مسلط تھی، معیشت سے فارغ البالی تھی، ایران کی سرحدون اور قرب وجوار مین بقول سید امیر علی اور پھر خود اندرون ایران مین ہندؤن کا ویدانتی تصور پھیلا ہوا تھا، یہی حال عثمانیہ قلمرو کا تھا، مذہب ویدانت کی شکل مین تبدیل ہوگیا تھا اور فراوانی پیداوار اور زرخیزی اراضیات نے اقتصادیات کی طرف سے بے پرواہ کردیا تھا، بیرونی تاجرون کو مراعات دیگئین، وہی دکاندار وہی صناع اور حرفتگار تھے، ایران، ہندوستان، ایشیائی روم بلکہ قسطنطنیہ مین بھی نامور اور قادر الکلام شعرائے فارسی کے لیے ویدانت نے طبع آزمائی کا سامان بہم پہنچایا، فلسفۂ ویدانت کے ادائے مطالب کے لیے زبان فارسی کچھ ایسی موزون واقع ہوئی ہے، کہ شاید کوئی اور زبان اس بات مین اس کا مقابلہ نہین کرسکتی،

اس خود انکارانہ فلسفۂ زندگی کا یہ اثر ہوا کہ جہان فرنگستان مین افادی نقطۂ نظر سے جذبات کی تہذیب اور ماحول کی اصلاح کا کام کیا جارہا تھا، شعراء مناظر قدرت اور ضروریاتِ زندگی پر دلکش اور مؤثر نظمین لکھ رہے تھے، سائنس کے نئے نئے اکتشافات، اور مختلف علوم وفنون کو ترقی دینے کے لیے اقتصادی زاویۂ نگاہ سے مختلف سوسائٹیان قائم ہورہی تھین، وہان ہندوستان اور ایران مین ادبیات ویدانت کے موجودہ طومار مین اضافہ کرنے کے لیے مشاعرے قائم ہورہے تھے، وجودی فلسفہ کچھ ایسے بلیغ انداز مین منظوم کیا گیا ہے، کہ خواص وعوام اُسے پڑھتے، قوالون سے سنتے اور بے اختیار وجد مین آکر سر دھنتے ہین،

جہان ڈیکارٹ فرانسیسی (۱۵۹۶ء تا ۱۶۵۰ء) باتباع امام غزالی (۵۰۵ھ) جدید فلسفہ کی بنیادین

اسلامی اصول پر قائم کرکے ایک قائم بالذات خدا کا تصور اور روح وجسم کے حقوق و فرائض پر ایک معنی خیز تبصرہ کررہا ہے، وہان ہم دیکھتے ہین، کہ ابوالفضل قلم و اکبری مین مارا مارا پھر رہا ہے، کہ وہ نئے دین الٰہی کیلئے جو ویدانت پر مبنی تھا، کسی مناسب اور موزون مقام پر معبد تعمیر کرے حضرت آزاد بیان کرتے ہین، کہ ملک کشمیر چھوٹی ڈل کے کنارے پر یہ معبد بنایا گیا، اور اس کے دروازے پر ہلالی ایرانی کے یہ اشعار کندہ کئے گئے،

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ — خلقے بتو مشغول تو غائب زمیانہ

گہ معتکف مسجد و گہ ساکن دیرم — یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

حاجی برہ کعبہ و من طالب دیدار — او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

یہ ویدانتی تصور خدا اسلامیون کی سیاسی اور اقتصادی زوال کا ذمہ دار ہے، حضرت اورنگ زیب نے اس مین اصلاح کرنی چاہی، مگر نقارخانہ مین طوطی کی آواز نہ سنی گئی، اس سے پہلے ہی اس سیلاب کی روک تھام کے لیے حضرت ابن حزم اندلسی پانچوین صدی ہجری، (جسکو ویدانتی غلط نفسیات نے "ظاہری" خطاب دیا ہے) امام ابن جوزی استاد حضرت سعدی چھٹی صدی ہجری، علامہ ابن تیمیہ اٹھوین صدی ہجری کے شروع اور مجدد الف ثانی شیخ سرہندی گیارہوین صدی ہجری اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بارہوین صدی ہجری مین اُٹھے، مگر ان کے ارشادات سے سوائے چند خواص کے عوام نے فائدہ نہ اُٹھایا، وجہ یہ ہوئی کہ ایک تو وہ نثر مین تھے اور فلسفہ ویدانت منظوم، نثر مین لوگ بمقابلہ نظم کم دلچسپی لیتے ہین، اور دوسرا یہ کہ سہل انگار قوم کا مذاق بگڑا ہوا تھا، اب عالم اسلام حضرت ابن سعود کی طرف دیکھ رہا ہے اور بعض درد دل رکھنے والے مسلمان یہ امید لگائے بیٹھے ہین کہ انشاء اللہ پھر کتاب و سنت سے تمسک کا دور آئے گا، آجکل ڈاکٹر لوتھراپ استاڈرڈ نے ایک کتاب موسوم بہ "جدید دنیائے اسلام" لکھی ہے جسمین اس نے بوجوہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر اتحاد اسلام پھر زندہ ہوگا تو اسے تحریک وہابیت زندہ کریگی،

کیونکہ یہ لوگ صدر اوّل کے ابتدائی سادہ اور مضبوط اخلاق اسلامی کے پیرو ہین،

ڈاکٹر موصوف نے کتاب کے مقدمہ مین اسلامیون کے سیاسی زوال کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ پیر پرستی اور ہندوستان کے ویدانتی اثرات نے توحید کو مسخ کر دیا، اور ایران کا پر پیچ عقیدۂ تشیع بھی کسی حد تک اس کا ذمہ دار ہے،

مختصر یہ کہ افادی مادہ پرست خدا کو بھول گئے اور لالچی اور طامع بنگئے، ضمیری تصوریت مین غلو کرتے ہوئے ویدانتی بنگئے، تو اے عمل شل ہو گئے اور اخلاقی ذمہ داری اُٹھ گئی، اگرچہ اخلاقی زندگی جسکا نام "خود دریابی" ہے، حاصل کرنا ہے تو وہ اسلامی اصول کے اتباع مین حاصل ہوگی،

فرنگستان کے ضمیر ئیین مین بھی، کانٹ اور بعض دیگر حکما، تصوریت کے میدان مین ہندو ویدانتیون کے لگ بھگ پہنچ گئے، مگر حسیین یا طبیعین، بلکہ خود ان کے پیرؤن نے بھی ان پر سخت حملے کیے، اسلیے یہ ویدانتی اثر عام طور پر فرنگستان مین نہ پھیلا، یہان ہندوستان مین تعلیم عام نہ تھی، اور نہ بحیثیت مجموعی کوئی جماعت اس کے مقابلے مین آمادہ کار ہوئی، برخلاف اس کے ویدانت خاص وعام کی رگ وپے مین سرایت کئے ہوئے تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان، ایران اور روم مین مسلمان اس سے متأثر اور سیاسی طور پر کمزور، اور اقتصادی رنگ مین سقیم الحال ہو گئے،

ویدانتی ہند باہمہ کثرت تعداد اور راجاؤن کی کثیر فوج کے بیرونی حملہ آورون سکندر، محمد بن قاسم، محمود اور محمد غوری کی قلیل فوج کا مقابلہ نہ کر سکا کیونکہ ویدانتی افسردگی کی وجہ سے سرگرمی اعمال رخصت ہو چکی تھی،

تلخیص و تبصرہ

جبل دروز
کے
جغرافی و تاریخی حالات

دروزیون کی اس نشأۃ جدیدہ کے بعد اُن کے متعلق اردو مین کافی معلومات آچکے ہین، جن سے ان کے نسل، مذہبی، تمدنی، اخلاقی اور تاریخی حالات پر روشنی پڑتی ہو، لیکن الہلال مصر کے اکتوبر کے نمبر مین جبل دروز اور دروزیوں کے متعلق بعض اور معلومات یکجا کئے گئے ہین جن سے جبل دروز کے جغرافی اور تاریخی حالات پر مزید روشنی پڑتی ہے، اسکی تلخیص ذیل مین دی جاتی ہے،

حدود اربعہ اس سرزمین کا قدیم تاریخی نام "جبل حوران" ہی، اور اب یہ "جبل دروز" کے نام سے مشہور ہے، اسکے حدود اربعہ یہ ہیں:

شمال مین اراضی "چخا" یا "غوطۃ الشام" مغرب مین "اللجاۃ" ہے اور جنوب مین "حیانہ" یا حدود حکومت شرق اردن واقع ہے، اور مشرق مین "الصفا"، "الرحبہ" اور "جبال الحارۃ" ہے،

زراعت اس کا پورا رقبہ ۹۲۰، مربع کیلومیٹر ہے (ایک کیلومیٹر ۰ اگز کا ہوتا ہے) اس پورے رقبہ مین سے ۲۴۰۰ ایکڑ زمین مین گیہون کی کاشت ہوتی ہے، اور ۶۰۰۰ ایکڑ زمین جو کی کاشت کے لیے اور ۵۰۰، ایکڑ زمین چنے کی کاشت کے لیے مخصوص ہے اور ۲۲۵۰ ایکڑ زمین مین اور دوسرے قسم کی کاشت ہوتی ہی،

آبادی سنہ ۱۹۲۵ء کی مردم شماری کے لحاظ سے دروزیون کی مجموعی تعداد ۵۲۰۶۴ ہے، ان مین سے ۴۴۵۰ عیسائی

ہین جنکی حالت نہایت غیر مربوط اور زبون ہی، ان میں سے ۱۵۰۰ اشخاص فوجی خدمات پر مامور ہین،

قبائل ان مین اپنے شرف وعزت کے لحاظ سے مختلف قبائل ہین، ذیل میں چند قبائل کے نام دیئے جاتے ہین، جو اسی ترتیب کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مقابل مین معزز سمجھے جاتے ہین، ان کے نام یہ ہین:- اطرش، عامر، ہنیدی، جلبی، نصار، ابو عاف، ابو فخر، قلعانی، عزام، نصر، بر بور، جلی، ابو علی اور شومری وغیرہ،

قریے ان قبائل کی آبادی مختلف قریون مین ہے جنکی مجموعی تعداد ۱۲۰ ہے، جن مین سے چند مشہور قریے یہ ہین: عری، صرخد، شہبہ، قریتہ، قنوات، ہسالی، طربا، قفاں، عرمان، ملح، ہوایا، ثعلب، عاہرہ، مجدل، سہمن، لاہتی، نمرا، شقا، رساس، اور عریہ، ان قریون کا صدر مقام سویدا ہی، یہین امیر الجبل کا قیام رہتا ہے،

خانہ بدوشی یہ اعداد وشمار توان قبائل کے تھے جو ان قریون مین رہتے سہتے ہین، لیکن بہت سے قبائل خانہ بدوشی کی زندگی بھی گذارتے ہین، اور مختلف موسمون کے لحاظ سے مختلف مقامات پر خیمے نصب کرکے بدوی زندگی بسر کرتے ہین، ان قبائل کی نہ آج تک مردم شماری ہو سکی اور نہ ابھی تک ان مین مدنیت کی کوئی بو باس آئی ہے، ان مین سے بعض چند بڑے قبائل کے نام حبس، جواہرہ، حواسنہ، غنایقہ، شنابلہ، رولا، ماحلہ، حوازمہ، طرافشہ، مساعید، عصاخیر، شرفات، عضمات، اور مرشد ہین، یہ تمام قبائل اصل مین قبیلۂ باہل و قبیلۂ زبید، کی شاخین ہین،

طبقۂ نسوان وصنعت وتجارت دروزیون مین بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے یہان مردون کے دوش بدوش عورتین بھی تمام کامون مین حصہ لیتی ہین، ان کا ایک بڑا طبقہ جنگون مین شرکت کرتا ہے، ان کی صنعت وحرفت زیادہ تر عورتون ہی کے ہاتھون مین ہے، مختلف صنعتون مین سے پارچہ بافی، دری سازی اور لبادہ وغیرہ بنانے کا کام عورتین ہی انجام دیتی ہین، ان کی سب سے بڑی صنعت دری سازی ہے ۱۸۹۶ء مین جب دروزی مع اہل وعیال قسطنطنیہ کی طرف جلاوطن کیے گیے تھے، تو انھی ایام مین انھون نے اور ان مین سے بالخصوص عورتون نے دری سازی مین کافی مشق بہم پہنچائی تھی، پھر وطن واپس آکر ان لوگون نے

اس صنعت کو کافی فروغ دیا ان کی ایک صنعت "اطباق" ہے، یعنی گیہون اور جو وغیرہ مین طرح طرح سے نہایت خوبصورت نقش و نگار بناتے ہین، جو تیار ہو کر دیوارون کی زینت مین کام آتے ہین، یہ کام اکثر عورتین ہی انجام دیتی ہین، ان کی تجارت کی منڈی دمشق ہے، لیکن انھین اپنی صنعت و حرفت و تجارت سے کوئی زیادہ فائدہ نہین پہنچتا، کیونکہ ان کی طبیعتون مین بیحد اسراف ہے، اور اسی کی بدولت یہ تاجران دمشق کے اکثر مقروض رہتے ہین،

آثار قدیمہ جبل دروز مین آثار قدیمہ مین بہت سی چیزین ہین سوایدار مین ایک "قصر نعمان غسانی" ہے جسکی چوتھی صدی عیسوی مین تعمیر ہوئی تھی، لیکن اب اس کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہین، اسی طرح رومیون کی یادگار کے سلسلہ مین تین نہایت وسیع حوض اور چند ستون ہین، اور چند ستونون کی نسبت یونانیون کی طرف بھی کیجاتی ہے،

آثار مذہبی کے سلسلہ مین قنوات مین ہیکل "شمس" ہیکل "بعل" اور ہیکل "مشتری" ہین، اسی طرح صرخد مین ایک نہایت قدیم عالیشان قلعہ ہے، اور کہا جاتا ہو کہ وہین نبطیون اور عربون کے مشہور بت لات کا پتھر بھی کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا ہے، اسی طرح شہبہ اور خربہ وغیرہ مین بھی بہت سی قدیم یادگارین موجود ہین،

دروز پر مختلف انقلابات جبل حوران یا جبل دروز دونون کے متعلق مختلف کتب تاریخ کا خلاصہ یہ ہے:-

اس سرزمین پر فتح اسلامی سے پیشتر عیسائی حکمران تھے، پھر یہ ایک سو پچاسی برس تک مسلمانون کے قبضہ مین رہی، اس کے بعد دو سو چودہ برس تک عیسائی اور یہودی حکومت کرتے رہے، پھر یہ دروزیون کے ہمسایہ بدویون کے ہاتھ مین آئی، سات سو چار برس تک اس پر مختلف انقلابات ہوئے، یہانتک کہ امیر علم الدین بن معن نے ۵۰۰ سپاہیون کی معیت مین اس پر قبضہ کیا،

بنو حمدان امیر علم الدین بن معن کی طرف سے حمدان الحمدان جبل دروز مین نائب قرار پایا، جب ہستا

بدویون کو جبل دروز مین اس جدید انقلاب کی اطلاع ملی تو وہ حمدان الحمدان کے قلعہ پر چڑھ آئے لیکن وہ پہلے سے مستعد بیٹھا تھا اسلئے بدویون کو ہزیمت اٹھا کر پسپا ہونا پڑا،

امیر علم الدین اپنی کامرانی کے بعد لبنان واپس آگیا، اور حمدان جبل دروز کا مستقل والی مقرر ہوگیا لیکن اس وقت جبل دروز صرف پانچ قریون کے مجموعہ کا نام تھا، اسلیے حمدان کو اس کے توسیع کی فکر ہوئی آخر اس نے توسیع حکومت کی غرض سے اپنی حکمت عملی سے چند اصول وضع کیے، اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ جبل دروز کی ترقی کا اصل سبب یہی اصول ہین، اور اسی دن سے دروزیون مین ترقی کی روح سرایت کرگئی اور اکثر اپنے ہمسایہ بدویون پر چھاپے مار مار کر اپنی حکومت مین وسعت پیدا کرتے گئے،

حمدان کے وضع کردہ اصول یہ تھے،

۱- ہمسایون کے مال و دولت دروزیون کے لیے مباح ہین،

۲- دروزیون کی معیشت ہمیشہ مامون و محفوظ رہیگی انھین زراعت کے لیے وسیع اراضی دیجائیگی،

۳- مذہبی پیشوائی کی تاسیس اور دروزی ان مذہبی پیشواؤن کا تمام و کمال احترام کرینگے،

۱۶۸۵ء سے ۱۷۶۹ء تک جبل دروز پر بنو حمدان قابض و متصرف رہے، اس اثنا مین دروزیون اور دیگر اقوام اور حکومتون سے متعدد لڑائیان ہوئین جن مین دروزی اکثر و بیشتر فاتح و غالب رہے، اور اسی قلیل مدت مین سرزمین دروز مین کافی سرسبزی و شادابی پیدا ہوگئی، اور انکی آبادی ۱۵۰۰ سے تجاوز کرکے ۱۲۸۰۰ تک پہنچ گئی،

خاندان اطرش بنو حمدان ایک سو چوراسی برس تک جبل دروز کی مذہبی پیشوائی اور حکومت پر قابض رہے، پھر ۱۸۶۹ء مین ابراہیم پاشا بن اسمٰعیل الاطرش دروز کے صدر مقام سویدا مین فاتحانہ داخل ہوا اور اسی دن سے دروزیوں کی مذہبی پیشوائی اور انکی حکومت اس کے ہاتھ مین چلی گئی اور دروزیون اور حکومت عثمانیہ کی جو جنگ سب سے زیادہ مشہور ہے وہ ۱۸۸۱ء مین اسی کے عہد مین ہوئی تھی، پھر

دروزیون کی ایک دوسری جنگ ۱۸۷۹ء مین کرک سے ہوئی، لیکن اسی اثنا مین دروزیون مین اشتراکی تحریک پیدا ہوئی کاشتکارون اور مزدورون وغیرہ مین کامل اتحاد ہوگیا اور وہ لوگ سربرآوردہ لوگون کے خلاف جنگ کی تیاری مین مصروف ہوگئے، جب شبلی بک کو جو ابراہیم پاشا کے حقیقی بھائی تھے اسکی اطلاع ہوئی تو وہ بھی اپنی جمعیت متحد کرنے مین مشغول ہوگئے، یہان تک کہ ۱۸۸۶ء مین ایک خونریز جنگ برپا ہوگئی جس مین بہت سخت کشت وخون ہوا، بنو طرشان بے خانمان بھاگے بھاگے پھرے، آخر انھین قلعہ مزارعہ مین پناہ گزین ہونے کا موقع ملا اور اس بغاوت مین عوام مشائخ وزعما پر پوری طرح فتحیاب ہوئے، لیکن بعد مین یہ بغاوت فرو ہوگئی، مگر ابھی دروزی پوری طرح مطمئن نہ ہونے پائے تھے کہ ۱۸۸۸ء مین انکی دولت عثمانیہ سے جنگ چھڑ گئی اور اسی سلسلہ مین ۱۸۹۰ء مین شبلی بک گرفتار کرلیے گئے جنھین دروزیون نے ایک ہولناک جنگ کے بعد قلعہ مزارعہ سے رہا کرایا،

۱۸۹۲ء مین ابراہیم پاشا کا انتقال ہوگیا اور انکی جگہ پر ان کے بھائی شبلی بک سرفراز ہوئے، شبلی بک نے سب سے پہلے ۱۸۹۳ء مین ایک جنگ کے بعد دروز اور حوارنہ مین صلح کرائی،

حکومت عثمانیہ اور جبل دروز پھر اسی سنہ مین جبل دروز پر حکومت عثمانیہ کا غلبہ ہوگیا اور اس نے وہان کے بہت سے سربرآوردہ اشخاص کو جلاوطن کر دیا انھین مین شبلی بک اور ابو طلال وہبہ بک عامر بھی تھے، پھر ان زعمار کی عدم موجودگی مین ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۵ء تک مختلف چھ لڑائیان ہوئین یہانتک کہ ۱۸۹۶ء مین حکومت عثمانیہ کو دروز پر پورا تسلط حاصل ہوگیا، پھر ۱۸۹۶ء مین حکومت نے بہت سے سربرآوردہ لوگون کو دوبارہ جلاوطن کیا اور اس جلاوطنی کے بعد وہاں حکومت کیلئے کامل امن وامان حاصل ہوگیا،

اس کے بعد ۱۸۹۷ء مین وہان بغاوت کی پھر ایک نئی لہر دوڑ گئی، اس بغاوت مین دروزیون کا سب سے اہم مطالبہ جلاوطن زعمار کی واپسی تھی، اس موقع پر حکومت عثمانیہ کو سپر ڈالنی پڑی اور شاہی اعزاز واکرام کے ساتھ جلاوطن زعمار اپنے وطن واپس کئے گئے، پھر ۱۹۰۲ء مین شبلی بک کا انتقال ہوگیا،

اور انکی جگہ ان کے حقیقی بھائی یحییٰ بک نے لی، ان کے عہد مین بہت سی لڑائیان ہوئین جنمین سب سے اہم وہ لڑائی ہے جو ان مین اور عرب ضمیرؔ کے درمیان سنہ ۱۹۰۷ع مین ہوئی، نیز شہر بصریٰ اسکی شامؔ کی فتح اور سنہ ۱۹۰۹ع مین اس کے قلعہ کا محاصرہ ہوا، اس کے بعد شامی پاشا فاروقی متعین ہوئے جنھون نے امان دینے کے بعد اکثر زعما، کو گرفتار کر لیا، اور ان مین اکثر کے متعلق مختلف فیصلے، مثلاً سزائے موت وغیرہ کئے گئے،

سنہ ۱۹۱۴ع مین یحییٰ بک نے وفات پائی اور امیر سلیم بن محمود جو یحییٰ بک کے حقیقی بھائی تھے جبل دروز کے زعیم مقرر ہوئے انھون نے اپنے وطن کے فلاح وبہبود کے لحاظ سے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جمال پاشا پر زور ڈالا، کہ دروزیون کو عساکر عثمانیہ مین جبری فوجی خدمت سے بری کر دیا جائے،

جب عالمگیر جنگ کی بدولت مصائب کا اضافہ ہوا اور شام، لبنان اور فلسطین کے لوگون پر مظالم ہوئے اور بہت سے لوگ سخت قحط سالی کی مصیبت مین مبتلا ہو گئے تو حوران نے عموماً اور جبل دروز نے خصوصاً پناہگزینون کے لیے عام طور پر اپنے دروازے کھول دیئے اور اختتام جنگ تک اس انسانی فرض کو ادا کرتے رہے، لیکن اس کے ساتھ انھین یہ بھی کرنا پڑا کہ گیہون کے رسدخانہ کا دروازہ جمال پاشا اور سلطنت عثمانیہ کے سامنے بند کر دیا اور ان کے گیہون کے تمام ذخائر کو جو بکثرت تھا پناہگزینون اور شام کے خریدارون کے لیے محفوظ کر لیا، اور اگر ان کے رسدخانہ مین اس کا ذخیرہ نہ ہوتا تو سنہ ۱۹۱۶ع مین دمشق مین بھی قحط کا وہی اثر پڑتا جو دوسرے ممالک پر پڑا تھا اور فی الحقیقت عالمگیر جنگ مین جبل دروز دو حصون مین منقسم تھا ایک حصہ امیر سلیم اطرش کی سرداری مین دولت عثمانیہ کا جانبدار تھا اور دوسرا سلطان پاشا اطرش کی قیادت مین حلفار کا حامی تھا اور اسی نے بادیہ شام مین سب سے پہلی مرتبہ علم بغاوت بلند کیا اور سنہ ۱۹۱۸ع مین دمشق مین فاتحانہ داخل ہوا، پھر اس کے بعد حکومت عثمانیہ اور دول حلفار مین معاہدون کے رو سے جو کچھ طے ہوا اور جو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اور جبل دروز مین آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب نظرون کے سامنے ہے،

(الہلال مصر بحوالہ المرجالہ)

اخبار علمیہ

مچھلی کی موم تبی، الاسکا مین ایک قسم کی مچھلی پائی جاتی ہے، جسے اگر خشک کرکے جلایا جائے تو موم تبی کا کام دیتی ہے،

ایک بادشاہ کی قبر ناروے کے ایک مقام اُولن سیکر کے قریب ایک بڑا ٹیلہ ہے جو ۵۰ فٹ بلند اور ۳۰۰ فٹ مربع ہے، مقامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹیلہ ایک لامعلوم بادشاہ کا مقبرہ ہے جس مین وہ دو سفید گھوڑون کے بیچ مین آرام سے آخری نیند سو رہا ہے، ۱۸۵۰ء مین ٹیلہ کو کھودنے کا کام شروع کیا گیا تھا مگر بعض مہلک واقعات کی وجہ سے ترک کر دیا گیا، ماہرینِ اثریات اب ایک مرتبہ پھر اس روایات کی تصدیق و تکذیب کی تحقیقات کا سامان کر رہے ہین،

ایک نئی گھڑی کی ایجاد، اب تک جتنی گھڑیان ایجاد ہوئی تھین اُن مین وقت دو سوئیون کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا تھا، مگر اب انگلستان مین ایک مربع قسم کی گھڑی نکلی ہے جن مین یہ دونون سوئیان موجود نہین ہین بلکہ ان کے ساتھ گھنٹہ منٹ کے نشانات بھی غائب ہین، گھڑی کے اوپر صرف دو سوراخ بنے ہوے ہین، ایک سے گھنٹہ کے حروف نکلتے رہتے ہین اور دوسرے سے منٹ کے، جہان ایک منٹ ختم ہوا وہ منٹ فوراً اندر چلا جاتا ہے، اور دوسرا باہر نکل آتا ہے، اس مین ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے، کہ آدمی ان اعداد کو زیادہ آسانی اور فاصلہ سے بھی پڑھ سکتا ہے،

ہوائی جہاز کی پرواز اور اسکی آواز، اس وقت تک ہوائی جہازون کی پرواز کے وقت بہت سخت آواز ہوتی تھی اور دشمن کو دور ہی سے اس کے آنے کی اطلاع مل جاتی تھی، مگر اب یہ کوشش کی جارہی ہے، کہ اس کے پرون اور پہیون کی ایسی ساخت ہو کہ یہ آواز بالکل جاتی رہے، چنانچہ بعض ماہرین نے اس کی کوشش شروع کر دی ہے، اور وہ اس مین بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے،

سفری لاسلکی، لاسلکی تار نے جو عمومیت دنیا مین حاصل کی ہے وہ بیان سے مستغنی ہے، لیکن جدت پسند شائقین کی تمنا و خواہش کو کیا کیجئے کہ وہ صرف گھر ہی مین اس سے متمتع ہونے کے خواہشمند نہین ہین، بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام پر اس سے حظ اٹھانا چاہتے ہین، اسی ضرورت و شوق کو دیکھکر انجینیرون نے اس قسم کے چھوٹے چھوٹے سٹ تیار کر لئے ہین جو آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجائے جا سکتے ہین، نیز عام موٹرون کو بھی ان سے مزین کیا جا رہا ہے،

افسانہ نویسی کی آمدنی، ہمارے ہندوستان مین افسانہ نویسی معیوب کیون نہ ہو، اور افسانہ نویس مالی مشکلات مین کتنا ہی گرفتار کیون نہ ہو، علم دوست و ادبیات پسند یورپ مین ایسا نہین ہے، حال ہی مین ایک مشہور افسانہ نویس نائٹ سر رائڈر ہیگرڈ کا انتقال ہوا ہے اور انھون نے ۲۵،۰۰۰ پونڈ جو تمام تر اسی ایک واحد ذریعہ کی آمدنی تھی، چھوڑے ہین،

اسی سلسلہ مین دوسرے افسانہ نویسون کی آمدنی معلوم کرنا بھی باعث دلچسپی ہوگا،

چارلس ڈکنس ۹۰۰۰ پونڈ، جازف کنارڈ ۲۰۰۰ پونڈ، مسز ہمفری وارڈ ۱۱۰۰۰ پونڈ،

مسز موصوفہ کی جو آمدنی دکھائی گئی ہے وہ ہے جو ان کے خیراتی کامون سے بعد بچ رہی تھی، ورنہ ان کے صرف ایک افسانہ ہلبک آف بنسڈل (HELBECK OF BANNISDALE) مین ان کو

۱۶۰۰۰ پونڈ ملے تھے، اڈسمنڈ کو اپنے ایک افسانہ "کیرینو ڈی بارگیرک" کیلئے ۲۵۰۰۰ پونڈ اور ڈوائڈٹ کو "معافو" کے لئے ۴۰۰۰ پونڈ ملے، جارج الیٹ کو "مڈل مارچ" کے لئے ۸۰۰۰ پونڈ ملے تھے بیکنسفیلڈ کو دو قصون کے لئے ۴۲ ہزار، چارلس ڈکنیس ۸۰۰۰ پونڈ، تھامس ہارڈی ۲۵۰۰۰، جارج مریڈتھ ۳۲۰۰۰ پونڈ، وکٹر ہیگو ۲۰۰۰۰ پونڈ، ادنا لائل ۲۵۰۰۰ پونڈ، مری کوریلی ۲۴۰۰۰ پونڈ،

ایک جدید براعظم، نیویارک (امریکہ) کا ایک ماہر طبیعیات و ارضیات اڈون فیرفکس ناٹی کا دعویٰ ہے کہ وسط پیسفک مین امریکہ کو عنقریب ایک جدید براعظم ہاتھ لگیگا، اس کا بیان ہے اجزاء ہوائی رفتہ رفتہ سطح آب سے بلند تر ہو رہے ہین، اور بہت جلد جاپان کے برابر ایک ملک بن جائیگا، اس کے ساتھ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے، کہ اس انقلاب ارضی کے لئے کوئی زلزلہ وغیرہ نہ ہوگا،

لاسلکی اور بائسکوپ کے فلم، ابھی تک صرف آدمیون کی تصاویر لاسلکی طریقہ سے لی جاتی تھین، اس کے بعد یہ ترقی ہوئی کہ ان مین رنگ آمیزی بھی اس ذریعہ کی جانے لگی حتی کہ چک تک اسی ذریعہ بھیجا جاتا ہے، مگر اب اس ترقی پسند فن نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے، اور بائسکوپ کے فلم بھی عنقریب اس سے لئے جانیوالے ہین، اُمید کی جاتی ہے، کہ اس کے متعلق ضروری تجربات کی تکمیل کے بعد یہ کام جلد شروع ہو جائیگا،

ہوائی تاخت سے محفوظ رہنے کا ایک جدید طریقہ، دشمن کی ہوائی تاخت سے محفوظ رہنے کے لئے یون تو متعدد دفاعی آلات وسامان پیدا کر لئے گئے ہین، مگر سب سے حال کی چیز ایک جال ہے یہ جال توپ کے گولون مین لپٹے رہتے ہین، ان گولون کو اوپر کی طرف جہاز کی سمت مین چھوڑ دیا جاتا ہے،

اوپر جاکر پھیل جاتے ہین اور پھر دشمن کے جہاز کو مچھلی کی طرح اپنے اندر لیکر نیچے گرا دیتے ہین،

کیڑون کا عجائب خانہ، امریکہ کے عجائب خانۂ تاریخ طبعیات کے افسر اعلیٰ ڈاکٹر فرنیک، ای لٹز نے نکسیڈر و دنیو یارک) مین صرف کیڑون کا ایک عجائب خانہ قائم کیا ہے، اس مین اس وقت تک ۲۷۰ اقسام کے کیڑے لائے جاچکے ہین،

ایک عمارت پر رقص کی سحر کاری، حال ہی مین بوسٹن (امریکہ) مین ایک ناچ گھر کے گرجانے سے تقریباً پچاس آدمیون کی جانین ضائع ہوئین، عمارت بظاہر مضبوط و مستحکم تھی، اور اس عمارت کے گرنے کا سبب معلوم نہ ہوسکا تھا، مگر اب پتہ چلا ہے، کہ اس کی اصلی وجہ ایک خاص قسم کا رقص تھا جسکے اثر سے یہ عمارت بیٹھ گئی، اگر اس انہدام اور رقص مین علت و معلول کا یہ سلسلہ صحیح ہے تو آج سے اسکا انکار نکرنا چاہیے کہ "ذوق رقص"، "خانہ ویرانی" کا باعث ہے،

بعض مفید جراثیم، ایک فرانسیسی ماہر جراثیم ڈاکٹر آر ڈی، لا، وال نے پیرس کے مشہور اخبار لی ایکو دی پیری (صدائے پیرس) مین ایک مضمون لکھ کر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ اگرچہ ہمارے تمام امراض جراثیم کی وجہ سے ہوتے ہین، اور یہ جراثیم بعض مرئی اور بعض غیر مرئی ہوتے ہین مگر حیرت یہ ہے کہ بعض جراثیم ایسے ہین جو ان امراضی جراثیم سے بھی چھوٹے ہین اور وہ اِن جراثیم کے دشمن اور ان مین مرض پیدا کرتے ہین، اس لئے اگر اِن جراثیم کی نسل کو بڑھانے کی کوشش کی گئی تو بنی نوع انسان کے لئے بہت ہی مفید ہوگا اور تمام امراضی جراثیم اپنے اِن دشمن جراثیم کے شکار ہوجائین گے،

باب التقریظ والانتقاد

حجۃ الاسلام

مصنفہ

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

اسلام مین مناظرہ وتردید کا رواج نہایت قدیم زمانہ سے ہے، علم کلام اگرچہ اب ایک مستقل علم ہوگیا ہے لیکن اس کی تدوین بھی اسی غرض سے ہوئی کہ دوسرے مذاہب کی تردید کی جائے اور ان کے مقابل مین مذہب اسلام کی صداقت وفضیلت ثابت کی جائے اس کے بعد فقہ کی مختلف شاخین قائم ہوئین تو فقہا مین مناظرہ کا سلسلہ قائم ہوا اور ایک مدت تک قائم رہا لیکن باانیہمہ ان مذہبی نبرد آزماؤن نے تہذیب واخلاق کا دامن ہاتھ سے نہین چھوڑا اور ان مین معقول دلائل کے سوا کسی کی زبان سخت ونالائم کلمات سے آلودہ نہین ہوئی، چنانچہ علم کلام صرف متین وپرمغز دلائل کا مجموعہ ہے، اور قدیم فقہا کے مناظرے بھی نہایت مہذب وشایستہ ہین لیکن اس کے بعد حالات بدل گئے، اور مناظرے زیادہ تر طنز وتشنیع کا مجموعہ ہوگئے، ہندوستان مین زیادہ تر شخصی مناظرے ہوئے یعنی کسی مذہب کے دو شخصون مین مناظرہ ہوا، قدرتی طور پر دونون مین سخت کلامی ہونے لگی، اس کے بعد قومی کشمکش پیدا ہوئی تو زیادہ تر عیسائیون آریہ سماجیون اور مسلمانون مین مناظرے ہوے لیکن جیسا کہ باہمی کشمکش کا نتیجہ ہوتا ہے، یہ بھی اپنی اصلی متانت قائم نہ رکھ سکے، سب سے بڑھکر یہ کہ عموماً مناظرے کسی خاص مسئلے پر ہوئے، اس لئے اردو لٹریچر مین بمشکل کوئی کتاب ایسی مل سکتی ہے، جو تمام مذاہب کی تردید مین متانت کیساتھ لکھی گئی ہو، لیکن زیر ریویو کتاب نے اس کمی کو بہت کچھ پورا کردیا ہے،

مصنف نے اس کتاب کی ابتدائی تقسیم ایک مقدمہ، پندرہ باب اور ایک خاتمہ مین کی تھی، لیکن چونکہ

ان مباحث مین کتاب کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ کردی اس لئے اُنھون نے اس کو کئی چھوٹے چھوٹے حصون مین تقسیم کرکے شایع کرنا مناسب سمجھا چنانچہ یہ حصہ ایک مقدمہ اور ابتدائی پانچ ابواب پر مشتمل ہے، مقدمہ مین دہریہ عقائد سے بحث کی گئی ہے، اور وجود باری، الہام، روح، جزا و سزا، انبیا، ورسل وغیرہ اہم مسائل پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے، اس کے بعد ابواب شروع ہوئے ہین جنہین حسب ذیل مسائل ہین،

باب اوّل ، صفات باری تعالیٰ، توحید، قدرت، خالقیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، صفت علم وحدت فی العبادات،

باب دوم ، مذاہب عالم، شریعت اسلام،

باب سوم ، قرآن مجید، قرآن مجید ایک مکمل اور ناطق کتاب ہے، تعلیمات قرآنی کا نمونہ، قرآن مجید غیر مسلم لوگون کی نگاہ مین،

باب چہارم آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آنحضرتؐ کے متعلق پیشینگوئیان، آنحضرت صلعم کے مقامات و حالات زندگی کی حفاظت آنحضرت صلعم کی زندگی مین انسانی زندگی کے تمام شعبے موجود ہین، آنحضرت صلعم کی زندگی مین اعلیٰ ترین اخلاقی نمونے، غیر مسلم محققین کی شہادتین،

باب پنجم ، بعض اعتراضات، عقل کا دخل، اسلام اور تلوار، نکاح ثانی اور طلاق، آنحضرت صلعم کی ذات مبارک پر حملہ بیجا کا جواب ان ابواب مین انھون نے اسلام، ہندو دھرم، بودھمت، عیسائی ملت، مجوسیت، اور یہودی مذہب کے عقائد و خیالات کی پیش نظر رکھاہے، اور ان سب کی تردید اور ان کے مقابلہ مین نہایت متانت کے ساتھ اسلام کی صداقت و فضیلت ثابت کی ہے اس لئے اس کو بجائے مناظرہ کے جدید علم کلام کی ایک کتاب خیال کرنا چاہئے،

کتاب کا پہلا باب جس مین دہریون کے عقائد سے بحث کی گئی ہے، بالکل عقلی ہے، اور ہمارے قدیم علم کلام مین ان مسائل کے متعلق نہایت مدلل بحث موجود ہے، لیکن مصنف نے ان مسائل کو منقح دلائل سے

ثابت کیا ہے ان کے متعلق قدیم علم کلام کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ ہمارا خیال ہے کہ انھون نے خود خطابی دلائل قائم کئے ہین اور زیادہ تر شاعرون سے ان مسائل کو ثابت کیا ہے، جو عوام کے لئے دلچسپ اور مؤثر تو ہو سکتے ہین لیکن ایک پڑھا لکھا دہریہ ان پر آسانی سے ایمان نہین لاسکتا، بقیہ الواب کے مسائل اسلامی لٹریچر کے متداول مسائل ہین، اور ان پر مسلمان اور یورپین مصنفین نے بہت کچھ لکھا ہے، اور اس کتاب مین ان تمام معلومات کو نہایت جامعیت کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، ضخامت ۱۹۰ صفحے اور تقطیع ۲۶×۲۰ ہے، کتابت و طباعت اچھی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت عہ، منیجر عبرت نجیب آباد،

شعر الہند

حصہ اول

مصنفہ

مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

جس مین قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کیگئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کتابت و طباعت اور کاغذ اعلیٰ ہے، ضخامت ۴۵۰ صفحے قیمت للعہ ر

منیجر

مطبوعاتِ جدیدہ

درجات الیقین، یہ علامہ ابن تیمیہ کے ایک نہایت مختصر رسالہ کا ترجمہ ہے، جس مین کتاب وسنت سے "یقین" کے تین مراتب "علم الیقین"، "عین الیقین" اور "حق الیقین" قرار دیکر ہر ایک کی تشریح کی گئی ہے، اسی سلسلہ مین مراتب وجد و ذوق، حلاوت ایمان، محبت خدا اور توحید اخلاص کی بھی توضیح کی گئی ہے، ترجمہ سلیس اور عام فہم ہے، آخر مین متن عربی بھی ہے حجم ۴۸ صفحے کاغذ معمولی اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت ۲ر پتہ محمد شریف عبدالغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

العقیدۃ الواسطیہ، یہ علامہ ابن تیمیہ کے دوسرے رسالہ کا صاف سلیس اور عام فہم ترجمہ ہے، اسمین عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مین سے ایک ایک عقیدہ کو علٰحدہ علٰحدہ مختصر وجامع ومانع الفاظ مین پیش کرکے ہر ایک کی مختصر تشریح کی گئی ہے، مسلمانون کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا، حجم مع متن عربی ۴۸ صفحے، کتابت اچھی ہے کاغذ چکنا اور باریک جس کی وجہ سے روشنائی ہر صفحہ کے دوسرے پشت پر پھوٹ گئی ہے، اسی لئے طباعت بھی اچھی نہین معلوم ہوتی، قیمت ۶ر سابق پتہ پر یہ بھی طلب کیجئے،

الوصیۃ الصغریٰ، یہ بھی علامہ ابن تیمیہ کے ایک رسالہ کا ترجمہ ہے، اس مین چند سوالات کے جوابات دئے گئے ہین، مثلاً کوئی ایسا عمل خیر بتایا جائے جس سے فلاح دارین حاصل ہو، اس کے جواب مین تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، پھر تقویٰ کی ضروری تشریح درج ہے، کسی ایسے عمل کی ہدایت کی جائے جو فرائض و واجبات کے بعد سب پر فوقیت رکھتا ہو، اس کے جواب مین "استخارہ" بتایا گیا ہے، پھر استخارہ کی کتاب وسنت سے مختصر تشریح ہے، ذریعۂ معاش کیلئے کسی کسب کے اختیار کرنے کے جواب مین ہدایت کی گئی ہے کہ بہترین کسب "توکل" ہے پھر توکل کی مختصر توضیح کی گئی ہے، اور حصول معاش کیلئے دستکاری

تجارت فن تعمیر اور زراعت وغیرہ مین سے کسی ایک کو اپنے ماحول کے اعتبار سے منتخب کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، سب سے آخر مین یہ سوال ہے کہ علم حدیث کی کوئی ایسی کتاب بتائی جائے جس پر اعتماد کامل ہو، اس کے جواب مین منشار نبی اکرم صلعم کو سمجھ کر اسے اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، پھر کتابون مین سے بر صحیح بخاری کے مطالعہ کو مفید بتایا گیا ہے، اور یہ بھی تصریح کی گئی ہے، کہ صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتابون کی طرف بھی رجوع کرنا چاہئے، رسالہ مسلمانون کے لئے مفید ہے، ترجمہ مین تمام حسن و خوبی موجود ہے، حجم مع متن عربی ۳۲ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت معمولی ہے قیمت ۴ر سابق پتہ پر یہ بھی طلب کی جائے،

اُردو کا جدید قاعدہ مع آرگومنٹ، یہ اردو کا جدید قاعدہ ہے جسے جناب محمد شریف خان صاحب ملک نے ترتیب دیا ہے، کتاب تین قسمون مین منقسم ہے پہلی قسم مین اشکال دوسری مین تلفظ حروف بتانے کی کوشش کی گئی ہے، تیسری قسم مین چند اشیا پیش کرکے بچون مین واقفیت عامہ پیدا کرنے کی غرض سے چند چیزون کے حالات بتائے گئے ہین، کتاب کے ابتدائی حصہ مین ہر صفحہ پر فٹ نوٹ مین اساتذہ کو طریقہ تعلیم کے متعلق ہدایتین دی گئی ہین، کتاب مین بعض فروگذاشتین اور بعض تشریح طلب الفاظ ہین مثلاً بچون کو "بسم اللہ" سے روشناس نہین کیا گیا، یا صفحہ اول کے فٹ نوٹ مین ایک لفظ "ترد ک" ہے، یا صفحہ ۴ کی پہلی سطر مین "مواشی" "پڑے چر رہے ہین" یا مثلاً صفحہ ۳۰ کی آخری سطر مین "یہان" "ٹھیر" "ٹھہر" سکتا ہون کہ ان "کی" "انتظار" "کھینچون" کتاب مجموعی حیثیت سے بچون کے لئے مفید ہے، حجم ۴۰ صفحے تقطیع چھوٹی ہے، کاغذ متوسط اور کتابت و طباعت اچھی ہے، قیمت ۴ر ملک صاحب نے اپنے اصول کی تشریح ایک مستقل "ارگومنٹ" مین کی ہے، اس کی قیمت ۲ر ہے، پتہ منیجر صاحب الہلال بک ڈپو نمبر ۴۲ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

عوامل النحو، مولوی مشتاق احمد صاحب چھپرا دی مقیم رنگون نے نحو عربی کے مشہور رسالہ "مائۃ عامل" مین بعض مفید اور کارآمد اضافہ کرکے اسے "عوامل النحو" کے نام سے شایع کیا ہے، رسالہ بچون کے لئے مفید ہے حجم ۸ صفحے کتابت جلی ہے، کتابت و طباعت اور کاغذ معمولی ہے، قیمت ۵ر پتہ ضیار الدین صاحب فیروز اسٹریٹ نمبر ۲۰ رنگون،

علم الصرف حصہ اوّل و دوم و سوم، مولوی مشتاق احمد صاحب نے اس رسالہ کے حصہ اول دوم

مین عربی علم صرف کے عام قواعد مع گردان وغیرہ مرتب ومنظم صورت مین لکھے ہین حجم ۳۲ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت محض معمولی ہے، قیمت ۴؍، اور حصۂ سوم مین محض تعلیل، کے قاعدے مختلف مثالین دیکر سمجھائے گئے ہین حجم ۴۷ صفحے کتابت وطباعت اور کاغذ محض معمولی ہے، قیمت یہ رسائل مبتدیون کے لئے مفید اور رواج دیئے جانے کے قابل ہین،

پتہ ضیاء الدین صاحب فیروز اسٹریٹ نمبر ۲۰ رنگون،

حمایت اخلاق ، مولوی محمد عبد الوہاب صاحب عندلیب حیدرآبادی نے بطرز مثنوی بہت سے واقعات نظم کئے ہین جن مین اخلاق حسنہ کی دعوت دی گئی ہے، اور برائیون سے بچنے کی ہدائتین ہین، واقعات مین جابجا کتاب وسنت سے استشہاد لائے ہین، مثنوی کا مطالعہ مسلمانون کے لئے مفید ہے، حجم ۱۲۴ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت عہ، پتہ دفتر رسالہ واعظ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن،

فقرائے اسلام ، اس کتاب مین مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے بزرگان سلف مین سے تقریباً ایسے پچیس اشخاص کے ترجمے کتب سیر ورجال سے جمع کئے ہین جنھون نے نہایت عسرت وتنگدستی اور فقر وفاقہ کے باوجود مذہبی واخلاقی خدمات انجام دیئے، اور جنکی دینی برکتون سے مسلمان ہمیشہ مستفید ہوتے رہین گے، ایسی کتابین ان لوگون کیلئے قابل عبرت وبصیرت ہین جو مذہبی واصلاحی خدمات انجام دینے مین مالی مشکلات سے گھبرا جاتے ہین، حجم ۲۴۴ صفحے، کتابت وطباعت اور کاغذ متوسط ہے، قیمت عہ پتہ منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ منڈی بہاء الدین پنجاب،

سیرۃ غوث الاعظم ، مولفہ مولوی محمد زاہد صاحب قادری، یہ حضرت عبد القادر گیلانی کی مختصر سوانحعمری ہے، اسکی ابتدا مین ۹ صفحہ کا ایک مقدمہ ہے جسمین معجزات انبیاء وکرامات اولیاء کے امکان ووقوع پر بحث کی گئی ہے، پھر چند صفحون مین حمد ونعت اور منقبت غوث اعظم مین اشعار ہین، پھر چند صفحون مین شیخ کے فضائل ومناقب دیئے گئے ہین جنمین چند کتابون کے حوالہ سے کچھ قصے نقل کئے ہین جنمین صحت کا بہت کم التزام کیا گیا ہے، اس کے بعد سوانح حیات ہین آخر مین "تعلیمات وہدایات" کا باب ہے، ضرورت تھی کہ اس باب کو وسعت دیجاتی اور دکھایا جاتا کہ ان کے صحیح فضائل ومناقب انکی یہی صحیح اسلامی تعلیمات ہین، سب سے آخر مین قصیدۂ غوثیہ مع ترجمۂ اردو شامل ہے، حجم ۹۰ صفحے کتابت وطباعت اچھی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۸؍ پتہ منیجر دہلی

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی مین حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ ۱ر

اسباق النحو حصہ اوّل و دوم، سہل طرز پر عربی گرامر اردو . . . . ۵، ۶ر

دیوان حمید، مولٰنا کا فارسی دیوان مع تصویر . . . ۱۲ر

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم مین ۲ر

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمان کا ترجمہ ۱ر

دیوان فیض . . . . عہ

مولٰنا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد ثمود سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے قیمت ۱عہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین اصحاب الایکہ. قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر بنو قیدار، انصار، اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۱۰۲ . . . . . . ۱عہ

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲ر

" " دوسری ریڈر طبع سوم، ۴ر

رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم، ۳ر

حیات مالک، امام مالک کی سوانحعمری اور موطائے مالک پر تبصرہ . . . . عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت ۲ر

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد وجہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین قیمت ۲ر

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا خدمتین انجام دی ہین، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم ۴ر

بشریٰ، محبت الٰہی اور اسلام - - - - - - ۸ر

مولٰنا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اوّل، صحابہ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے ضخامت ۳۵۰، ہے

ایضاً جلد دوم، صحابہ کے سیاسی انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل، ضخامت ۵۰۴، قیمت ۱للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب جو قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۱۲ر

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، قیمت . . - - - - - - - - عہ

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم قیمت . . - - - - - - - ۱عہ

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد ۱عہ غیر مجلد ۱ر

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فصیح

اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کر کے مادیت کا
ابطال کیا ہے، مجلد عہ، غیر مجلد . . . . . . عہ

مولوی عبدالماجد بی اے

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی
مع سوانح مصحفی ۲ر

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح
قیمت . . . . عہ

تصوف اسلام، اسلامی تصوف کا عطر . . . عہ

پیام امن، موسیو جرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے
خیالات دربارۂ امن عالم، و اخوت انسانی و خون آشامی
دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کی بعد مولوی صاحب موصوف کا
تبصرہ ہے جس مین انھین مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات
کی تفصیل ہے، اردو مین بالکل نئے خیالات ہین، ۹۰ صفحے . . ۴ر

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جسمین
مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے،
قیمت باختلاف کاغذ - - - - - - ۸ر و ۱۲ر

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود
اور نادر الوجود معقل تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی
سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ
مین چھپی ہے، قیمت . - - - - - . ۶ر

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہراتؓ
اور عام صحابیاتؓ کی سوانحعمریان اور ان کے علمی و اخلاقی
کارنامے ۱۲ر

سیر الانصار حصہ اول، انصار کے حالات اور
ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، ۲ر

پروفیسر سید نواب علی ایم - اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف
اور فلسفۂ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ
قیمت . . . . عہ

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید
کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام
کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول ۱۲ آنہ
قسم دوم، ۲ر

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی قومی و فلسفیانہ
نظمون کا مجموعہ ۱۰ر

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے
انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت
کے اخلاق، پبلک رہنمایون کی خصوصیات اور جماعتون کے
بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین صفحہ ۲۴۳، ۱۲ر

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو
کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جسکی تصنیفات مدتون
تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، اس کے
سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن مین مسلمانون
کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم
کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی کیا گیا
ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان
مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین مل سکتا، ضخامت ۴۰۰ صفحے
قیمت ۲ر

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقایق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی
تشریح ۶ر

تذکرۃ الحبیب یعنی ہادیٔ اعظم کے اخلاق حسنہ، عہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۶۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

دسمبر سنہ ۲۵ء

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ، مع محصول

باہتمام مسعود علی، ندوی

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

کتبخانہ دار المصنفین اعظم گڈہ

علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ ....

ایضاً حصہ دوم، طبع اوّل قیمت قسم اعلی تقطیع کلان

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اوّل قسم دوم

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت،

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات،

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور انکا فلسفہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل ....

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی تعریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ،

رسائل شبلی، مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ،

مقالات شبلی، مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ،

بیان خسرو، خسرو کے حالات زندگی، اور انکی شاعری پر ریویو ....

شعر العجم حصہ اوّل، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور ....

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ ....

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی مین ریویو ....

موازنہ انیس و دبیر، میر انیس کی شاعری پر ریویو

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت ....

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع

علم الکلام، مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ اسکی عہد بعہد کی ترقیان اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس ....

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس مین عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ مین ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس، قیمت ....

قصیدہ امرتسر، امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلماء مین مولانا نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا طبع رنگین و اعلی مطبع نامی کانپور

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی دستہ گل، بوئے گل، برگ گل، کے نامون سے چھپے تھے اس مین سب یکجا کر دیئے گئے ہین ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت ....

کلیات شبلی اردو،

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۃ والذاریات، ....

تفسیر سورۃ اللہب، ....

تفسیر سورۃ والتین، ....

تفسیر سورۃ والکوثر، ....

تفسیر سورۃ القیامہ، ....

تفسیر سورۃ عبس، ....

تفسیر سورۃ والمرسلات، ....

عدد ششم	ماہ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء	مجلد شانزدہم

مضامین

شذرات

نومبر کی ۲۸، ۲۹، ۳۰ کو ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ شہر انبالہ میں منعقد ہوا، پرانی اصطلاح کے مطابق ایک جلسہ کی کامیابی کے جو شرائط ہیں وہ بہمہ وجوہ مکمل تھے، ہزار ہا سو مہمان بھی تھے، علماء اور واعظین کا مجمع بھی تھا، قومی کارکنوں اور رہبروں کی جمعیت بھی تھی، ڈائس پر معززین کی نشست بھی تھی، استقبال کے جلوس بھی تھے، اور اسلامیہ اسکول انبالہ کے بوائے اسکاوٹس کی خوبصورت مگر پُرہیبت صفیں بھی تھیں، مگر ان تمام محاسنِ نظر کے ساتھ جو چیز سب سے زیادہ دلکش اور مسرت افزا تھی، وہ مختلف الخیال علمائے دین اور رہبرانِ ملّت کا دوش بدوش اجتماع تھا، جسکا منظر یوں بھی اور خصوصاً اندنوں مسلمان دیکھنے کو ترستے ہیں،

علماء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد صاحب جوناگڈھی، مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء، مولانا مناظر حسن استاذ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب استاذ التفسیر جامعہ عثمانیہ، صدر یار جنگ مولانا شروانی، نواب حسام الملک مولوی سید علی حسن خان، مولانا عبد الماجد بی، اے دریابادی، مولانا فاخر الہ آبادی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی، مصنف رحمۃ للعلمین، مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب، مولانا عبد الرحمن نگرامی ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا حاجی حفیظ اللہ صاحب مدرس اعلیٰ دار العلوم، مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری، مولانا قاری عبد السلام صاحب عباسی، مولانا عبد الرحیم صاحب ریواڑی مدرس عربی، سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، مولوی اکرام اللہ خان صاحب ندوی، مصنف ایجوکیشنل کانفرنس، مولانا

شاہ نظام الدین صاحب پھلواری، مولوی عقیل الرحمن صاحب ندوی سہارنپوری، مولوی فضل قدیر صاحب ندوی مہتمم مدرسہ اسلامیہ، مولوی محمد حسن صاحب ندوی واعظ، مولوی عبدالغفور صاحب شرر ندوی اور خادم العلما سید سلیمان ندوی، رہبران قومی اور معززین میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو، منشی سید شمس الدین صاحب سابق سکریٹری حمایت اسلام لاہور، آنریبل شیخ عبدالقادر، غازی عبدالرحمان، منشی احتشام علی صاحب رئیس لکھنؤ نواب زادہ صاحب کرنالی، منشی وحید الحسن صاحب رئیس اناؤ اور دیگر اعیان واکابر موجود تھے،

جلسہ میں عام مجلسوں کے خلافِ دستور صرف تین تجویزیں پیش ہوئیں، ایک دار الاقامہ کی تعمیر کے لیے ہر صوبہ سے ۵ ہزار کا مطالبہ، اور دوسری تجویز جس کو ندوۃ العلماء کے اس اجلاس کا حاصل کہنا چاہیے حسب ذیل تھی،

> ندوۃ العلماء تیس سال سے جماعت علمائے کرام اور عامۃ المسلمین کی خدمت میں یہ دعوت پیش کر رہا ہے کہ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے فرقہ وارانہ نزاع اور مذہبی بحث و مباحثہ کے غلط طریقوں کو جن سے ملت کی پراگندگی اور انتشار کو ترقی ہوتی ہے، بند کریں، اسلیے یہ مجلس اس وقت جماعتِ علما، اور عام مسلمانوں میں جو بعض مذہبی تنازعات غلط طریقہ سے پھیل رہے ہیں ان پر سخت افسوس ظاہر کرتی ہے اور استدعا کرتی ہے کہ مسلمانوں میں اس رسواکن تفرقہ پردازی سے پرہیز کیا جائے،

سید سلیمان نے اسکو پیش کیا، اور مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری، مولانا عبدالرحیم رایوادی مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، قاضی محمد سلیمان صاحب نے تائید کی،

تیسری تجویز اگر انجام کو پہنچ جائے تو اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت ہو، پنجاب اور اودھ کے بعض اضلاع و اقوامِ ہند کی بعض قومیں ترکہ اور میراث میں اصولِ اسلام کے بجائے رسم ورواج کو شریعت

قرار دیتی ہیں، پنجاب کے جیسے خطہ میں شریعت اسلامیہ کی یہ توہین حد درجہ افسوس کے قابل ہے، مسٹر قاضی محمد سلیمان صاحب نے اس تجویز کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا اور مسلمانانِ پنجاب سے درخواست کی کہ وہ اس قابل شرم رواج کو چھوڑ کر شریعت اسلام کو اپنا اصول بنائیں، اور ضرورت ظاہر کی کہ قانونی حیثیت سے ندوہ اس کے متعلق کچھ کرے، اور مسلمانوں میں اسکے لیے باقاعدہ تبلیغ و وعظ کا کام انجام دے، بات تو سچ ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ یہ کام باہر سے کرنے کا جس قدر ہے اوس سے زیادہ خود مقامی علماء کو ادھر متوجہ کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے اپنی تائیدی تقریر میں ادھر ہی توجہ دلائی،

جلسہ میں جو تقریریں ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہمارے عزیز دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی تقریر "روح اسلام" پر تھی، مولانا شیروانی کی تقریر حسب دستور دلآویز، مؤثر اور صحابہ کرام کے واقعات سے لبریز تھی، عنوان تقریر "حیات قرآنی" تھا، ہمارے برادر عزیز مولانا عبدالرحمن نگرامی ندوی کی تقریر "مقاصد ندوہ" پر مدلل و دلکش تھی، اور ان کے متعلق ڈاکٹر کچلو کا یہ قول کہ "ہمکو ایسے ہی مولویوں کی ضرورت ہے" بالکل سچ ہے، شیخ عبدالقادر کی تقریر علوم مشرقی و مغربی کی باہمی ترکیب و امتزاج پر مدلل اور معقول تھی،

پنجاب میں ندوہ کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کا کام ڈاکٹر کچلو، عبدالرحمن صاحب غازی، مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، میر شمس الدین صاحب، میر غلام بھیک صاحب نیرنگ، اور مولانا داؤد غزنوی نے اپنے ذمہ لیا ہے، ہمارے مخدوم مولانا عبدالقادر صاحب قصوری اس مجلس کے صدر اور میر نیرنگ صاحب اس کے سکریٹری ہونگے، یہ ارکان پنجاب میں دورہ کرکے ۱۵ ہزار کی رقم بالفعل فراہم کرینگے، کئی سال ہوئے سیٹھ محمد تانی صاحب بمبئی، اور سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب کراچی کسی جلسہ کی تقریب سے لکھنؤ آئے تھے، ندوۃ العلماء کے طلبہ نے دیگر مہمانوں کے ساتھ ان کو بھی مدعو کیا تھا، ان

دونوں بزرگوں نے وعدہ کیا تھا کہ ندوہ کے علماء اور طلبہ اگر دیگر ممالک میں تعلیم یا تبلیغ کے لیے جانا چاہیں گے تو وہ اپنے صرف سے اس کا انتظام کر دیں گے، سیٹھ چھوٹانی صاحب کا وعدہ تو ابھی تک پورا نہیں ہوا ہے، مگر سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، مولوی نورالحق صاحب ندوی پشاوری ان کے وظیفہ سے مصر تعلیم کی غرض سے بھیجے گئے ہیں، خدا سیٹھ صاحب کو جزائے خیر دے،

مولوی نورالحق صاحب نومبر میں مصر پہنچے، بالفعل جامع ازہر کے رواق الافغان میں مقیم ہیں، جامع ازہر کی تعلیم کے متعلق اُن کی رائے اچھی نہیں، بہرحال بعض مدرسین اور علماء کا وجود وہاں غنیمت ہے، دیکھیں ہمارے یہ عزیز وہاں سے کیا لیکر آتے ہیں، ع آوازِ دہل شنیدن از دور خوش است،

مسلم یونیورسٹی میں مولوی عبدالحق صاحب مرحوم حقی بغدادی کی وفات سے ایک عربی استاذ کی جو جگہ خالی ہو گئی تھی، اس کے لیے ان کے قائم مقام کی تلاش تھی، ہم کو خوشی اور مسرت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے ارکان نے اس کے لیے ہمارے دوست مولانا میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی (سابق پروفیسر عربی اورینٹل کالج لاہور) کا انتخاب کیا ہے، یونیورسٹی کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ایسا باکمال فرد اب اس کے احاطہ میں ہے، ارکان نے اس موقع پر بجید دانشمندی کو راہ دی کہ انگریزی یونیورسٹی کے کاغذی سندوں، یا صاحب زبان عرب کے نمائشی نام پر اہلیت، قابلیت اور فضل و کمال کو ترجیح دی، ہم کو اپنے دوست سے بھی کہنا ہے کہ ملت کی اس چہل سالہ علمی امانت کی وہ پوری قدر کرینگے، اونکی صلاحیت، اور حسن ذوق سے یہی امید ہے کہ وہ یونیورسٹی کی فضا سے خود متاثر ہونے کے بجائے خود اسکو متاثر بنائیں گے کہ مدرسۃ العلوم کے پرانے عہد کی جھلک پھر کچھ نظر آنے لگے،

ڈاکٹر محمد علی صاحب ایک خانشیانہ کرمفرما مغل اسٹریٹ رنگون سے اپنے ایک کرمت نامہ کے ذریعہ مطلع فرماتے ہیں کہ برما ٹونگو، جہاں ابتک کوئی باقاعدہ اسلامی درسگاہ نہ تھی، اپنی ذاتی کوششوں سے مدرسہ محمدیہ نام ایک درسگاہ چار سال سے قائم کی ہے، زمین، مدرسہ کی عمارت اور ضروریات مہیا ہیں، صرف دارالاقامہ کی کمی ہے جس کے لیے وہ مسلمانوں سے اعانت کے خواستگار ہیں، مدرسہ میں ان کے بیان کے مطابق اس وقت ۱۴۰ بچے تعلیم پا رہے ہیں، جنمیں نومسلم اور غریب بچے بھی داخل ہیں، کیا احاطۂ مدراس کے ناظرین میں سے کوئی صاحب اس مدرسہ کے موقعی حالات سے مطلع فرمائینگے، ملیبار کا علاقہ مسلمانوں کی خاص توجہ کا مستحق ہے،

جناب محمد اکبر صاحب نے الٰہ آباد سے اپنی انجمن شعب الانصار کے کچھ حالات اور معاینہ کرنے والے اصحاب کی کچھ رائیں بھیجی ہیں، انجمن کے تحت میں ایک لڑکوں کا مکتب، ایک لڑکیوں کا مکتب، ایک کتب خانہ اور ایک دارالمطالعہ ہے، لڑکوں کی تعداد ۱۰۵، لڑکیوں کی ۹۵ ہے، کتب خانہ میں ایکہزار کتابیں ہیں، دارالمطالعہ میں متعدد اخبار اور رسالے آتے ہیں، الٰہ آباد میں مسلمانوں کے قومی کام کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہی ہے، اس انجمن کا موجودہ کام یقیناً تحسین کا مستحق ہے، ضرورت ہے کہ الٰہ آباد کے مسلمان اس غریب انجمن کیطرف توجہ کریں،

کرناٹک کے علاقہ میں تاریخی شہر ارکاٹ کے قریب ترپاتور مسلمانوں کا خاص قصبہ ہے، مدراس کے دورہ میں دوستوں کی دعوت پر وہاں بھی حاضری کا اتفاق ہوا، یہاں غالب آبادی مسلمانوں کی ہے، چند مخلص کارکن ہیں، ان کی کوششوں کا نتیجہ ایک انجمن محمدیہ ہے، اس کے تحت میں لڑکوں کا ایک مدرسہ ہے، مدرسہ دیکھا، لڑکوں کی تعداد ۱۸۰ ہے، ۷ مدرس ہیں، ان کا امتحان لیا، اردو، تامل، انگریزی، قرآن پاک، دینیات، حساب و جغرافیہ کی تعلیم ہوتی ہے، پانچ سال کا نصاب ہے، لوگوں سے معلوم ہوا کہ ارکاٹ کی ترقی کے عہد میں یہ قصبہ بھی علم و فضل کا مرکز تھا، اور یہاں بڑے بڑے فضلا گذرے ہیں، مگر اب مدت سے یہاں خاک اڑ رہی ہے، اس حالت کا چند مخلصوں کو احساس ہوا، اور یہ انجمن اور یہ

مدرسہ وجود میں آیا، مگر یہاں بھی وہی رونا ہے جو ہر جگہ ہے، یعنی مالی امداد کی کمی، ہمارے خیال میں اس مقام کو حضور شہزادۂ ارکاٹ کے خاندان سے ایک خاص تعلق ہے، کیا امیر محل کے ذی حس ارباب کرم اس کی اعانت کی طرف توجہ کریں گے، کسی زمانہ میں یہ سرکار نظام کی مملکت محروسہ کا بھی جز رہا ہے، یہ تعلق بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا، اس نسبت تقریب میں کرناٹک کا یہ علاقہ بھی برار کی برابری کا مدعی ہے،

اردو کی ترقی بھی ایک اعجوبہ ہے، ان علاقوں میں ہمارے ہندو بھائی ہندی کی اشاعت کے درپئے ہیں، اور ہزاروں روپیہ ماہوار یہیں خرچ کر رہے ہیں، مگر اس بیسیوں بولیوں والی سرزمین میں اس کا حسن قبول مشکل ہے، مگر یہ دیکھکر کیسی حیرت ہوتی ہے کہ اسی سرزمین میں اردو کس طرح بڑھ رہی ہے، اس مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے کمسن بچے، اپنی مادری زبان اردو یعنی مسلمانی تامل کے بعد جس دوسری زبان میں بے تکلف بول رہے تھے، وہ اردو تھی، اردو کتابوں کو سمجھکر پڑھ رہے تھے، انگریزی کا پہلے اردو تامل میں اور اردو سے اردو میں ترجمہ کرتے جاتے تھے، اردو کا یہ درجہ بنارس کی ہندی کو احاطۂ مدراس کے عین قلب میں کبھی میسر آسکیگا، مسلمان اگر تھوڑی توجہ کریں تو اردو کہاں سے کہاں پہنچ سکتی ہے،

جون ۲۵ء کے معارف میں بسلسلۂ شذرات یہ ذکر تھا کہ اسلامی علوم اور اسلامی زبانوں کی ترقی کیلئے یورپ کیا کیا کر رہا ہے، اور مسلمان کس طرح غافل ہیں، اسی تقریب سے جرمنی کے نئے رسالہ اسلامیکا اور اس کے مضامین کے مختصر عنوانات کا ذکر کیا گیا تھا، جس میں ایک پروفیسر نکلسن کے مضمون کا بھی حوالہ تھا، اس کے متعلق معارف نے لکھا تھا کہ پروفیسر نکلسن کا مضمون ڈاکٹر اقبال پر ہے، جو یورپ میں ڈاکٹر صاحب کا سب سے بڑا معترف اور مداح ہے:

پنجاب کے ایک مضمون نگار صاحب کو جو کہتے ہیں کہ وہ اسلامیکا کے خریدار ہیں، اب پانچ چھ مہینوں کے بعد غصہ آیا ہے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر یوں ہی سن سنا کر معارف نے اسلامیکا کا ذکر کیوں کیا، حالانکہ وہ دیکھکر بھی معارف کے بیان میں کوئی غلطی نہ نکال سکے، ہیں، ایک غلطی نظر آئی کہ پروفیسر نکلسن کا مضمون ڈاکٹر اقبال پر نہیں، بلکہ ڈاکٹر صاحب کی کتاب پیام مشرق پر ہے، دوسری غلطی یہ بتائی گئی ہے کہ یورپ میں ڈاکٹر صاحب کے سب سے بڑے معترف اور مداح صرف نکلسن ہی نہیں ہیں بلکہ اور بھی بیسیوں ہیں، اور تیسری غلطی یا الزام یہ قائم کیا گیا ہے کہ معارف نے پیام مشرق پر مفصل ریویو لکھنے کا وعدہ کیا تھا، وہ اب تک کیوں پورا نہ ہوا اور اس کے بعد اقبال کے یورپین مداحوں، اور ہندوستان کے غیر مسلم معترفوں کی طویل فہرست دی گئی ہے، جنھوں نے وقتاً فوقتاً ڈاکٹر اقبال پر کچھ لکھا ہے، اور یہی فہرست اس مضمون کا اصلی اور طویل مواد ہے،

اگر اس بحث میں ڈاکٹر اقبال کی شخصیت درمیان میں نہ ہوتی، تو ہم اس کا ذکر بھی نہ کرتے، معارف کی اس تقریب سے مضمون نگار کا اقبال کی مدح و ستایش اور ان کے معترفوں کی اس تفصیل پر مضمون لکھنے اور معارف سے باز پرس کرنے پر ایک حتیمہ سے کنارے، بھیڑیے اور بکری کے بچے کا مشہور لمہ یاد آگیا، صاحب مضمون کو اگر ڈاکٹر اقبال کی اس حیثیت کو نمایاں کرنا تھا، تو اس کے لیے معارف کے تذکرہ کو سبب باعث بنانا ذہانت اور طباعی کا کوئی عمدہ ثبوت نہیں ہے، ڈاکٹر اقبال کی ہر حیثیت کو نمایاں کرنا ہر قدر شناس کا فرض ہے، اور اس کیلئے خود ڈاکٹر اقبال کے فضل و کمال کے علاوہ کسی اور سبب باعث کی تقریب و تمہید کے تلاش کرنے کی حاجت نہیں،

معارف اسلامیکا پر ریویو نہیں کر رہا تھا جو اس کے تمام خط و خال کا نقشہ کھینچتا، صرف سلسلۂ سخن میں یورپ کی علمی کوششوں کو جو وہ اسلامی علوم اور زبانوں کے متعلق کر رہا ہے ذکر کرکے مسلمانوں کو متنبہ کرنا چاہتا تھا، اس پر تقریظ نہیں لکھ رہا تھا،

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد،

معارف کی اس کوشش کا تو احسان مانئے کہ وہ علمی خبروں کو قدر دانوں کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے، آپ اسلامیکا کے اصلی خریدار تھے، آپ کو بھی معارف کے چھ مہینوں کے بعد پھر بھی معارف ہی کی تقریب سے اوس کے ذکر کی توفیق ملی،

معارف کو ڈاکٹر اقبال کی خدمت میں ہمیشہ سے نیاز حاصل تھا اور ہے، شاید انکو معلوم نہ ہو کہ بانگ درا کی اشاعت کیلئے جتنا اصرار معارف میں شائقین کی خواہشیں ہونگی، وہاں خود مدیر معارف کی تحریک کو بھی دخل ہے، اسرار خودی کے انگریزی ترجمہ پر انگریزی میں جس قدر تعریفیں نکلیں وہ معارف ہی کے بدولت اردو میں چھپیں، اور آپ نے بھی انھیں کا ذکر کر دیا، پیام مشرق پر گو تفصیلی ریویو کا موقع نہ ملا تاہم تند دو میں جو محسوسات اس پر ظاہر کی گئیں اس سے زیادہ کوئی اور کیا کہہ سکتا ہے؟

چونکہ معارف یوپی سے شائع ہوتا ہے، اسلئے مضمون نگار صاحب معارف کیساتھ تمام یوپی پر برس پڑے ہیں، فرماتے ہیں:

"اقبال یوپی کے تھکے ہوئے لوگوں کی خانہ جنگیوں سے آزاد رہتا ہے اور اسکے قدردان بھی وہی لوگ ہیں جو ان تنگ خیالیوں سے بالا ہیں"

اس فقرہ کو کامریڈ کے اڈیٹر دیکھ لیں، کہ پنجاب کی "خانہ جنگیوں" پر حسب معمول ایک اور طویل آرٹیکل لکھ ڈالیں، پنجاب کے لڑاکے کیا خانہ جنگیوں سے تھک کر اب "صوبہ جنگی" کے لیے تیاری کر رہے ہیں، ہم اسکیلئے پہلے ہی سے سپر ڈال دیتے ہیں،

مضمون نگار کا اب بھی غصہ نہیں اترا ہے، یوپی سے بڑھکر اب سارے ہندوستان کے اخبارات اور رسالوں پر غصہ ہے کہ دسمبر ۱۹۲۱ء کے دلی کانفرنس میں ڈاکٹر اقبال کو ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا تھا، پھر بھی

"ملک کے علمبرداران ادب اور اڈیٹران اخبار کا ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس خطاب سے یاد نہ کرنا محض تعصب پر مبنی ہے مگر ہم اپنے ملک کا کہاں تک گلہ کریں"

ہمارے خیال میں مضمون نگار صاحب اقبال کے اصلی جوہر کو خود نہیں پہچانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ شہرت کی انتہا اور حسن قبول کا آخری خطاب کیا ہے، اقبال کے لیے آج بھی "ملک الشعراء" اور "سر" اور "ترجمان حقیقت" کے لقبی خطابات کی احتیاج، تنگ سے کمال یعنی شہرت کی انتہا یہ ہے کہ تنہا نام ہزار شاہی القاب اور سرکاری خطابات سے بالاتر ہو جاتا ہے، سعدی، حافظ، غالب کیلئے خطابات فخر نہیں ہیں، یہ تمام خود وہ شہرت یافتگان کے لیے تاج فخر کی نسبت ہیں،

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست۔

مقالات

مسلمانوں کی بے تعصبی کی ایک اور دستاویز

ڈاکٹر منگانا کی کوششیں

مسلمانوں کیلئے ڈاکٹر منگانا کا نام گوش آشنا ہوگا یہ انگلستان کے کتبخانہ رلینڈس Rylands Library کے قلمی نسخوں کے نائب ناظر ہیں، اس تقریب سے وہ اپنے قلمی نسخوں کی ہمیشہ "تلاشی" لیا کرتے ہیں، کہ لوگوں میں ہیجان پیدا کرنے کی کوئی چیز برآمد کرکے دنیا کو خبردار کریں، اس سلسلہ میں سنہ ۱۹۱۲ء سے انھوں نے خاص مسلمانوں کی طرف توجہ کی ہے، اور ان کی بڑی کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس فخر کو مٹا دیا جائے کہ اُن کا آسمانی صحیفہ ہر قسم کی غلطیوں، تحریفوں، اور آمیزشوں سے پاک ہے، چنانچہ اس ناپاک ارادہ کے لیے انھوں نے قرآن مجید کا ایک نیا نسخہ اپنے کتبخانہ سے نکالا اور اس کو موجودہ نسخوں کے مطابق کرکے بتایا کہ دس پانچ جگہ اُن کے نسخہ سے مسلمانوں کا قرآن مختلف ہے، اسی زمانہ میں علمائے محققین نے جنمیں حضرت الاستاذ مرحوم بھی تھے، یہ ثابت کر دیا کہ یہ املا کا فرق اور طرز ہے جس کے پڑھنے میں ڈاکٹر صاحب نے یہ غلطی فرمائی ہے، اور کہیں کہیں قواعد کے رو سے ان کا نسخہ خود غلط ہے، قیاس چاہتا ہے کہ کسی جاہل عیسائی نے یہ نسخہ اپنے لیے خود لکھا ہوگا،

اس فتنہ کے فرو ہونے کے بعد اس سال ۱۹۲۵ء کے آغاز میں انھوں نے ایک نیا جال پھیلایا، سریانی خط میں قرآن مجید کا ایک نسخہ دریافت کیا، اور اس کو مسلمانوں کے قرآن سے ملا کر کچھ اختلافات نکالے، اور رپورٹ کی زبان سے حسب معمول اوسکی تمام دنیا میں تشہیر کی، یہ نسخہ بھی سریانی خط میں کسی عیسائی کا ترتیب دیا ہوا ہے، چنانچہ یہ ترکیب بھی اونکی کارگر نہ ہوئی، اور دنیا نے اون کو متعصب ہی سمجھا، اور مسلمانوں نے تو اونکی نسبت جو خیال کیا گیا، چنانچہ مسلمانوں میں جسقدر اون کی پہلی حرکت پر ہیجان پیدا ہوا تھا، دوسری پر نہیں ہوا، مصر و ہندوستان کے ایک دو عالموں کے علاوہ اور کسی نے اوسکی طرف توجہ بھی کی، اور اسکو اشتعال کے لائق بھی نہ سمجھا،

ڈاکٹر صاحب یہ خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اون کی یہ کوششیں بیسود ہیں، اور یہ مسلمانوں کے اعتقاد کی بنیاد کو ہرگز نہ ہلا سکیں گی، تاہم وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی پاکدامن معصوم کی بدنامی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اسکی نسبت کہیں کچھ کہا گیا ہے، اس طرح کہنے میں تو بات آ جائے گی وہ خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو،

اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان کی واقفیت کا معیار یورپ میں معمولی حرف شناسی بھی ہے ہمارے ڈاکٹر صاحب کی فضیلت کا درجہ بھی اس سے زیادہ اونچا نہیں معلوم ہوتا جیسا کہ قرآن کے نسخوں کے بعض املاؤں کے پیش کرنے سے ظاہر ہوتا ہے،

ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد ترکوں کی نئی اٹھان، اور نئے میلان خاطر کو دیکھ کر ان کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی ایک نئی تدبیر سوچی، اپنے کتبخانہ کے انبار سے چند پرانے کاغذات نکال لائے، جن سے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام سے پہلے وسطی ایشیا کے بڑے حصہ کے لوگ جنمیں موجودہ عثمانی ترکوں کے اسلاف بھی ہیں، مذہباً عیسائی تھے، یہ تحقیق ایسی بنیادوں پر قائم ہے جنکی معاصر اسلامی تاریخیں کبھی تائید نہیں کر سکتیں، تاہم وہ یہ پھیلائی جا رہی ہیں کہ شاید یہ چیز ترکی کے اس انقلاب میں کچھ کارآمد ہو جائے،

اس کے بعد موصل میں عیسائیوں کے اخراج کا قصہ پیش آتا ہے، جنگ کے بعد سے عراق میں یک نئی قوم [illegible] حقیقت تو ظاہر ہی ہے کہ یورپین سلطنت کسی ملک پر اس وقت تک کامیاب حکومت نہیں کر سکتی،

چنانچہ اس میں لڑانے کے لیے مختلف قومیں پیدا ہوں، اس نئی قوم کا نام "امیرین عیسائی" مقرر کیا ہے اور بغداد کی حسّی خلافت میں جس کا ہارون الرشید امیر فیصل ہے عیسائیوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ حقوق دیئے جائیں، اس کام کے لیے اہل سیاست تو کچھ کر ہی رہے ہوں گے، لیکن اہل علم اصحاب جو سیاسیات کے شور و غوغا سے یکسو ہو کر تنہائی کے گوشوں میں بیٹھ کر علم کی خدمت کر رہے ہیں، انھوں نے بھی اپنے خدمات پیش کر دیے ہیں، چنانچہ اس کے لیے بھی حسب معمول ڈاکٹر منگانا اپنے مطالعہ کے کمرے سے ایک نیا کاغذ لیکر سامنے آئے ہیں، یہ بغداد کے ایک عباسی خلیفہ کا فرمان ہے جو اوس نے اپنی عیسائی رعایا کو عنایت کیا تھا، اس میں عیسائیوں کے ساتھ ہر طرح کی مراعات، رواداری اور حقوق کا وعدہ کیا ہے، ڈاکٹر صاحب اکتوبر ۱۹۲۵ء کی بیچ کی تاریخوں میں اپنی اس نئی دریافت کو رپورٹر کی زبانی ان لفظوں میں مشتہر کیا کہ "ڈاکٹر منگانا نے مکتفی خلیفہ دوم کا ایک فرمان دریافت کیا ہے جس میں عیسائیوں کو قومی حیثیت سے بہت سی مراعاتیں دی گئی ہیں"۔ واقف کاروں نے "مکتفی خلیفہ دوم" سنکر اوسی وقت ڈاکٹر صاحب کی اس عظیم الشان تاریخی تحقیق پر مسکرا دیا، اس کے چند روز کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ہوش آیا اور اپنے تاریخی بیان کی تصحیح کی کہ "مکتفی خلیفہ دوم نہیں، لوگ خلیفہ مکتفی دوم پڑھیں"، چنانچہ یہ تصحیح اوسی زمانہ میں ہندوستان پہنچ گئی، اور اب مانچسٹر گارجین کے ذریعہ سے کا مرئیڈ مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۲۵ء میں اوسکی جو پوری روئداد آئی ہے، اس میں بھی مکتفی دوم کا نام جلی حرفوں میں موجود ہے، مگر ہمارے بیسویں صدی کے انگریز مورخ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ بغداد کے خلفائے عباسیہ میں کبھی ایک لقب کے دو خلیفہ نہیں گذرے ہیں، اسلیے عباسی خلیفوں کے نام میں اول اور دوم لگانا مضحکہ خیز ہے،

ڈاکٹر صاحب نے کسی یورپین زبان میں عباسیہ کی کوئی بے احتیاطی سے چھپی ہوئی تاریخ پڑھی ہوگی جس میں اس فرق کا فرق نمایاں نہ کیا گیا ہوگا، حالانکہ مستشرقین نے اس باب میں بڑی احتیاط کی ہے، اور عربی کے خاص خاص حرفوں کے پہچاننے کی الگ الگ علامتیں مقرر کر دی ہیں، اور وہ عام طور سے مستعمل ہیں جن سے حرف کی الگ الگ شناخت ہو گئی ہے، اور ڈاکٹر صاحب بھی انکو سمجھ سکتے تھے،

بغداد کے عباسی خلفاء میں دو خلیفہ گذرے ہیں ایک کا نام مکتفی باللہ ہے جس نے ۲۹۵ھ میں وفات پائی، دوسرا مقتفی لامراللہ ہے جس نے ۵۵۵ھ میں وفات پائی ہے، اس فرمان کا تعلق مکتفی باللہ سے نہیں ہے، نہ اول سے نہ دوم سے، بلکہ مقتفی لامراللہ سے ہے، اور ان دو ناموں میں، انکی شخصیتوں میں، ان کے کارناموں میں، اور ان کے زمانوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے،

اب اس عجیب و غریب اور قیمتی فرمان کی اصلیت سنیے، یہ فرمان کا اصل کاغذ نہیں ہے، بلکہ ایک کتاب کی تحریر ہے، خلفاء اور سلاطین کے درباروں میں اونکی طرف سے مراسلات، خطوط اور فرامین لکھنے کے لیے اپنے اپنے زمانہ کے مشہور ادیب اور انشاپرداز منتخب ہوتے تھے، یہ ادیب انشاپرداز اپنے مراسلات اور تحریروں پر جو محنت صرف کرتے تھے، اس کو باقی رکھنا چاہتے تھے، اور لوگ بھی اونکی اس کد و کاوش کی قدر کرتے تھے، اور انکی فصاحت و بلاغت و انشاکے یہ نمونے مختلف مجموعوں میں جمع کرتے تھے، ان کو رسائل و منشآت عربی و فارسی میں کہتے ہیں، چنانچہ ان دونوں زبانوں میں بےشمار ایسے مجموعے موجود ہیں،

خلیفہ مقتفی، خلیفہ مقتدر کے بعد یعنی تقریباً سوا سو برس کے بعد عباسی خلافت نے نئے برگ و ساز پیدا کیے، سلجوقی سلاطین کا زور گھٹا، اور نورالدین و صلاح الدین جیسے دیندار اور طاقتور سلاطین نے عباسی خلافت کے آگے جھک کر اس میں نئی قوت پیدا کر دی، خلیفہ مقتفی خود بھی نہایت لائق، دیندار، اور طاقتور تھا، اس نے عراق میں عباسیوں کی حکومت کو از سر نو ترتیب دیا، اور ملک میں خلافت کا وقار اور اثر دوبارہ پیدا کیا، بڑے بڑے نامور لوگ اس کے گرد جمع ہوئے، منجملہ اس کے کتابت اور انشاء کے منصب پر اس نے اپنے زمانہ کے ادیب ابونصر کو فائز کیا، جس نے ۵۶۰ھ میں وفات پائی،

ادیب ابونصر کے ایک لائق اور فاضل بھائی ابوالمعالی کافی الکفاۃ محمد بن ابی سعید تھے، جو ابن حمدون کے نام سے مشہور ہیں، یہ خلیفہ مستنجد باللہ کے جو ۵۵۵ھ میں مقتفی کے بعد تخت نشین ہوا تھا، کاتب الانشاء تھے، ابن حمدون نے فن محاضرہ میں تذکرہ نام ایک کتاب لکھی ہے، جس کے متعلق اہل ادب کی متفقہ رائے ہے کہ یہ اپنے موضوع

جزین کتاب ہی، تاریخ، ادب، لغت، نحو، اور شعر و شاعری کا بیش بہا مجموعہ ہے، لیکن یہی کتاب مصنف کی نکبت اور مصیبت کا باعث ہوئی، مستنجد باللہ کے مطالعہ سے جب یہ کتاب گذری تو اس نے اس میں ایسے واقعات پائے جس سے اس کو یہ خیال ہوا کہ ہماری سلطنت پر اس میں بیجا اعتراضات ہیں، مصنف قید ہوا، اور ۵۶۲ھ میں مر کر اس سے آزاد ہوا،

ابن حمدون نے اپنے اسی تذکرہ میں ابو نصر کا لکھا ہوا وہ فرمان نقل کیا ہے جو خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے عیسائیوں کو عطا کیا تھا، ڈاکٹر منگانا نے اسی فرمان کو تذکرہ سے نقل کرکے بیسویں صدی میں ایک تاریخی انکشاف کیا ہے، ایک زمانہ میں اس تذکرہ کے نسخے اس کثرت سے لوگوں کے پاس تھے کہ ابن خلکان لکھتا ہے، ھو مشھور کثیر الوجود لیکن آج یہ حالت ہو کہ ہم کو اس کا حال سات سمندر پار کے ایک انگریز محقق سے معلوم ہوتا ہے،

بہرحال ابن حمدون کے اس تذکرہ کے حوالہ سے ڈاکٹر منگانا نے خلیفہ مقتفی لامر اللہ کے جس فرمان کو شائع کیا ہے، اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، اس نے انگلستان میں کسی سبب سے بڑی اہمیت حاصل کی ہے، بڑے بڑے اخبارات نے اس پر نوٹ لکھے، ریوٹر نے اپنے برقی پیغاموں میں اسکو داخل کیا، اور اس کے ذریعہ سے تمام دنیا میں اس واقعہ کی شہرت ہوئی، اور اس تقریب سے اخبارات نے خلفائے اسلام کی بے تعصبی اور رواداری پر موافقانہ مضمون لکھے، ہمارے ملک کے انگریزی اخبارات نے بھی اس سے دلچسپی لی، مدراس کے اینگلو انڈین اخبار نے اکتوبر کی کسی بیچ کی تاریخ میں اس پر ایک خاص افتتاحی مقالہ لکھا، اور اس اثر کو جو اس اہم دستاویز کی اشاعت سے مسلمان خلفاء کی بے تعصبی کے متعلق پیدا ہوا تھا، زائل کرنا چاہا، اور ثابت کیا کہ یہ ایک خلیفۂ وقت کا ذاتی فعل تھا، جس سے تمام خلفاء کے طرزِ عمل پر استدلال نہیں کیا جاسکتا تھا، پھر اسی سلسلہ میں مسلمانوں کے عہد میں ذمیوں کے حقوق کی بحث چھیڑ دی ہے، یہ ایک پرانی اور فرسودہ بحث ہے، حضرت الاستاذ نے اس پر جو کچھ لکھا ہے، وہ اس بحث کا آخری چیز ہے،

بہرحال اس قسم کے اخباروں کو چھوڑ کر عموماً تمام اخباروں نے اس دستاویز کو خلفائے اسلام کی بے تعصبی اور رواداری کا بہتر ثبوت تسلیم کیا ہے، ڈاکٹر منگانا کا مقصد جو کچھ ہو مگر اس کی اشاعت سے اسلام کو فائدہ پہنچا،

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

یہ سند نسطوری عیسائیوں کے پیٹریارک عبد یشوع سوم (۱۱۳۶ء تا ۱۱۴۷ء) کو خلیفہ کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس کی نسبت ڈاکٹر گیپ (G DY:) جو مذکورہ بالا کتب خانہ کے لائبریرین ہیں اپنی تعلیق (نوٹ) میں لکھتے ہیں

"کہ یہ سند اگلے خلفاء کی اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ کامل رواداری اور حفاظت کی پالیسی کو ثابت کرتی ہے"

ڈاکٹر منگانا اس سند کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ اس پر حسب ذیل تعلیق (نوٹ) لکھتے ہیں:

یہ ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی ہے کہ ایک مستند بیان اس کے متعلق پیش کیا جائے کہ جس زمانہ میں اسلام کے ہاتھ میں لاکھوں عیسائیوں کی موت و حیات کا فیصلہ تھا، اسلام اور عیسائیت کے درمیان سرکاری روابط کس قسم کے تھے، انفرادی حیثیت سے ممکن ہے کہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے ایذائیں پہنچی ہوں، ایسی مثالیں تاریخ میں بھی کہیں کہیں ملیں گی کہ کسی صوبہ کے گورنر یا قاضی نے مذہبی جنون میں آکر یا کسی نیم دیوانہ شیخ اور ملا نے اپنے کسی مجنونانہ تخیل کی بنا پر عیسائیوں پر ظلم کئے ہیں، خلفاء میں سے بھی ایک دو نے مثلاً متوکل نے مزدور عیسائیوں کے خلاف بعض تکلیف دہ احکام نافذ کئے تھے لیکن ان واقعات کو اگرچہ انکی تعداد کسی قدر زیادہ ہو اصول مذہب اور قانون کے خلاف سمجھنا چاہیئے اور وہ لوگ جنکی وجہ سے یہ واقعات سرزد ہوئے اسی طرح قانون کی خلاف ورزی کے مجرم تھے جس طرح ہر مجرم ہوتا ہے،

اسلام کا اس بارے میں جو طرز عمل رہا ہے وہ اس چارٹر (سند فرمان) میں صاف الفاظ میں درج ہے جو شک و شبہہ کی گنجائش کے بغیر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ باوجودیکہ اسلام کا نظام سلطنت بعض تمدنی امور میں مکمل نہ رہا ہو، لیکن اس کا دامن ناروا داری کے دھبہ سے پاک تھا،

یہ فرمان ایک عباسی خلیفہ کے ایوان حکومت سے جاری ہوا، لیکن کیا کوئی انگریز بادشاہ، ڈنمارک کی ملکہ یا فرانس کا پریسیڈنٹ ابھی بیسویں صدی میں اس سے زیادہ روادارانہ فرمان اپنی بیشمار مسلمان رعایا کے حق میں لکھ سکتا ہے؟ جس طرح انجیل، انکوئیزیشن کے مظالم کی محرک نہیں کہی جا سکتی، اسی طرح قرآن کی

طرف بھی وہ مظالم منسوب نہیں کیے جا سکتے جو اندلس میں عیسائیوں کے ساتھ بعض اوقات برتے گئے، یا قتل عام کے وہ واقعات جو یورپ میں قریب کی تاریخ میں ہوئے ہیں۔

سیاسیات جاہ پسندی کے ولولے (شخصی اقتدار پسندی) اور اقتصادی مصالح مذہب سے بالکل مختلف چیز ہیں

ڈاکٹر صاحب نے ان آخری سطروں میں جو کچھ فرمایا ہے، اس کے بدلہ میں یہ لکھتے تو اچھا تھا کہ جن صدیوں میں عیسائی مسلمان ملکوں میں اس امن و آسائش سے رہتے تھے، ان صدیوں میں مسلمان عیسائی ملکوں میں کس طرح رہتے تھے، کیا ان کے لیے ممکن تھا کہ وہ یورپ کے کسی ملک میں اس عہد میں گذر کر سکیں؟

بہرحال اب اس سند کو پڑھنا چاہیئے جو خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے اپنی عیسائی رعایا کو عطا کیا تھا، عبارت تمام تر تکلف اور آورد کے انداز میں ہے، آدھی عبارت حمد و نعت میں ہے، اصل مطلب یہاں سے شروع ہوتا ہے

فرمان

حمد ہو اس خدا کے لیے جس نے امیر المومنین کو اس کی آبائی میراث شرف خلافت سے ممتاز اور خلعت امامت سے آراستہ کیا جو خدا کی بہترین نعمت ہے اور جس نے اس کو منصب عالی دیا جس کے سامنے تعظیم کے لیے گردنیں جھک جاتی ہیں اور جس کی بنا پر ہر طرح کے دینی و دنیاوی اعزازات اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں جس نے اپنے دائرۂ حکومت میں عدل و انصاف کے ستارے اس طرح روشن کر دیئے ہیں کہ وہ کبھی غروب نہیں ہوتے اور جس نے مساعی تجارت کو ایسا فروغ بخشا ہے کہ خریدار کو کسی قسم کا نقصان، بندش اور مضرت نہیں پہنچ سکتی

اس نے اپنے حسن سیاست سے بلاد اسلام کی ایسی حفاظت کی ہے کہ اس کی رعایا ہر خطرہ سے محفوظ اور اس کا شفاف پانی ہر آلائش سے پاک ہے، اور تیغ اسلام کی باڑھ میں دندانے نہیں پڑ سکتے اور پیروان دین پر کسی قسم کی آنچ نہیں آ سکتی، اس نے علاوہ بریں اپنی رعایا کو ایک ایسا عطیہ دیا ہے، جس نے ان کو ہر آزار سے دور کر دیا ہے اور ان کے نیزوں کو تیز تر ہونے کے لیے [illegible] خزائن ترقی میں اضافہ کر دیا ہے،

تمام کی رعایا کو اس کے انصاف کے ہاتھوں سے نگہبانی کا جب مزہ ملا ہے وہ خوش ہیں کہ اسکی مدد کرنے والوں سے انھوں نے مصائب و آلام کو دور پھینکدیا اور راحت و آرام کی راہ میں داخل ہوئے، ہر طرح کی فراوانی کے باعث انھوں نے اپنے دلوں میں ٹھان لیا ہے کہ وہ اس کے فرمانبردار اور اس کے موروثوں کے لیے دعاگو رہیں گے، انھوں نے اب اپنی توقعات کو بلند کر لیا ہے حالانکہ پہلے وہ توقعات بندشوں میں تھیں اور انھوں نے اپنے تمام دشمنوں کو پامال کر لیا ہے جو اُن پر حملہ آور تھے،

وہ (امیرالمومنین) بذات خود خدا سے صرف یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کو اس عطیہ کے شکر کی توفیق دے، اور خلیفہ کا بار بار اس کا تذکرہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس عطیہ میں جو کچھ خدا نے دیا ہے وہ اسکی بہت زیادہ قدر کرتا ہے، اس (خلیفہ) کی کامیابی صرف خدا کے ذریعہ سے ہوگی، اور وہ اسی کی طرف آخرکار رجوع کرے گا،

چونکہ خدا نے امیرالمومنین کو اپنے بندوں کے معاملات کا منتظم بنایا ہے اور اپنی زمین اپنے بلاد کا بار اس کے اوپر ڈالا ہے، اسلیے وہ اپنی رعایا پر نہایت باخبر نگاہوں سے حکومت کرتا ہے اور انکی فلاح کی نہایت خبرگیری کے ساتھ حفاظت کرتا اور انکی بہبود کے لیے اس توجہ سے کام کرتا ہے کہ وہ ان کے تمام اندیشوں کو مٹا دیتا ہے، اور ان کی رسیوں کو جوڑ دیتا ہے اور ان کی چراگاہوں کو گھاس سے بھر دیتا ہے اور انکی تمام دلی خواہشوں کو پورا کر دیتا ہے"

اس کی یہ توجہ محض مسلمانوں ہی پر نہیں ہے بلکہ وہ تمام لوگ جنکے ساتھ امیرالمومنین کا معاہدہ ہے خواہ وہ دور ہوں یا نزدیک اور رعایا کے مختلف طبقوں میں سے جو اہل کتاب اس عہد محافظت کی شرائط میں داخل ہیں جنکی شریعت نے ذمیوں کے متعلق ذمہ داری کی ہے، اس کا (خلیفہ کا) حسن سلوک ان سب تک پہنچتا ہے، چنانچہ انکی آنکھیں اور ان کے کان اس کے گواہ ہیں،

میں نے تیری یہ خدمت امیرالمومنین کے سامنے پیش کی اور عرض کیا کہ تو نے جو کچھ وفادا

لوگوں میں سب سے لائق اور سب سے زیادہ نیکی اور اصلاح (Saintliness) سے قریب ہے، اور تجھ میں وہ تمام اوصاف اور خوبیاں جمع ہیں جو تجھے سب سے ممتاز بنا دیتی ہیں اور وہ جاثلیق (Catholicate) کے لیے تمام ضروری شرائط، اوصاف اور خوبیوں کا تو جامع ہے، میرے ساتھ، عیسائیوں کا ایک وفد بھی تھا جو اس عہدہ کے تمام قواعد سے واقف تھا، انھوں نے یہ عرضداشت پیش کی کہ وہ تیرے حقوق کی جانچ اور تحقیق کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ ایک جاثلیق (Catholicos) کی ضرورت ہے جو ان کے (عیسائیوں کے) معاملات کی نگرانی اور ان کی اجتماعی ضرورتوں کا انتظام کرے، اور ان لوگوں نے اپنی متفقہ مرضی سے فیصلہ کر کے تجھ کو اپنے مذہب کی سرداری کا شرف بخشا ہے تاکہ تم لوگوں کے معاملات کا انتظام ہو اور تمہاری ضرورتیں پوری کیجائیں اور تم میں سے زبردست اور زیر دست سب کے ساتھ انصاف ہو، انھوں نے درخواست کی کہ تیرے انتخاب کی توثیق بذریعہ فرمان کر دی جائے تاکہ اس عہدہ کا اساس مستقل اور اسکی بنیاد مضبوط ہو جائے،

لہذا امیر المومنین نے حکم دیا کہ انکی درخواست منظور کیگئی اور ان کی خواہش پوری کیگئی، اسلام کی امامت کبریٰ (خدا اس کے احکام کو ہمیشہ کامیابی کا تاج پہنائے) کا یہ فرمان بذریعہ اس (تحریر) کے عطا کیا جاتا ہے، تو ان تمام نسطوری عیسائیوں کا جاثلیق Catholicos ہو جو اس دارالسلام (بغداد) اور دیگر بلادِ اسلام میں آباد ہیں تجھکو ان کا سردار کیا جاتا ہے، اور نیز یونانی، یعقوبی اور ملکیہ فرقوں کا بھی خواہ ان کی نمایندگی یہاں کیگئی ہو یا نہ کیگئی ہو، اور جو ان (نسطوریوں) کے ساتھ کسی دوسرے ملک میں مخالفت رکھتے ہیں،

تیرے تمام اہل مذہب میں صرف تجھ کو، گرجاؤں میں اور مذہبی جلسہ گاہوں میں کیتھولیکیٹ کے نشانات پہننے کا اختیار ہے، کسی آرچ بشپ، بشپ یا ڈیکن کو ان کے پہننے کا یا ان میں شرکت

کرنے کا استحقاق نہ ہوگا کیونکہ اس بات کی نشانیاں ہیں کہ وہ اس عالی منصب اور عزت کے تحت ہیں جو تجھے بخشی گئیں،

اگر ان عہدہ داروں میں سے کوئی تیرے ساتھ مخاصمت یا اختلاف کرے گا یا تیرے احکام سے بغاوت کرے گا اور تیرے فیصلوں کو نہ مانے گا اس پر مقدمہ چلا کر سزا دیجائے گی تا آنکہ وہ باز آجائے اور اسکی مذمت جائے تاکہ دوسروں کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو اور تمھارے قوانین کے احکام کلیتہً محفوظ رہیں،

امیر المومنین نے اپنے پیشرو ائمہ سے مستند طریق عمل کے اتباع میں جو انھوں نے تیرے پیشرو جاثلیقوں کے ساتھ برتے تھے یہ قانونی حقوق تیرے پیرؤوں کو عطا کیا ہے،

کہ تیری جان، مال اور تیری قوم کی جان و مال کی حفاظت کیجائیگی،

تمھاری بہبود کی ترقی میں کوشش کیجائے گی تمھارے طریق دفن و کفن کا احترام کیا جائے گا، تمھارے گرجاؤں اور خانقاہوں کی حفاظت کیجائے گی،

اس معاہدہ کی شرائط کی تعبیر میں ہم اس طریق عمل کے پابند ہیں جو اپنے اصول کے سخت پابند (آرتھوڈاکس) خلفا کا تھا اور جسکی اتباع ہمارے ائمہ اسلاف رضی اللہ عنہم کرتے رہے، یہ کہ ہم تم سے لا مذہبی ٹیکس لیں گے بشرطیکہ تم [illegible] (جزیہ یا) ادا کرتے رہو جو تمھارے عاقل بالغ اور ذی مقدور مردوں سے لیا جائے گا نابالغ مرد اور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، یہ ٹکس شرع کے رحیمانہ اصول کی سخت پابندی کے ساتھ سال میں ایک مرتبہ وصول کیا جائے گا،

امیر المومنین نے اپنی مہربانی سے عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی نزاعات میں حکم بنا منظور کر لیا ہے، تاکہ زبردست سے زیردست کا انصاف حاصل کیا جائے اور گمراہوں کو راہ پر لایا جائے اور ان کی مذہبی ضروریات کے لحاظ سے انکی خبر گیری کیجائے اور وہ اپنے مذہب پر صاف اور سیدھی

ہواء سے عمل کر سکیں،

ان انعامات کا جو تجھ کو عطا کیے گئے ہیں مستحق ہیں جو تیری روح کی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں اور امیرالمومنین کے لیے شکر گذاری، احسان مندی، اور وفاداری کے ثبوت میں دعا اور طلب رحمت کیا کرے،

تمام آرچ بشپ، پادری اور بشپ جن کے نام اوپر لیے گئے ہیں اُن کا فرض ہے کہ اس طرح سے امیرالمومنین کی اطاعت کریں اور تابعداری اور فرماں برداری سے اوس کی مہربانی حاصل کریں،

پیامِ امن

از

مولوی عبدالماجد صاحب بی اے

موسیو جیرو ڈپال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات در بارۂ امن عالم و اخوت انسانی و خون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے جس مین ان مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اور دونوں بالکل نئے خیالات ہین، لکھائی چھپائی و کاغذ اعلیٰ ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت [illegible]

منیجر

دنیا میں قرآن شریف کے نایاب نسخے

اور

اونکی خصوصیات و کیفیات،

(۲)

از

شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب، محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ، کلکتہ،

(سلسلہ مارچ ۱۹۲۵ء)

خدیو مصر کے کتب خانہ کے قرآن شریف،

نمبر ۱۲، یہ مصحف اول، مصحف شریف ہرن کی کھال پر خط کوفی میں لکھا گیا ہے، طلاکاری سے مرصع و مزین ہے، ۱۹ سطور اور ۲۰۹ اوراق ہیں، دو لوح میں مجلد ہیں، خرما کی چھال اور تنہ کی جلدیں ہیں، اور آخر میں معمولی خط میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی تحریر ہے۔ وہ

ان ھذا المصحف بخط الامام الصادق عن اللہ الامین جعفر بن الامام محمد الباقر

بن الامام ابی الحسن علی زین العابدین بن الامام السبط الحسین بن الامام علی

بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ و رضی عنھم

نمبر ۱۳، یہ مصحف شریف بھی ہرن کی کھال پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے، اوراق ۲۳۲، اور سطور ۱۰ ہیں، بہت سے اوراق بوسیدہ اور مفقود ہیں ان کی جگہ نئے سفید اوراق لگا دیئے گئے ہیں اور معمولی خط سے لکھا ہوا ہے [illegible] میں احمد بن اسکاف نے وراقی کی تھی، ابو النجم طارق نے اس مصحف کو جامع عتیق

[illegible]

مصر میں وقف کیا تھا، پہلے ورق پر یہ عبارت مرقوم ہے:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ھذا المصحف حبس للہ عزوجل لا یباع ولا یوھب ولا یورث (و) لا یملک ولا یتلف بوجہ تلف حتی یرث اللہ جل عز الارض و من علیھا (وھو) خیر الوارثین، (حبسہ) ابو الجیش طارق رجاء ثواب اللہ والدار الآخرۃ . . . رحم اللہ من قرأ علیہ ودعا لمحبسہ بالمغفرۃ والرحمۃ

نمبر ۱۴، یہ مصحف بھی ہرن کی کھال پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے، ۱۰۲ اوراق ہیں سطروں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے،

نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷، یہ تینوں کلام مجید بھی اس قسم کے ہیں اور ان کے اوراق علی الترتیب ۲۶۵، ۵۴ اور ۳۴ ہیں،

نمبر ۱۸، یہ قرآن شریف ہرن کی کھال پر خط کوفی میں ابتدائی رسم خط کے مطابق بغیر شکل اور نقطوں کے مرقوم ہے، کیڑوں نے متعدد جگہوں میں سوراخ کر دیئے ہیں، قرآن شریف کے آخر میں غیر خط کوفی میں ایک نوٹ ہے، کہ محمد بن عمر الطنبومی، الشافعی الازہری نے ۱۲۴۹ھ میں اسکی کتابت وزیر اعظم الحاج محمد علی پاشا کی اعانت سے تمام کی ہے،

"قد تم ھذا المصحف الشریف علی ید محمد بن عمر الطنبومی الشافعی الازھری باسعاف وامداد الوزیر الاعظم الحاج محمد علی باشا سنہ ۱۲۴۹"،

سطر قلم کوفی کا ۱۲-۱۳ اور اوراق ۴۰۳ ہیں، اور سطر غیر قلم کوفی کا ۱۱، اور عدد اوراق ۲۲۸ ہیں، تمام اوراق ۶۲۸ ہوئے، اس کے خط کوفی کے حصہ کی نسبت یہ خیال ہے کہ یہ مصحف حضرت عثمان بن عفانؓ کا ہے جسکی وہ تلاوت فرمایا کرتے تھے، شہادت کے وقت کے خون کا اس میں اثر ہے، مقریزی نے اپنے خطط میں جامع عتیق کے ذکر میں اس کو بیان کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ خلیفہ معتضد کے کتب خانہ سے اسے برآمد کیا گیا ہے جس کو ابوبکر خازنی

جامع عتیق میں دیدیا، اور ایک منقوش و مرصع لکڑی اس میں لگا دی، اور اس میں نبت ابی بکر بن عبد العزیز بن مروان کے اسمار تھے، اور یہ اسمار ۸۳۲ھ تک دیکھے گئے، اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک جماعت نے حضرت عثمانؓ کے قرآن ہونے سے انکار کیا ہے، اور ایک شخص کی حکایت سے ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچتا ہے، اور پھر مقریزی نے بیان کیا کہ جس قرآن کو اس نے دیکھا تھا اس کے پشت پر عبارت ذیل مرقوم تھی،

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین ھذا المصحف الجامع لکتاب اللہ جل ثناؤہ وتقدست اسمائہ - حملہ المبارک مسعود بن سعد العیتی لجماعۃ المسلمین القراء التالین لہ المتقربین الی اللہ جل ذکرہ بقرأتہ والمتعلمین لہ لیکون محفوظا ابدا وقصد بایداعہ فسطاط مصر فی الجامع العتیق لیحفظ حفظ مثلہ سایر مصاحف المسلمین، وذلک فی یوم الثلثاء مستھل ذی القعدۃ ۳۸۷ھ"

نمبر ۱۹، یہ مصحف خط مغربی میں مرقوم ہے، طلاکار اور الوان سے مرصع و مزین ہے، سلطان محمد کے کتب خانہ کے لیے ۱۱۶۲ھ میں لکھا گیا ہے، سطور ۲۳، اور اوراق ۲۶۳ ہیں،

نمبر ۲۰، یہ مصحف بھی خط مغربی میں محمد ادلاف کاتب نے لکھا ہے، کیڑوں نے سوراخ کر دیئے ہیں، سطور ۱۳، اور اوراق ۲۶۳ ہیں،

نمبر ۲۱، یہ مصحف بھی خط مغربی میں ہے، کاتب مبارک بن محمد کوری ہیں، سطور ۱۸، اور اوراق ۲۰۴ ہیں،

نمبر ۲۲، یہ بھی خط مغربی میں ۱۲۶۲ھ کی تحریر ہے، سطور ۱۶ اوراق ۱۲۹ ہیں صرف نصف ثانی ہے،

نمبر ۲۳، سورۂ مریم سے آخر قرآن تک قلم مغربی، زر افشان اور محلّی بالذہب ہے، سطور مختلف تعداد پر ہیں، اور اوراق ۱۱۲،

نمبر ۲۴، یہ بھی مغربی قلم ہے، سطور ۱۶ اور اوراق ۱۰۹ ہیں، صرف نصف اوّل ہے، مگر ناتمام ہے، اثنا عشر ربع سے سورۂ ہود کے اور سورہ عنکبوت کے آخر ربع تک مجلد ہے،

نمبر ۲۵، قلم مغربی میں مرقوم، سطر ۹، تعداد اوراق ۲۰ ہے، صرف سورۂ حدید کے آخر تک ہے،

نمبر ۲۶، قلم مغربی، کاتب یونس بن محمد الاندلسی نے ۵۱۵ھ میں تمام کیا ہے، سطر ۹، اوراق ۱۰۰ ہیں،

دولت فاطمیہ کے مصاحف،

نمبر ۲۷ یہ قرآن شریف، قلم جلی میں مسعود بن محمد الکاتب الاصفہانی نے لکھا ہے، غرہ ذی القعدہ ۵۵۵ھ میں کتابت ختم ہوئی، محلی بالذہب والالوان ہے، اول اوراق اور سورۂ آل عمران کا ایک ورق کرم خوردہ ہے، سطر ۱۱، اور اوراق ۱۰۴ ہیں،

نمبر ۲۸، جلی قلم کا لکھا ہوا ہے، محلی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۱۴۳ ہیں، سورۂ بروج سے اخیر تک کرم خوردہ ہے،

اول قرن رابع کے اجزاء مکتوبہ،

نمبر ۲۹، جزو اول، سورۂ الحجر، نسخ میں، اس تحریر کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ابی علی محمد بن مقلہ[1] جو مشہور

---

[1] ابن مقلہ کا نام محمد بن علی تھا، مقلہ اس کے پردادا کا نام تھا، اسکی ولادت بعد عصر جمعرات ۲۰ شوال ۲۷۲ھ میں ہوئی تھی، وہ مختلف فنون یعنی تفسیر، قرأت، ادب میں نہایت ممتاز خصوصاً علم ترسل و انشاء و املاء و مکاتبات میں سب سے فائق ہو گیا، اس نے چھ قسم کے خط ایجاد کئے جن کے نام یہ ہیں، محقق، ثلث، نسخ، توقیع، رقاع، ریحان، اہل عجم نے خط توقیع سے خط تعلیق ایجاد کیا، جیسا جامی فرماتے ہیں،

کاتباں را ہفت خط باشد بہ ز مختلف / ثلث و ریحان و محقق نسخ و توقیع و رقاع
بعد ازاں تعلیق آں خط ست کز اہل عجم / از خط توقیع استنباط کردند اختراع

ابن مقلہ کا حسن خط بھی مثال میں آیا ہے، ؎

فصاحت سحبان، وخط ابن مقلہ / وحکمت لقمان، وزہد ابن ادہم

ابن مقلہ بہت بڑے فاضل اور خوشنویس ہونے کے علاوہ بڑا مدبر بھی تھا، تاریخ میں اس کا نام نہایت روشن ہے، اسے کہیں وزیر اور دبیر لکھا ہے، خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں ابوالحسن بن علی بن فرات نے اپنی وزارت کے کل کام اس کے حوالہ کر دیئے، من بعد اسکی شادی ایک معزز خاندان میں ہوئی اسکی بی بی نہایت مالدار تھی، پھر ادبار کا زمانہ آیا بہت سے مصائب برداشت کیے، قاہر باللہ کے زمانہ میں خوف جان سے پوشیدہ ہو گیا، الراضی باللہ کے زمانہ میں ابن رائق وزیر کی صلاح سے ابن مقلہ کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا گیا اور قید کر دیا گیا، قید خانہ میں وہ ہاتھ دیکھ کر رویا کرتا تھا اور یہ شعر پڑھتا تھا،: خدمت بها الخلفاء وكتبت بها القرآن الكريم مرتين دفعتين تقطع كما تقطع ايدي اللصوص :- جس نے اس ہاتھ سے خلیفوں کی خدمت کی اور دو مرتبہ کلام مجید لکھا، اس طرح کاٹا گیا جس طرح چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں، ابن مقلہ قید ہی میں [illegible] ۳۲۸ھ میں [illegible] ابن خلکان ماخوذ ہے،

کاتب تمااسی نے ۷۰۰ھ میں لکھا ہے، اور ہر سطر کے نیچے فارسی ترجمہ ہے، اور جدول و مطلا بالذہب ہے، نہایت مرصع و مزین ہے، سطور ۱۹، اور اوراق ۱۶ ہیں،

مصاحف مکتوبہ دولت ایوبیہ کے زمانے کے

نمبر ۳۰، یہ قرآن عبدالرحمن بن ابی الفتح نے ۶۲۵ھ میں ملک معظم ابن ابی المظفر سعد بن زنگی اتابک کے کتب خانہ کے لیے لکھا تھا، خط نسخ ہے، اس کے اول میں ایک رسالہ ہے جس میں بیان قرات عشرہ اور اس کے اصطلاحات ہیں اور ہر سورۃ کے شروع میں تعداد آیات بیان کیا ہے اور نزول سورت کہ مکی ہے یا مدنی اس کا بھی ذکر کیا ہے، اور تعداد کلمات اور حروف کا بھی ذکر ہے، سطر گیارہ، اور اوراق ۴۰۹ ہیں، مطلا مذہب بھی ہے،

نمبر ۳۱، اس قرآن پاک کو اسمٰعیل بن ابراہیم بن احمد نے ۶۳۵ھ میں خط جلی میں لکھا ہے، ہر آیت محلّٰی بالذہب ہے اور کل سورتوں کی ابتدا بھی مرصع و مزین ہے بعض اوراق نمی سے مرطوب اور ترقیع ہیں، سطریں ۱۱، اور اوراق ۳۹۵ ہیں،

نمبر ۳۲، یہ قرآن شریف مسعود بن محمد بن مسعود الخطاط اصفہانی نے ۵ ذی القعدہ ۶۶۰ھ کو معمولی خط میں لکھا، اور یہ قرآن اول کا حصہ سورہ کہف تک دو نسخے ہیں اور ثانی آخر قرآن تک ہے، سطر ۹، اور اوراق نصف اول کا ۲۹۱، اور ثانی کا ۲۰۸ ہیں، اور دونوں نسخوں کے ابتدائی حصے مطلا و مذہب ہیں،

مصاحف مکتوبہ ممالیک بحریہ کے عہد کے

نمبر ۳۳، قرآن شریف، خط ثلث، جلی قلم، سونے کے پانی سے لکھا گیا، سلطان ملک ناصر محمد بن قلاؤن نے ۷۳۰ھ میں وقف کیا تھا، سطر ۹، اور اوراق ۳۰۰ ہیں، آخر کے ورق کا اوپر کا حصہ خراب ہے،

نمبر ۳۴، جلی قلم کا لکھا ہوا ہے، مطلا و مرصع بھی ہے، اس قرآن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ سلطان حسن نے وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اور اوراق ۳۶۴ ہیں، بعض اوراق خراب ہیں،

نمبر ۳۰ ـ جلی قلم کی تحریر ہے، اور محلی بالذہب الالوان ہے، اس قرآن پاک کو سلطان ملک اشرف کی والدہ ملکہ خوندبرکہ نے ٧٦٩ھ میں وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۳۲۰ ہیں،

نمبر ۳۶، جلی قلم سے لکھا گیا، مطلا و مرصع بھی ہے، اس قرآن پاک کو سلطان اشرف ابی المظفر شعبان ابن المقر اشرف حسین بن سلطان ناصر محمد بن قلاؤن صالحی نے شعبان ٧٧٠ھ میں وقف کیا تھا، سطر ۱۱ اور اوراق ۴۱۰ ہیں،

نمبر ۳۷، اس قرآن پاک کو بھی ملک اشرف ابی المظفر شعبان نے ماہ ذی القعدہ [illegible] میں وقف کیا تھا، اور [illegible] میں خلیل بن محمد بن عبد الرحمن الحنفی نے لکھا تھا، یہ بھی مطلا و مرصع ہے، سطر ۱۱ اور اوراق [illegible] ہیں،

نمبر ۳۸ ـ اس قرآن شریف کو بھی ملک اشرف ابی المظفر شعبان نے ماہ شعبان ٧٧٠ھ میں وقف کیا تھا، خط جلی ہے، اول سے آخر سورہ اسری تک دو جلدوں میں ہے، اوراق ۳۵۹ ہیں، اور ثانی آخر قرآن تک ہے، اس کے اوراق ۴۲۵ اور دونوں کی سطریں ۹ ہیں، دونوں مطلا و مرصع ہیں،

نمبر ۳۹، اس کو بھی اسی سلطان شعبان نے ٧٧٧ھ میں وقف کیا تھا، خط بھی جلی ہے، اور اس کے کاتب علی بن محمد المکتب الاشرفی ہیں، سنہ کتابت ٧٧٧ھ ہے، محلی بالذہب الالوان ہے، اور ہر سورت کے اول میں اس کا نام اور تعداد آیات کوفی خط میں لکھی ہوئی ہے، مگر تعداد کلمات و حروف خط ثلث سے لکھی ہوئی ہے، اور اخیر میں طلا سے عدد آیات، اور عدد احکام امر و نہی، وعد و وعید، قصص، اخبار، عبر، امثال، حلال، حرام، دعا، تسبیح، اور آیات ناسخ و منسوخ لکھا ہوا ہے، بعض اوراق ترقیع شدہ ہیں، سطر ۱۳، اور اوراق ۱۰۱ ہیں،

نمبر ۴۰، یہ قرآن شریف خط ثلث اور نسخ میں لکھا گیا ہے، بیان ہے کہ اسے امیر سیف الدین انجاسی الیوسفی نے وقف کیا تھا، مطلا و مذہب ہے، سطر ۱۳، اور اوراق ۵۶۰ ہیں،

نمبر ۴۱، اس قرآن شریف کو محمد المکتب الشہابی نے المقر الاشرف کے حکم سے ٧٨٦ھ میں لکھا تھا، جلی قلم ہے، محلی بالذہب الالوان ہے، یہ قرآن شریف مصحف الکاف کے نام سے مشہور ہے، کرم خوردہ بھی

سطر ۱۱، اوراق ۳۴۹ ہیں،

نمبر ۴۱، یہ قرآن شریف خط نسخ میں یاقوت مستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، ۶۹۰ھ کتابت کی تاریخ ہے، محلی بالذہب و الالوان ہے، سطر ۱۰، اوراق ۱۹۲ ہیں،

اس کے سابق مضمون میں مین نے معارف نمبر ۳ جلد ۱۶ کے صفحہ ۲۰۲ میں یاقوت مستعصمی کے ۵ نسخوں کا ذکر کیا ہے یہ نسخہ ملا کر ۶ نسخے ہوئے،

نمبر ۴۲، یہ قرآن شریف شیخ عبد الفتاح العریف کے ترکہ کا گویا ایک تتمتک ہے، خط جلی میں لکھا ہوا ہے، مطلا و مرصع بھی ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۰۹ ہیں،

نمبر ۴۳، معمولی قلم سے لکھا گیا ہے، اور ہر سطر کے نیچے مختصر تفسیر بھی ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۱ ہیں،

نمبر ۴۴، یہ قرآن شریف خط جلی میں احمد بن محمد بن کمال الانصاری نے جو شہر قاہرہ کے طبیب تھے، ۱۳۴۲ھ میں لکھا تھا، اس کے ساتھ ایک رسالہ رسم مصحف میں کاتب موصوف نے لکھا ہے، وہ رسالہ مطلا و مذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۳۱۸ ہیں،

نمبر ۴۵، یہ قرآن پاک خط ثلث میں محمود بن حسین بن علی النجوانی نے ۱۲۶۳ھ میں لکھا ہے، مطلا و مرصع ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۰۹ ہیں،

نمبر ۴۶، اس قرآن شریف کو جلی قلم میں عبد اللہ شافعی نے تقریباً ۱۲۴۶ھ میں لکھا تھا، مطلا و مرصع ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۴۸ ہیں،

نمبر ۴۷، جلی قلم سے حسن بن قاسم جعفری نے ماہ رمضان کے اخیر عشرہ ۱۲۲۲ھ میں لکھا ہے، یہ قرآن بھی محلی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۵۰ ہیں،

نمبر ۴۸، اس قرآن پاک کو جلی قلم سے موسیٰ محمد بن حسن تنوخی، مالکی، اشرفی نے شہر ربیع الثانی ۱۲۴۶ھ میں شہر قاہرہ میں لکھا تھا، پھر ۲ شوال ۱۲۹۴ھ میں سید احمد بن ادریس حسنی نے مقام امام شافعی میں وقف کر دیا،

مذہب و مرصع ہے، سطر ۹، اوراق ۲۹۰ ہیں،

نمبر ۵، تاریخ کتابت ۱۲۴۲ھ ہے، خط ثلث میں لکھا گیا ہے، مذہب و مرصع بھی ہے ۱۲۶۶ھ میں محمد علی نے وقف کیا ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۴۹ ہیں،

نمبر ۱۵، جلی قلم میں عبدالرحمن بن صایغ نے ساٹھ دن میں اس قرآن پاک کو لکھا ہے، ذی الحجہ ۸۰۱ھ میں کتابت سے فراغت حاصل کی تھی، یہ قرآن شریف محلّی بالذہب و الالوان بھی ہے، سلطان برقوق نے اسے وقف کیا ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۵۹ ہیں،

نمبر ۲۵، خط ثلث میں طلا سے لکھا گیا اور مداد اسود کا رول ہے، اور محلّی بالذہب و الالوان ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۵۵ ہیں، اسے بھی سلطان برقوق نے وقف کیا تھا،

نمبر ۳۵، یہ قرآن شریف بھی ۸۱۱ھ میں عبدالرحمن بن صایغ نے قلم جلی سے لکھا تھا، اول اور آخر قرآن اور اوائل سورتوں اور آخر آیات کا محلّی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۰۰ ہیں، اس قرآن پاک کو سلطان برقوق کے لڑکے سلطان فرج نے وقف کیا تھا،

نمبر ۴۵ اس قرآن شریف کو سلطان برقوق کے لڑکے، سلطان ملک ناصر فرج کے کتب خانہ کیلئے عبدالرحمن بن صایغ نے قلم جلی سے لکھا تھا، اور ماہ رمضان ۸۱۱ھ میں لکھنے سے فراغت حاصل کی تھی، یہ قرآن بھی محلّی بالذہب و الالوان ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۵۲ ہیں، سلطان المؤید شیخ ابی نصر نے اسے وقف کیا تھا،

نمبر ۵۵، یہ قرآن پاک قلم جلی میں موسیٰ بن اسمعیل کنانی حنفی، معروف بالجیبنی کا لکھا ہوا ہے، کاتب موصوف نے ماہ شعبان ۸۱۴ھ کتابت سے فراغت حاصل کی، یہ بھی محلّی بالذہب و الالوان ہے، اسے ملک المؤید شیخ ابی نصر نے وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اور اوراق ۴۲۳ ہیں،

نمبر ۶۵، قرآن شریف، اس کو جانم سیفی جانی بیک دوادار الکبیر نے قلم جلی سے ملک اشرف ابی النصر قایتبائی کے کتب خانہ کے لیے لکھا تھا، اور یہ قرآن پاک بہت بڑا ہے کتب خانہ خدیویہ میں ... سے ...

اوراق ۲۲۸ ہیں،

نمبر ۵۷، قلم جلی سے لکھا گیا ہے، محلّی بالذہب والالوان ہے، سنہری جلد بھی ہے، سطر ۱۲، اوراق ۳۰۵ ہیں،

نمبر ۵۸، یہ قرآن شریف خط نسخ میں سعد الحافظ سرای نے لکھا ہے، ماہ رمضان ۸۵۶ھ میں اسنے لکھنے سے فراغت پائی تھی، یہ بھی محلّی بالذہب والالوان ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۹۰ ہیں،

نمبر ۵۹، اس قرآن پاک کو محمد آفندی الشہیر بغزابی روزنامجی جو دیوان مصر کا کاتب تھا اسکی لڑکی عائشہ نے ماہ صفر ۱۲۵۶ھ مین وقف کیا تھا، سطر ۱۳، اوراق ۳۴۸ ہیں، خط ثلث ہے، محلّی بالذہب بھی ہے، سنہ کتابت ۱۲۹۶ھ ہے،

نمبر ۶۰، یہ قرآن پاک ۱۲۲۳ھ میں معمولی خط میں لکھا گیا، ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) میں ولی الدین آفندی خلوصی جو محمد علی باشا کے کتب خانہ کا کاتب تھا وقف کیا تھا، محلّی بالذہب اور مرصع بھی ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۹ ہیں،

نمبر ۶۱، قرآن پاک کو قلم جلی میں خطاب بن عمر الانجاوی نے لکھا اور ۸۷۴ھ میں کتابت ختم کی، یہ قرآن شریف المقر الاشرف مولوی امیر کبیر سیفی جانی بیگ امیر اخور کبیر کے کتب خانہ کے لیے لکھا گیا تھا، یہ بھی محلّی بالذہب والالوان ہے، سطر ۱۳، اور اوراق ۵۰۳ ہیں،

نمبر ۶۲، قلم جلی سے احمد بن علی الفیومی نے ملک الاشرف قانصوہ الغوری کے حکم سے لکھا، اور ماہ رمضان ۹۱۵ھ میں کتابت ختم ہوئی تھی، یہ بھی محلّی بالذہب الالوان ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۰ ہیں، اس قرآن پاک کے اول میں دو صحیفے ہیں جو طلا سے لکھے ہوئے ہیں،

نمبر ۶۳، اس قرآن کو خط ثلث میں احمد بن محمود الدمشقی نے لکھا ہے، ۱۲۰۶ھ میں لکھکر فراغت حاصل کی، محلّی بالذہب والالوان ہے، سلطان برقوق نے اسے بھی وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۴۷۰ ہیں،

نمبر ۶۴، قلم جلی سے ابی عمرو کی روایت رسم مصحف کے طور پر لکھا گیا ہے، جو ایک رسالہ اخیر سے متصل ہو گیا ہے، اس میں دو صحیفے اوّل میں ہیں جو طلا سے لکھے گئے ہیں، اور اخیر میں ایک رسالہ رسم

مصحف پر ہے، ملک الاشرف ابی نصر قایتبائی نے ۸۸۲ھ میں وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۳۰۰ ہیں،

نمبر ۶۵، قلم جلی ہے، ملک ظاہر ابی سعید خوشقدم کے کتب خانہ کے لیے لکھا گیا، اس قرآن شریف کے اول میں ایک رسالہ ہے جس میں یہ بیان ہے کہ کاتب کو کتابت مصحف میں کن چیزوں کا التزام رکھنا ملحوظ رکھنا چاہیئے، محلّی بالذہب ہے، سطر ۱۲، اوراق ۳۱۹، اور جلد منقوش ہے،

نمبر ۶۶، جلی قلم سے لکھا ہے، اور جس لفظ میں جلال و شان ہے، اسے سونے سے لکھا ہے، محلّی بالذہب بھی ہے، سلطان اشرف برسبائی نے ۸۳۶ھ / ۱۴۳۲ء میں وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۳۰۲ ہیں،

نمبر ۶۷، اس قرآن شریف کو ابراہیم بن احمد بن عثمان الرقی نے قلم جلی میں لکھا، اور ۸۲۶ھ / ۱۴۲۲ء میں کتابت سے فارغ ہوا، حاشیہ میں قرأت و تجوید ہے، اسماء قرأت اور اس کے رموز ہیں، محلّی بالذہب بھی ہے، سطر ۱۱، اوراق ۲۳۱ ہیں، اس قرآن کو بھی سلطان اشرف ابی النصر برسبای نے ۸۲۱ھ / ۱۴۱۸ء میں وقف کیا تھا،

نمبر ۶۸، اس قرآن پاک کو خطاب بن عمر الانجادی نے یاقوت مستعصمی کے طرز پر خط نسخ میں لکھا ہے، ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء میں لکھنے سے فراغت حاصل کی تھی، اور ۱۹ محرم ۹۰۱ھ / ۱۴۹۵ء میں ملک الاشرف ابی النصر قایتبای نے وقف کیا تھا، محلّی بالذہب بھی ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۴ ہیں،

نمبر ۶۹، خط نسخ میں مملوک قائم بن جانم جو طبقہ زمامیہ ملکی الاشرفی سے تھا، اس نے لکھا تھا، شعبان ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء میں کتابت سے فارغ ہوا تھا، عبدالرحمٰن کتخدا نے وقف کیا تھا، یہ قرآن محلّی بالذہب بھی ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۲ ہیں،

نمبر ۷۰، اس قرآن پاک کو عبداللہ بن حجاج البرادی نے قلم جلی سے ۸۴۳ھ / ۱۴۳۹ء میں لکھا تھا، ابراہیم کتخدا کی لڑکی عائشہ نے اسے وقف کیا تھا، سطر ۱۱، اوراق ۴۴ ہیں اور محلّی بالذہب ہے،

نمبر ۷۱، مملوک کرتبائی بن اتبائی شاگرد محمد بن علی السہیلی نے قلم جلی سے اس قرآن پاک کو ۸۷۱ھ

میں لکھا، شروع میں علم قرأت پر ایک مقدمہ ہے، سلطان قایتبائی نے اپنی جامع ... جو دمیاط کے اطراف میں واقع ہے ۸۸۴ھ میں وقف کیا تھا، محلی بالذہب بھی ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۰۸ ہیں،

نمبر ۲، یہ قرآن شریف بھی یاقوت مستعصمی کے طرز پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے، حاشیہ پر علم تفسیر کے تقاید سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں، اول اور آخر سے مخروم ہے، محلی بالذہب بھی ہے، سطر ۹ اوراق ۳۰۹ ہیں،

نمبر ۳، اس قرآن پاک کو علی بن اخی قاسم بن رستم الرفاعی نے خط ثلث اور خط نسخ میں لکھا، اور رمضان ۸۸۵ھ میں کتابت سے فارغ ہوا، محلی بالذہب ہے ملک الاشرف ابی النصر قایتبائی نے اسے بھی وقف کیا تھا، سطر ۱۳، اوراق ۲۹۶ ہیں،

نمبر ۴، یہ قرآن شریف جو دولت ممالیک الجراکسہ برجیہ کے مصاحف مکتوبہ میں سے ہے نہایت دلچسپ اور بیش قیمت ہے، دلچسپ تو تاریخی حیثیت سے ہے، اور طرز تحریر و ترتیب کے لحاظ سے بیش بہا اور عجیب ہے،

سیدہ نفیسہ[1] کی جو اسحق موتمن کی بی بی تھی، ایک مسجد مصر میں تھی، اس میں یہ قرآن پاک تھا،

---

[1] سیدہ نفیسہ ابی محمد الحسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ کی صاحبزادی اور مؤتمن اسحق بن جعفر صادق رضہ کی بیوی ہیں، نہایت صالحہ زاہدہ متقی عورتوں میں تھیں، ابن خلکان کا بیان ہے: "وکانت نفیسة من النساء الصالحات التقیات" اہل مصر کا ان سے اعتقاد عظیم ہے، اور خلکان کے زمانہ تک باقی تھا جیسا کہ وہ کہتا ہے: "وهو الی الآن باق کما کان" امام شافعی جب مصر میں تشریف لائے تو سیدہ نفیسہ سے ملے اور حدیثیں سنیں، رمضان ۲۰۸ھ میں مصر میں ان کا انتقال ہوا، ان کے شوہر مؤتمن اسحق نے ارادہ کیا کہ سیدہ نفیسہ کو مدینہ میں مدفون کریں مگر مصریوں نے خوش اعتقادی کی بنا پر اصرار کیا کہ مصر میں ان کا مقبرہ ہو، چنانچہ قاہرہ و مصر کے مابین مدفون ہوئیں، ان کا مقبرہ اجابت دعا کیلئے مشہور ہے، (تکمیل کیلئے شعرانی ملاحظہ ہو)،

…سے چوری گیا اور دس سال بعد پھر اسی مسجد کے دروازہ پر لٹکا ہوا پایا گیا، حسین بیگ حسنی کو اس تعجب خیز واقعہ کی خبر پہنچی وہ آیا اور قرآن پاک کو لیا، اس کو اچھی طرح اور مضبوطی سے مرغ مرکو کے چمڑے سے مجلد اور جلد ساز سے صاف اور ستھرا کر کے درست کرایا اور جہاں جہاں خراب ہو گیا تھا اسکی بھی ترمیم کی، اس کے اخیر میں خط جدید میں تین اوراق ہیں جنکو محمد وہبی نے ۱۲۹۳ھ میں لکھکر چسپاں کیا تھا، اور تحت کلمات میں تفسیر ہے، اور حاشیہ پر قرأت ہیں اور حاشیہ اخیر ورق خط جدید میں ہے جسکو خیرت آفندی نے لکھا ہے جس میں یہ تاریخی قصہ ہے، جو اوپر ذکر کیا گیا،

خط ثلث میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے، حاشیہ مطلا و مذہب ہے، اسماء سور اور عدد آیات سونے سے لکھے گئے ہیں، اور سیاہ روشنائی سے مجدول ہے، اور اول میں آٹھ اوراق مجدول و منقش اور طلاکار ہیں، ان میں نصفیں، ثلاث، ارباع، اسمائے قرار سبعہ اور ان سورتوں کا جنمیں ناسخ و منسوخ ہے اور جنمیں نہیں ہے، اور مطابق نزول آیتوں کی ترتیب کا بیان ہے، نیز اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں، مختلف اشخاص کو متفرق طور پر یاد تھا، اور بیان سبب جمع قرآن کا مصاحف میں اور بیان کہ قرآن لوح محفوظ سے بیت العزۃ تک جملہ واحدہ کر کے نازل ہوا، اور اس کے بعد حسب ضرورت منجم ہوتا تھا سطر ۱۱، اور اوراق ۳۸۲ ہیں،

دولت عثمانیہ کے مصاحف مکتوبہ ما

نمبر ۵، اس قرآن شریف کو محمد بن احمد خلیلی تبریزی نے ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء میں خط نسخ میں لکھا ہے، ایک سطر تو طلائی ہے اور ایک سطر سیاہ روشنائی کی ہے، مطلا و مرصع ہے ۱۰۳۲ھ ۱۶۲۲ء میں سلطان محمد خاں کی والدہ صفیہ نے وقف کیا تھا، سطر ۱۰، اوراق ۵۰۴ ہیں،

نمبر ۶، ابراہیم خلیل معروف بہ بشکتی نے خط ثلث میں اس قرآن پاک کو لکھا ہے، شہر ربیع الآخر ۸۹۲ھ میں کاتب کو تحریر سے فراغت ہوئی تھی، مذہب و مرصع ہے ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۴ء میں حاجی جعفر آغا باش آغائی

مصطفیٰ آفندی نے مصر میں وقف کیا تھا سطر ۱۹ اوراق ۴۰۳ ہیں،

نمبر۵، قطب الدین کاتب نے خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا تھا اس میں چار تفاسیر ہیں، دو تو حاشیہ پر ہیں، انوار التنزیل للبیضاوی، و جواہر التفسیر للمولیٰ حسین الکاشفی، اور تفسیر جلالین اور آخر تفسیر فارسی میں طلب میں ہے، اور یہ مصحف منقش و محلی بالذہب ہے سطر ۱۹ اوراق ۷۰۰ ہیں،

نمبر۶، محمد روح اللہ ابن حافظ محمد لاہوری نے خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا ہے اور سنہ ۱۱۱۵ھ کے رجب میں کتابت سے فراغت حاصل کی، تیس اوراق میں تیس پارے لکھے ہوئے ہیں، اور ہر سطر کے اول کا الف سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے، محلی بالذہب والالوان ہے، سطر ۱۸ ہیں،

نمبر۷، اس قرآن شریف کو بھی کاتب مذکور روح اللہ نے نسخ میں لکھا ہے، تاریخ کتابت سنہ ۱۱۲۲ھ ہے اسکے بھی تیس اوراق ہیں ایک ایک ورق میں ایک ایک پارہ ہے، جیسا سابق کا قرآن شریف ہے، اور ہر سطر کے اول میں الف کو سرخ روشنائی سے ہی لکھا ہے، یہ قرآن منقش و محلی بالذہب والالوان ہے سطر ۱۸

نمبر۸، سلیمان کاتب نے معمولی خط میں اس قرآن کو لکھا ہے، اور سنہ ۱۲۰۴ھ میں کتابت سے فراغت پائی، محلی بالذہب والالوان ہے، سنہ ۱۲۶۱ھ میں حاجی سرور آغا تابع والدۃ المرحوم حسین بیگ نے وقف کیا تھا سطر ۱۵ اوراق ۳۶۳ ہیں،

نمبر۱۰، سید حافظ عثمان رشدی ابن خلیل جو محمد راسم کے تلامذہ سے ہیں سنہ ۱۲۵۹ھ میں خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا تھا، محلی بالذہب والالوان ہے، سطر ۱۵ اوراق ۲۰۲ ہیں،

نمبر۱۱، بہاء الدین محمد بن شیخ ابی الفضل اللاہجانی نے خط نسخ میں اس قرآن شریف کو لکھا ہے، سنہ ۱۰۰۲ھ کے ربیع الاول میں کتابت سے فراغت حاصل کی، اول قرآن میں ایک فارسی رسالہ ہے، اور بین السطور میں سرخ روشنائی سے بعض کلمات کی تفسیر لکھی ہوئی ہے، اور حاشیہ پر بعض تفاسیر طبری وغیرہ ہیں، محلی بالذہب والالوان ہے سنہ ۱۲۴۴ھ میں یعقوب آفندی ابن عبداللہ نے جو محمد علی پاشا والی مصر کے ملوک و وزیر کا صاحب

سوم خزینہ مصر تھا، وقف کیا تھا، سطر ۱۳، اوراق ۳۰۴ ہیں،

نمبر ۸۳، سید حافظ احمد معروف بشناقی زادہ کاتب نے اس قرآن کو ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء میں خط نسخ میں لکھا، اور ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں الہامی پاشا کی والدہ ماجدہ نے وقف کیا، دائروں سے مرصع و مزین ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۰ ہیں،

نمبر ۸۴، سید حافظ اسمعیل حقی جو سید محمد اصلی کے تلامیذ سے ہیں، ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء میں خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا، ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں الہامی باشا کی والدہ ماجدہ نے بھی اسکو وقف کیا، یہ بھی اسی طرح مرصع و مزین ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۰ ہیں،

نمبر ۸۵، حاجی حافظ برہان الدین المعروف بعمر حافظ زادہ کاتب نے ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا، اور الہامی باشا کی والدہ نے اسے بھی وقف کیا ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۴۴ ہیں،

نمبر ۸۶، سید محمد حمدی نے جوابی اکبر وصفی کے شاگردوں میں سے تھے ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۸ء میں خط نسخ میں لکھا تھا، سلطان عبدالعزیز خاں کی والدہ نے وقف کیا، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۵ ہیں، چھوٹے دائروں سے مرصع و مزین ہے،

نمبر ۸۷، احمد خلوصی ابن حاجی خلیل نے جو ابراہیم ادھمی الصاری کے تلامیذ سے ہیں، خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا تھا، ۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء میں دلی باشا کی دختر عائشہ خانم نے وقف کیا تھا، ماسبق قرآن کی طرح یہ بھی مرصع ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۳ ہیں،

نمبر ۸۸، یہ قرآن معمولی قلم کا لکھا ہوا ہے، ہر سطر کا اول اور آخر سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے اور حاشیہ پر اسی روشنائی سے بعض قراءت بھی لکھی ہوئی ہیں، ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۴ء میں شیخ عبدالرحمن انصاری کی لڑکی نے وقف کیا تھا، سطر ۱۷، اوراق ۱۷۴ ہیں،

نمبر ۸۹، عبدالکریم بن احمد طلوسی نے معمولی خط میں ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء میں اس قرآن کو لکھا تھا، سرخ روشنائی سے بین السطور میں بعض کلمات کی تفسیر لکھی ہوئی ہے، محمد آغا المعروف بگی شہری نے اسے وقف کیا، سطر ۱۱، اوراق ۳۰۴ ہیں،

نمبر ۹۰، سلیمان جردلی (حافظ قرآن) نے ۱۲۰۷ھ / ۱۷۹۲ء میں اس قرآن کو لکھا، ہر صفحہ میں تین سطریں

خط ثلث میں اور درمیان کی سطر سرخ روشنائی سے ہے، امیہ رضوان نے اسے وقف کیا، سطر ۷، اوراق ۴۰ ہیں،

نمبر ۹۱- یہ قرآن شریف اول اور اخیر سطر ارزق رنگ سے اور وسط سطر سونے سے لکھا ہوا ہے،
خط ثلث اور نسخ میں ہے، محلی بالذہب و ملوان ہے، ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۴ء) میں امیر الاوا ایوب بیگ دفتدار مصر نے
وقف کیا، سطر ۱۳، اوراق ۲۹ ہیں،

نمبر ۹۲، سلیمان یساری نے نسخ میں اس قرآن کو ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) میں لکھا، خدیو اسمعیل کی حرم جشم آفت
خانم نے ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں وقف کیا، محلّی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۳۹۵ ہیں،

نمبر ۹۳، علی حلمی نے جو حافظ اسمعیل کے تلامذہ سے ہیں خط نسخ میں اس قرآن کو لکھا ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں علی
آفندی مرشد نے وقف کیا، منقش و مرصع بھی ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۴ ہیں،

نمبر ۹۴، سعیدی بن اسمٰعیل حامدی نے ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا اور اسی سنہ میں
حسن کامی پاشا کی حرم رفیعہ خانم کے غلام شعبان آغا نے وقف کیا، یہ قرآن شریف دایرون اور رنگون سے مرصع
ہے، سطر ۱۵ اوراق ۳۴۴ ہیں،

کتب خانہ مصطفیٰ پاشا میں دولت عثمانیہ کے مصاحف کتبیہ

نمبر ۹۵- اسماعیل یساری زادہ نے جو حسین آفندی خفاف زادہ کے تلامیذ سے تھے خط نسخ مین یہ قرآن شریف
۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ء) میں لکھا تھا، مصطفیٰ جو جہانگیری کے نام سے مشہور تھے، انھوں نے طلاکاری و نقوش اس میں کئے تھے لوح
اول کے دونوں مرصع و نقوش کے وسط میں ایک ورق ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ ہے، سطر ۱۵
اوراق ۴۰۰ ہیں،

نمبر ۹۶، سلیمان الوہبی، العادی جو ابراہیم شوقی من خلفاء اسماعیل الزہدی کے تلامذہ سے ہیں انھوں نے
اس قرآن شریف کو ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) میں خط نسخ میں لکھا تھا، مطلا، مذہب، منقش ہے، دعائے ختم قرآن اخیر میں ہے
سطر ۱۵، اوراق ۴۴۴ ہیں،

نمبر۹۶، خط نسخ میں احمد المعروف بناظمی، ساکن غلطہ نے ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰ء میں اس قرآن پاک کو لکھا ہے، مطلا ومذہب ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۲ ہیں،

قارئین کرام! آپ کو تعجب ہوگا کہ کاتب مذکور کا یہ ۸۳ واں قرآن ہے، اس نے اس کے قبل ۸۲ قرآن شریف کے مکمل نسخے لکھے ہیں، سبحان اللہ کیسے اگلے لوگ تھے، اللھم اغفرلہ،

نمبر۹۷، سید عبداللہ المعروف بالامام جو حافظ عثمان کے شاگردوں میں سے ہیں، انھوں نے ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء میں اس قرآن پاک کو خط نسخ میں لکھا ہے، عبداللہ مصطفےٰ نے اس قرآن کو مرصع و منقش کیا، سطر ۱۵، اوراق ۳۴۸ ہیں،

نمبر۹۹، احمد اللہ المعروف بابن الشیخ نے نسخ میں اس قرآن کو لکھا تھا، اس کے اخیر فارسی زبان میں دعائیں ہیں، اور دعائے ختم قرآن عربی میں ہے، سطر ۱۲، اوراق ۵۵۳ ہیں،

نمبر۱۰۰، ابن علاء الدین محمد بن محمد الحسینی نے ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱ء میں، حاجی میرزا محمد باقر داوہ کے حکم سے خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا، حاشیہ اور سطروں کے نیچے فارسی تفسیر ہے اور اخیر میں دعائے ختم قرآن ہے، تمامی قرآن پاک مطلا و منقش ہے، سطر ۱۲، اوراق ۱۰۳ ہیں،

نمبر۱۰۱، سورۂ فتح اور فاتحۃ الکتاب، شاہ محمود نیشاپوری نے خط تعلیق میں ۹۶۵ھ / ۱۵۵۷ء میں لکھا تھا، منقش ومحلی بالذہب ہے، سطر ۹، اوراق ۹ ہیں، مجلد ایک ہی میں ہے،

نمبر۱۰۲، احمد قرہ حصاری، نے جو سید اسد اللہ الکرمانی کے تلامذہ میں ہیں ۹۴۳ھ / ۱۵۳۶ء میں اس سورہ انعام کو خط ثلث اور نسخ میں لکھا تھا، نہایت ہی مطلا و مرصع و مزین ہے، سطر ۱۳، اوراق ۲۱ ہیں،

نمبر۱۰۳، یاقوت مستعصمی نے خط نسخ میں اس قرآن پاک کو ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء میں لکھا ہے، اور اس میں یہ التزام کیا ہے کہ ہر صفحہ کی آخری آیت، اور دوسرے صفحہ کی اول آیت کو منقش و محلی بالذہب کیا ہے، اور اول میں ترکی عبارت ہے، جو خدیو جنت مکان محمد علی پاشا کی تاریخ ولادت نواسۂ مصطفےٰ فاضل پاشا ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء پر متضمن ہے، سطر ۱۵، اوراق ۳۰۳ ہیں،

نمبر ۴۔ سورۃ فاتحہ، انعام، کہف، سبا اور سورۃ فاطر سوائے اخیر کی دو آیتوں کے خط نسخ میں یاقوت مستعصمی نے لکھا ہے، یہ منقش و مذہب ہے سطر ۹، اوراق ۵۰ ہیں،

حضرات ذیبہ دونسخوں کا اور اضافہ یاقوت مستعصمی کے خط میں ہوا تو اب مجموعہ آٹھ نسخے میرے مضمون میں آگئے

دولت عثمانیہ کے مصاحف مکتوبہ میں جو مصطفےٰ پاشا فاضل کے کتب خانہ میں تھے، ان میں ایک نسخہ نہایت ہی دلچسپ ہے، جو ملا علی قاری کے دست خاص کا ہے، اس نسخے سے پتہ چلتا ہے کہ ملا علی قاری صرف فاضل و محدث ہی نہ تھے، بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے، مسٹر براکلمن نے اپنی جرمن فہرست میں علامہ موصوف کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۱۰۰ بتائی تھی، ان کی تصانیف زیادہ تر حدیث میں ہیں، علامہ موصوف کو اس قدر دماغی کاموں کے علاوہ قرآن پاک کے لکھنے کا بھی شوق تھا اور اسے وہ سعادت دارین تصور فرماتے تھے،

علامہ موصوف کا پورا نام علی بن سلطان محمد القاری الہروی تھا، ۱۰ صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوئے اور ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں آپ کا انتقال ہوا،

نمبر ۵۔ ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ء) میں علامہ موصوف نے خط نسخ میں اس قرآن پاک کو لکھا ہے، منقش و محلی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق ۴۱۲ ہیں، اخیر میں دعا ختم قرآن ہے،

نمبر ۶۔ ۱۳ ویں پارہ کا ربع، عبد اللہ بن محمد بن محمود ہمدانی نے ملک ناصر محمد کے حکم سے ۷۱۳ھ (۱۳۱۴ء) میں خط ثلث میں لکھا ہے اور تمام لکھائی سونے کی ہے اور نہایت ہی مطلا، مذہب اور مرصع و منقش ہے، ۷۲۶ھ (۱۳۲۵ء) میں امیر سیف الدین بکتمر بن عبد اللہ ساقی نے اسے وقف کیا، یہ ربع پارہ بھی دولت ممالیک بحریہ کا ایک بیش بہا جوہر تھا، سطر ۵، اوراق ۳۶ ہیں،

نمبر ۷۔ تیسرا، پانچواں، آٹھواں، نواں، گیارہواں، اٹھائیسواں، اور انتیسواں، یہ سات پارے احمد صنعانی نے خط ثلث اور نسخ میں ملک ظاہر ابو سعید کے مدرسہ میں لکھا ہے، اور [illegible] میں کتابت تمام ہوئی ہے، نہایت ہی محلی بالذہب ہے، سطر ۱۱، اوراق علی الترتیب [illegible] ہیں،

ذیل میں خدیو مصر کے کتب خانہ کے قرآن کے کاتبوں کی فہرست مرتب کیگئی ہے جو اعلیٰ درجہ کے کاتب تھے اور اس فہرست میں نوعیتِ تحریر و سنہ کتابت کو بھی بیان کیا گیا ہے، معارف کے قارئین کرام اسکے لیے تذکرہ خوشنویسان میں ۱۰۶ کاتبوں کا اضافہ ہوجائے گا، جو صاحب علم مکمل طور پر خوشنویسوں کی لائیف لکھنے پر آمادہ ہوجائیں گے، ان کے لیے کم سے کم ۱۰۶ کاتبوں کی فہرست آسانی سے مل جائے گی جن میں ۸۰ تو نسخ میں ۱۱ اور ۱۴ ثلث میں، دو تعلیق میں تین خط مغربی اور ایک کوفی میں، اور بقیہ خط ستا میں اعلیٰ درجہ کے ماہر تھے،

سنہ کتابت	نوعیت تحریر	کاتبوں کے نام
۳۰۸ھ ۹۲۰ء،	نسخ	(۱) علی محمد بن مقلہ،
۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء،	"	(۲) مسعود بن محمد الکاتب اصفہانی،
۵۹۹ھ ۱۲۰۲ء،	"	(۳) عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی الفتح،
۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء،	"	(۴) مسعود بن محمد ابن مسعود الحفاظ اصفہانی
۶۹۰ھ ۱۲۹۱ء،	"	(۵) یاقوت مستعصمی (دو قرآن مع تاریخ اور ایک بلا تاریخ)

اس کاتب کے ۵ تحریرات ایک تو بانکی پور پبلک لائبریری کا قرآن دوسرا احتشام الدولہ مدراس لائبریری کا قرآن تیسرا قرآن ۶۹۶ھ ۱۲۹۶ء نصف اول واجد حسین کتب فروش لکھنؤ، نصف آخر عبد الحسین لکھنؤ، اور اسکی تحریر دیوان حادرہ رامپور لائبریری، اور دیوان علی کا کچھ حصہ حیدرآباد دکن منشی سید علی حسین مرحوم کے کتبخانہ میں اور ۵ قرآن یورپ کے کتب خانوں میں مندرج ہیں، اس کاتب کا نام جمال الدین یاقوت رومی المستعصمی، یا عبد اللہ المستعصمی ابو الدر ہے، ۶۹۸ھ ۱۲۹۸ء میں اسکی وفات ہے،

سنہ کتابت	نوعیت تحریر	کاتبوں کے نام
۷۳۳ھ ۱۳۳۳ء	"	(۶) احمد بن محمد بن کمال الانصاری (قاہرہ)
[illegible]	"	(۷) ابن خلیل بن محمد بن عبد الرحمٰن الحنفی،

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنِ کتابت
(۸) علی بن محمد المکتب الاشرفی	نسخ	۷۶۴ھ ۱۳۶۲ء
(۹) محمد المکتب الشہابی	"	۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء
(۱۰) عبد الشافعی،	"	۷۴۰ھ ۱۳۳۹ء
(۱۱) حسن بن قاسم جعفری،	"	۷۲۲ھ ۱۳۲۲ء
(۱۲) موسیٰ بن محمد بن حسن التنوخی، مالکی، اشرفی (قاہرہ)	"	۷۷۶ھ ۱۳۷۴
(۱۳) مبارک شاہ	"	؟
(۱۴) عبد الرحمٰن بن صایغ (متن قرآن شریف اس کاتب کا ہے)		۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء
(۱۵) احمد اصفہانی	"	۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء
(۱۶) موسیٰ بن اسمٰعیل الکنانی الحنفی المعروف بالجیبنی	"	۸۲۰ھ ۱۴۱۷ء
(۱۷) جانم سیفی جانی بیگ (ابی النصر ملک الاشرف کا زمانہ)	"	—
(۱۸) سعد الحافظ السرای	"	۸۵۹ھ ۱۴۵۵ء
(۱۹) ابراہیم بن احمد بن عثمان الرقی،	"	۸۳۰ھ ۱۴۲۶ء
(۲۰) خطاب بن عمر الدنجاوی،	"	۸۸۹ھ ۱۴۸۴ء
(۲۱) احمد بن علی الفیومی،	"	۹۰۸ھ ۱۵۰۲ء
(۲۲) عبد اللہ بن جاح البرادی،	"	۸۴۳ھ ۱۴۳۹ء
(۲۳) ملوک کرتبائی بن اقبائی تلمیذ محمد بن علی السہیلی	"	۸۶۹ھ ۱۴۶۴ء
(۲۴) علی بن اخی قاسم بن رستم الرفاعی،	"	۸۸۵ھ ۱۴۸۰ء
(۲۵) احمد بن جلال الدین الحافظ الاصفہانی	"	[illegible]

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر		سنہ کتابت
(۲۶) مبارک شاہ بن حاتم،	نسخ		سنہ ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء
(۲۷) عبداللہ بن نصر اللہ	〃		سنہ ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء
(۲۸) محمد بن احمد خلیلی التبریزی	〃		سنہ ۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء
(۲۹) قطب الدین،	〃		؟
(۳۰) محمود فتح اللہ بن حافظ محمد حسین لاہوری (دو قرآن اسکے قلم کے ہیں)			سنہ ۹۰۶ھ / ۱۴۹۵ء
(۳۱) بہاء الدین محمد بن الشیخ ابی الفضل لاہیجانی	〃		سنہ ۱۱۹۴ھ / ۱۶۸۲ء
(۳۲) عبدالقادر بن عیسیٰ،	〃		سنہ ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۲ء
(۳۳) حبیب الداعی، از تلامیذ حسن الرشدی (دو قرآن لکھا ہے)		سنہ ۱۱۸۵ھ	سنہ ۱۱۸۸ھ
(۳۴) احمد العطائی، از تلامیذ اسمعیل وہبی آفندی،	〃		سنہ 〃
(۳۵) محمد سعید المعروف بمصری، از تلامیذ احمد الشکری	〃		سنہ 〃
(۳۶) مصطفی بردی، از تلامیذ محمد نوری،	〃		سنہ 〃
(۳۷) عبدالرحمن السعید، یا قوتی،	〃		سنہ 〃
(۳۸) احمد الشکری مصری، از تلامیذ محمد نوری،	〃		سنہ 〃
(۳۹) اسمعیل الظہوری،	〃		سنہ 〃
(۴۰) مصطفی النجیب،	〃		سنہ 〃
(۴۱) احمد ابی العز الاحمدی الشافعی	〃		سنہ ۱۱۵۸ھ
(۴۲) محمد بن تمام،			؟
(۴۳) حاجی اسمعیل بن ابراہیم اسطوفی،	〃		۱۰۶۲ء

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۴۴) غیاث الدین محمد بن احمد خلیلی التبریزی	نسخ	۹۷۷ھ
(۴۵) ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی	”	۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء
(۴۶) اسمٰعیل بیاری زادہ از تلامیذ حسین آفندی المعروف بخفاف زادہ،		۱۱۶۶ھ
(۴۷) حافظ عثمان،	”	۱۰۳۸ھ
(۴۸) احمد المعروف بنا یلی، ساکن غلطہ،	”	۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰ء
(۴۹) عبداللہ المعروف بامام، از تلامیذ حافظ عثمان	”	۱۱۱۸ھ
(۵۰) حمد اللہ المعروف بابن الشیخ (اس کے دو قرآن ہیں، تاریخ نہیں،		؟
(۵۱) سید حافظ عثمان المعروف بقایش زادہ،	”	۱۱۷۳ھ
(۵۲) حافظ احمد،	”	۱۰۹۳ھ
(۵۳) علاء الدین محمد بن محمد حسینی	”	۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء
(۵۴) سید مصطفیٰ الملقب بالزہدی، ابن محمد آفندی، ابن حاجی مصطفیٰ،		۱۱۹۸ھ
(۵۵) حافظ یوسف، کاتب السرای العامرہ،	”	”
(۵۶) درویش علی،	”	۱۰۸۹ھ
(۵۷) احمد القرۂ حصاری، از تلامیذ اسد اللہ الکرمانی،	”	۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء
(۵۸) علی بن اخی بن رستم الرفاعی،	ثلث	۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء
(۵۹) علی بن احمد بن امیر علی بن لاچین البہائی	”	۹۰۳ھ / ۱۴۹۷ء
(۶۰) محمد علی الامام	”	؟
(۶۱) احمد اصفہانی	”	۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنۂ کتابت
(۷۲) عبداللہ بن نصر اللہ	ثلث	۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء
(۷۳) یحییٰ بن الحسن بن احمد القاضی القرشی العراقی	"	۷۵۸ھ / ۱۳۵۶ء
(۷۴) عبداللہ بن محمد بن محمود، ہمدانی،	"	۷۱۴ھ / ۱۳۱۴ء
(۷۵) احمد بن محمود الدمشقی	"	۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء
(۷۶) احمد القرہ حصاری، از تلامیذ اسد اللہ الکرمانی،	"	۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء
(۷۷) محمود بن حسین بن علی النخجوانی،	"	۷۶۲ھ / ۱۳۶۰ء
(۷۸) وہبی،	"	۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء
(۷۹) خیرت آفندی،	"	؟
(۸۰) ابراہیم خلیل المعروف بانشکشی،	"	۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
(۸۱) محمد بن کزل العیسادی،	نسخ	؟
(۸۲) ابن عبد السمیع محمد امین التبریزی،	"	۱۰۷۰ھ / ۱۶۶۰ء
(۸۳) سید حافظ عثمان رشدی بن خلیل، از تلامیذ محمود راسم،	"	۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء
(۸۴) حافظ احمد، المعروف شاملی زادہ	"	۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
(۸۵) حافظ اسمعیل حقی، از تلامیذ سید محمد حلمی،	"	۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء
(۸۶) حافظ برہان الدین، المعروف تاجر حافظ زادہ،	"	۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء
(۸۷) سید محمد حمدی، از تلامیذ ابی بکر وصفی،	"	۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۸ء
(۸۸) احمد خلوصی ابن حاجی خلیل، از تلامیذ ابراہیم ادہمی الحمائے	"	۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء
(۸۹) عبداللہ الراسخ، از تلامیذ عبداللہ الصدقی	"	۱۲۴۴ھ / [illegible]

کاتبوں کے نام	نوعیت تحریر	سنہ کتابت
(۸۰) سید سلیمان النطقی، از تلامیذ امام زادہ،	"	سنہ ۱۲۱۵
(۸۱) شیخ صالح	"	سنہ ۱۲۳۶
(۸۲) سلیمان بیساری،	"	سنہ ۱۲۸۵
(۸۳) علی الحلمی، از تلامیذ حافظ اسمعیل،	"	سنہ ۱۲۸۶
(۸۴) محمد سعیدی ابن اسمعیل حامدی،	"	سنہ ۱۲۸۴
(۸۵) شیخ مصطفےٰ القیسی، از تلامیذ حسن بن محمد الجورمی	"	سنہ ۱۲۳۲ھ
(۸۶) سید عبداللہ الزہدی،	"	سنہ ۱۲۶۶
(۸۷) سید صالح، المعروف بجشیر،	"	سنہ ۱۲۱۱
(۸۸) سلیمان الوہبی القادری، الاشرفی، از تلامیذ ابراہیم شوقی،	"	سنہ ۱۲۴۴
(۸۹) محمد عطاء اللہ، المعروف بعرب زادہ،	نستعلیق	سنہ ۱۲۸۶
(۹۰) شاہ محمود نیشاپوری،	"	سنہ ۶۵۶ھ ۱۵۵۷ء
(۹۱) محمد حمدی بکوتاہی، المعروف بحافظ الکتب از تلامیذ سید عثمان المعروف بدالمو	نسخ	سنہ ۱۲۴۶ھ
(۹۲) سید حافظ محمد راشد المعروف تربت دار حضرت خالد بن زید ابی ایوب الانصاری،		سنہ ۱۲۶۵ھ
(۹۳) سید عبداللہ،	"	؟
(۹۴) محمد امین المعروف بعزتی،	"	سنہ ۱۲۰۰ھ
(۹۵) سید صالح صلاحی	"	سنہ ۱۲۰۳
(۹۶) محمد بن عمر الطنبوبی الشافعی،	نسخ	سنہ ۱۲۴۷ھ ۱۸۳۱ء
(۹۷) ابوالحسن بن ابی طاہر	معمولی	سنہ ۶۱۹ھ ۱۲۰۷ء

سنہ کتابت	نوعیت تحریر	کاتبوں کے نام
سنہ ۱۲۸۶ھ	معمولی،	(۹۸) محمد ابی الخیر المقری ابن صالح السواق،
سنہ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۶۷ء	"	(۹۹) عبدالکریم بن احمد طلوسی،
سنہ ۹۲۵ھ	"	(۱۰۰) مصطفےٰ بن محمد (قسطنطنیہ)
سنہ ۱۲۷۱ھ	"	(۱۰۱) محمد الاجہوری،
سنہ ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء	مغربی	(۱۰۲) یونس بن محمد اندلسی،
؟	"	(۱۰۳) محمد ادلاف،
؟	"	(۱۰۴) مبارک بن محمد کوری،
؟	کوفی	(۱۰۵) امام جعفر صادق (المتوفی سنہ ۱۴۸ھ / ۷۶۵ء)

سیاست مدن

(بسلسلۂ گذشتہ)

ازمولوی عبدالباسط صاحب بچھرایونی،

سیاست مدن | سیاست مدن تمدنی منزل مین حکمت عملی کے اس حصہ کو کہتے ہین جو ایک قوم ایک شہر یا ایک ملک کے باہمی تعلقات کے حفظان کے متعلق ان اصول سے بحث کرتا ہے جس سے تمام افراد مین طریقۂ عدالت جاری وساری رہتا ہے اور جسکی وجہ سے تمام افراد ترقی اور بہبودی کی طرف مائل ہوتے ہین،

ضروریات زندگی مین تعاون وتعامل کا لازم ہونا بیان کیا جاچکا ہے، فطرت نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اسلیے سوسائٹی مین ہر اعلیٰ وادنیٰ شخص پورا آزاد اور خود مختار ہے لیکن بعض اوقات اعلیٰ شخص ادنیٰ پر بے جا دباؤ ڈالتا ہے اور اسکی آزادی مین مخل ہوتا ہے اسلیے یہ ضرورت پیش آئی کہ ابنائے جنس ایک دوسرے کی ایذا رسانی سے محفوظ رہین اور ہر شخص سوسائٹی میں اپنے اپنے مراتب کے مطابق عمل کرتا رہے اور اگر کوئی ایسا کام کرے جس سے سوسائٹی کو نقصان پہنچے تو اس کو سزا دیجائے تاکہ آیندہ اس کو تنبیہ اور دیگر افراد کو عبرت حاصل ہو،

تمدن کی ابتدائی حالت مین تمام سوسائٹی کو یہ اختیار تھا کہ جب سوسائٹی کے کسی ممبر سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سب ملکر اس کیلئے سزا تجویز کر دیتے تھے، جرائم اور مجرمونکی نوعیت کے لحاظ سے مختلف سزائین تجویز کیجاتی تھین اور اسی کے مطابق ان کو فیصلہ سنا دیا جاتا تھا، رفتہ رفتہ ان مختلف فیصلون نے قانونی صورت اختیار کرلی اور سوسائٹی کے اختیارات کا نام جو لوگون مین قاعدۂ عدالت قائم رکھین اور

جو فرد اس قاعدہ کی خلاف ورزی کرے اس کو سزا دین سیاست کہلانے لگا،

شروع مین ہر مقدمہ مین سوسائٹی کے ہر فرد کو رائے دینے کا استحقاق یکسان تھا اور ہر ممبر کو یہ حق تھا کہ وہ قانون وضع کرے اور اسکا نفاذ کرے گویا اس مین ایک جمہوری سلطنت کی سی شان تھی، لیکن جب تمدن سوسائٹی مین ترقی ہوئی اور افراد مین ان کے حالات اور مذاق کے اعتبار سے کام تقسیم ہوئے تو ایک مقدمہ کے لیے تمام افراد کا جمع ہونا نہ صرف ان کے ذاتی کامون مین بھی حارج ہوا، بلکہ ایک طرح محال ہو گیا، اسلئے انفصالِ مقدمات کے اختیارات ایک شخص واحد کو دیدیئے گئے، اور اس کا نام قاضی یا منصف ہوا، لیکن قوانین سازی سوسائٹی کے ہاتھ مین رہی، منصف کا کام ان منضبط قوانین قوم کے مطابق مجرمون کو سزا دینا قرار پایا، ساتھ ہی ساتھ اسکی ضرورت بھی پیش آئی کہ اس سوسائٹی، شہر یا ملک کی حفاظت بیرونی حملون سے کیجائے تاکہ امن قائم رہے، اس لیے قیام افواج ضروری ہوا، جماعت مین سے چند اشخاص جو اس کام کے لیے موزون و مناسب تھے فوج مین بھرتی کئے گئے، اور ان کا جداگانہ قانون بنایا گیا، صلح و جنگ کا اختیار اور اس فوج کی عنانِ حکومت ایک خاص شخص کے سپرد کیگئی تاکہ وہ صرف انہین امور پر اپنا وقت صرف کرے، اس کو اندرونی اور بیرونی نقصانات کی تلافی کے تمام اختیارات دیئے گئے اور اس کا نام حاکم یا بادشاہ ہوا،

اب فوج کے لیے جو بجز محافظتِ قوم اور کوئی کام انجام نہین دیسکتی تھی یا حاکم وقت کے لیے اخراجات کی ضرورت لاحق ہوئی چونکہ وہ اپنے لیے جداگانہ اکتسابِ معاش سے قاصر تھے اس لیے تمام سوسائٹی کے ذمہ ایک محدود رقم مقرر کیگئی اور اس کا نام ٹیکس یا خراج ہوا، اس ٹیکس کی آمدنی کچھ عدالت اور افواج کے اخراجات مین صرف ہوتی تھی اور کچھ حسب ضرورت بادشاہ کے صرف مین آتی تھی،

عوام الناس بادشاہ وقت کی عزت کرتے تھے اور اس کے احکام کی تعمیل، لیکن اگر وہ خلاف

قانون کوئی حکم کرتا تھا تو سوسائٹی کے ہر فرد کو اس کو متنبہ کرنے کا حق ہوتا تھا،

جنگ کے موقع پر بادشاہ کے سپرد تمام انتظامات ہوتے تھے اور امن و صلح کے زمانہ مین اسکی حیثیت دیگر رؤسائے شہر کے برابر ہوتی تھی، باقی سلطنت کا نظم و نسق رعایا یا کونسل کی صلاح اور مشورے سے انجام پاتا تھا، لیکن بادشاہ کا اقتدار زیادہ ہوتا تھا، اور اس کا ادب رعایا پر فرض تھا، اسی طرح تمدن نے ترقی کرتے کرتے سلطنت قائم کر لی، لیکن یہ سلطنت جمہوری سلطنت تھی جس مین بادشاہ یا حاکم کا انتخاب سوسائٹی یا رعایا کی رائے سے ہوتا تھا، قیام سلطنت کے بعد ہر فرد مجرم کو سزا دینے کا حق نہین رہا بلکہ وہ بجائے خود سزا دینے کے عدالت سے سزا دلا سکتا تھا،

مطلق العنانی یا غیر متمدن حالت مین اگرچہ ہر فرد کے اختیارات وسیع تھے لیکن اس آزادی کا فائدہ مفقود تھا اور اس آزاد زندگی مین کوئی بھی اپنی حفاظت خود نہین کر سکتا تھا، اس وقت نہ تو کوئی قاعدہ و قانون تھا جو سب کے لیے یکسان ہو اور نہ جائز ناجائز کا کوئی معیار تھا بلکہ ایک ہی نوعیت کے مقدمات کے فیصلے مختلف طرائق سے ہوتے تھے اور اکثر مین طرفداری اور رعایات مدنظر رکھی جاتی تھین، دوسرے کوئی ایک شخص مسلمہ طور پر منصف نہ تھا بلکہ ہر شخص خود ہی واضعِ قانون بھی ہوتا تھا اور خود ہی قانون نافذ کرتا تھا اور اکثر خود غرضی کی بنا پر انصاف دشوار ہوتا تھا،

جب سلطنت جمہوری قائم ہوئی اور اس نے امن عامہ کو قائم کیا قوانین وضع کئے اور ان کے مطابق حکمرانی کی اور سوسائٹی مین نصفت اور عدالت قائم کی اور ملک و سوسائٹی کو اندرونی اور بیرونی حملون سے محفوظ رکھا،

چونکہ قوانین کے وضع کرنے کا اختیار سوسائٹی کے ہر فرد کو تھا اسلیے اس مین بھی وہی دقت ہوئی کہ ہر شخص اس کو انجام نہ دیسکا اسلیے کل قوم نے اپنے سربرآوردہ اشخاص کو اپنی طرف سے اس کام کیلئے منتخب کر دیا جو عقل اور دانش اور علم و لیاقت میں دوسروں سے ممتاز تھے، اور سب نے اس کو تسلیم کر لیا کہ

ان کے وضع کردہ قوانین پر ہر شخص عمل پیرا ہوگا اور کسی کو اختلاف نہ ہوگا، اس مجلس کو واضع قوانین یا لیجسلیٹیو کونسل کے نام سے موسوم کیا، یہ وہ جماعت ہوتی ہے کہ جب اوسکو ذی اختیار بنا دیا جاتا ہے تو تمام افراد قوم پر اس کے وضع کردہ قوانین کی اطاعت فرض ہو جاتی ہے، اس مین شک نہین کہ مقنن کے اختیارات سب سے زیادہ ہوتے ہین لیکن وہ قانون بنانے مین بالکل خود مختار نہین ہوتا بلکہ اسکو امور ذیل کا پابند ہونا لازمی ہے،

اول وہ اس امر کا خیال رکھے کہ وہ ایسے قوانین وضع کرے جن سے قوم وملک کی حالت درست ہو اور وہ خلاف فطرت نہ ہون بلکہ ہر ایک مین قوم کی فلاح وبہبودی متصور ہو،

دوسرے وہ ایسے قوانین منضبط کرے جو ہر شخص کے لیے یکسان حکم رکھتے ہون، افراط وتفریط سے بری اور عدل وانصاف پر مبنی ہون،

تیسرے ان قوانین مین خلائق کے جان ومال کی حفاظت مدنظر ہو اور ٹیکس یا خراج کا مقرر کرنا بغیر استفسار رائے قوم بے حد و بے حساب نہ ہو،

چوتھے وہ قوانین ایسے منضبط ہون کہ وہ مستقل ہون، اور جلد جلد تبدیل نہ ہوتے ہون،

جس شخص کے ہاتھ مین عنان حکومت ہو اس کو خاص خاص ایسے اقتدارات بھی حاصل ہونا چاہئین جو قانون مروجہ سے برتر ہون، چونکہ بعض اوقات ایسے واقعات پیش آجاتے ہین جہان مقنن کا قانون کوئی ہدایت نہین کرتا اس وقت حاکم وقت کو چاہئیے کہ وہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرے

غرض یہ سلطنت جمہوری ایسی سلطنت ہے کہ نیچرل یا فطری حالت مین جو اقتدارات واختیارات لوگون کو فرداً فرداً حاصل تھے، وہ انھون نے سوسائٹی کو دیے اور پھر سوسائٹی نے وہ ایک حکمران اور اس کے ماتحت چند افسران کو اس شرط پر دیئے کہ وہ انکی جان ومال، عزت وآبرو کی ہر طرح حفاظت کرے اور انکی بہبودی اور ترقی مین ہمیشہ کوشان رہے، لیکن اوسکو لوگونکی جان ومال پر خود مختار اختیار حاصل نہین ہوسکتا،

جب سوسائٹی تمدنی زندگی کی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے تو اس کے قوانین عدالت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتے ہیں، اور اسکی گورنمنٹ اپنے تمام افراد کی بھلائی اور بہبودی کے لیے اور تمام سوسائٹی کے انتظام کے خاطر تمدنی اصول وضع کرتی ہے اور انکو مشتہر کرتی ہے اور رعایا کو اُن پر کاربند رکھتی ہے، وضع قوانین، عدالت و سیاست، نظم و نسق، آئین مملکت اور انتظام ایک عمدہ گورنمنٹ کا فرض ہے، صلح کل، امن جوئی، معاونت و ہمدردی اور حفاظت تمدن کے معاون ہیں لیکن دشمنی، عناد، جور و ظلم اور خانہ جنگی تمدن میں رخنہ انداز ہوتے ہیں، جن سے اجزائے عالم کا مضبوط و مستحکم شیرازہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے اسلیے گورنمنٹ خرابی کی رخنہ بندی اور مظلوم و مستحقین کی حفاظت کرتی ہے،

ملک کشمیر
کے
متعلق فارسی نامون کی تصحیح،

از

جناب غلام حیدر صاحب تحصیلدار سدھولی کشمیر

اپریل سنہ کے معارف میں سلطان زین العابدین والی کشمیر کے سوانح و واقعات پر مولوی ابوالحسنات مرحوم کا ایک مضمون تاریخ فرشتہ کے حوالہ سے نکلا تھا، فارسی تاریخوں میں ہندوستان کے مقامات کے نام فارسی لہجہ میں ذرا بدل گئے ہین، کہ ہر زبان کا تلفظ اور لہجہ دوسری زبان سے الگ ہوتا ہے چونکہ مضمون مذکور مین فارسی تاریخ سے مدد لی گئی تھی، اسیلیے وہی تلفظ قائم رہا، اب خود ایک گھر کے بھیدی اس راز کو ظاہر کرتے ہین، اسیلیے ہم بھی اسکو وقف عام کرتے ہین تاکہ دوسرے اہل قلم بھی ان صحیح نامونکو جان لین

ہر ایک شخص جو کسی اجنبی ملک میں جاتا ہے، اپنی معلومات کی وسعت کے لیے اس ملک کا باشندہ یا کم از کم واقفکار بطور گائڈ یا رہنما ساتھ رکھتا ہے، رسالہ "معارف" ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء میں مولانا ابوالحسنات صاحب ندوی نے اپنے شبدیز قلم کی عنان میرے وطن کشمیر کی طرف موڑی ہے، اور اس خطۂ پاک کے سلطان زین العابدین کے متعلق در افشانی فرما کر ہم اہالیان کشمیر کو مفتخر و معزز فرمایا ہے، کیا یہ بیجا ہوگا، کہ اس سفر کے پیچیدہ پہاڑی راستوں مین یہ ہیچمیرز صاحب ممدوح الصدر کی رہنمائی یعنی گائڈ بننے کا فخر حاصل کرے، کیونکہ مین دیکھتا ہون، کہ ان سے معمولی لغزشین اس سفر مین ہوئی ہین،

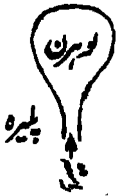
ا۔ صفحہ ۲۵۳، سطر ۴ "جسرت کھکر" در اصل "جسرتہ گکھڑ" ہے، گکھڑ ایک اصلی قوم ہے جو راولپنڈی کے حدود گرد حکمرانی کرتی رہی، اور جنھون نے محمد غوری کو قتل کیا تھا،

۲۔ صفحہ ۲۷۵، سطر ۱۷، "سیہ بت" دراصل تسمیہ بٹ ہے، کشمیری پنڈت اکثر اپنے نام کے ساتھ لقب بٹ لگاتے ہیں، مثلاً شو دہ بٹ، سری بٹ (بجائے سری بت معارف مذکور صفحہ ۲۷۵، سطر ۲) بودی بٹ (بجائے بودی بت معارف مذکور صفحہ ۲۷۴، سطر ۸)

۳۔ صفحہ ۲۷۶، سطر ۱۱ (راج ترنگنی کے متعلق) "مشتمل تھی" نہین بلکہ "ہے" اب یہ کتاب چھپ چکی ہے، بڑی ضخیم اور پراز معلومات کتاب ہے،

۴۔ صفحہ ۲۷۶، سطر ۱۵، "اولر" تالاب نہین بلکہ کشمیر کی سب سے بڑی جھیل ہے، اس کا درمیانی قطر کم از کم تین میل ہوگا، اور بجائے "اولر" کے "ولر" درست ہے،

۵۔ صفحہ ۲۷۷، سطر ۱ "لوہرکوٹ" اس زمانے کا نام تھا، بعد مین لوہرن کہنے لگے آج کل لوہرن کہتے مین، ریاست پونچھ کشمیر کے شمال مشرقی کونے مین ایک بڑا بھاری گاؤن ہے، اس زمانے مین ریاست کشمیر کا دارالخلافہ موسم گرما کا تھا، یہان بڑا بھاری قلعہ تھا جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہین، یہ قلعہ چتوڑ کے قلعہ سے کچھ کم مضبوط نہ ہوگا، اس گاؤں کے پشت یعنی شمال مشرق کی طرف ناقابل گذر رفیع الشان پہاڑ ہے، سامنے ایک تنگ درہ جو بمشکل ایک ایک سوار کے گذرنے کے قابل ہے، دستی نقشہ ملاحظہ ہو،



پلیرہ کے مقام پر اگر پانچسو جوان مسلح آج بھی رکھے جادین تو راستہ بالکل ناقابل گذر اور قلعہ بالکل محفوظ ہوتا ہے،

۶۔ صفحہ ۲۷۷، سطر ۱۲، "موضع پنچھ" نہیں بلکہ پونچھ اس زمانے مین کشمیر کا ایک علاقہ تھا، اور اب چھوٹی سی ریاست ہے جسمین قریبًا سات لاکھ باشندے رہتے ہین، سرکاری آمدنی کل ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ ہے،

موجودہ وقت میں سری راجہ سکھدیو سنگھ صاحب بہادر حکمران ہیں، جو سری راجہ صاحب راجۂ راجگان راجہ کلان بہادر راجہ دھیان سنگھ صاحب (وزیر اعظم مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب شیر پنجاب) کے پڑپوتے ہیں، ("راجہ راجگان راجہ کلان بہادر" کا خطاب راجہ دھیان سنگھ صاحب کو مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب نے بخشا تھا)

۷۔ صفحہ ۲۶، سطر ۱۰ "نیلاب" غلط ہے، لفظ "یولاب" ہے، جو سوپور سے شمال کی جانب ایک وسیع اور سرسبز علاقہ ہے،

۸۔ سلطان زین العابدین کو کشمیر کے لوگ "بڈشاہ" یعنی بڑا بادشاہ کہتے ہیں جسمانی محنت کے وقت کشمیر کے لوگ "بڈشاہ پادشاہ" کا نعرہ تبرکاً و تیمناً لگایا کرتے ہیں،

تلخیص و تبصرہ

جامع ازہر

اکتوبر کے رسالہ نائنٹینتھ سنچری میں عنوان بالا سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، گذشتہ اکتوبر سے جدید علوم وفنون کی ترویج و توسیع کے لیے ایک نیا جامعہ قائم کیا گیا ہے جو جامع ازہر اور دوسرے مدارس کے علاوہ تمام تعلیمی مرکزوں کو منظم ومرتب کرے گا،

"مصر ایک بہت بڑی حد تک اسلامی ملک ہے، الازہر اسلامی خیالات کا پرتو ہے، اسلامی ترقی کا مستقبل اسی کی آئندہ مساعی پر منحصر ہے، اس لیے یہ دیکھکر بعض مخلصین کو افسوس ہوا ہے کہ جامع ازہر کو اس جدید تنظیم میں شریک نہیں کیا گیا، مگر اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ یہ نیا جامعہ بھی اس کے لیے مفید ثابت ہو ایک گونہ تسکین ہوتی ہے،

"عہد آغاز اسلام میں بغداد، قرطبہ، قیروان، بصرہ اور کوفہ تمدن و تہذیب اور علوم وفنون کے مرکز تھے، آج یہ فخر صرف قاہرہ کو حاصل ہے" یہ ابن خلدون کے الفاظ ہیں اور اسلامی نقطۂ نظر سے اگرچہ خود ابن خلدون کی وفات کو سات سو سال ہو چکے ہیں، لیکن اب تک بالکل اسی طرح صحیح ہیں، اگر آج الازہر صرف واحد مسجدی جامعہ ہے تو وہ عرصہ سے مصر کا قدیم ترین مدرسہ بھی ہے، عرب فاتحین نے اپنے مصری دار السلطنت میں صرف ایک مسجد بنوائی تھی جس میں تمام مسلمان جمعہ کی نماز کے لیے جمع ہوتے تھے، لیکن جب آبادی مسجد عمر کی وسعت سے بڑھ گئی تو احمد بن طولون نے ۲۶۳ھ میں ایک دوسری بڑی مسجد بنوائی جو آج تک اس کے نام سے مشہور ہے، اس کے بعد لاتعداد مساجد، مکاتب اور خانقاہیں عالم وجود میں آگئیں، ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہاں لاتعداد مساجد و خانقاہیں ہیں کیونکہ ہر امیر دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتا ہے، اور مدارس و مکاتب کا تو کوئی شمار ہی نہیں

جامع ازہر مارچ ۹۷۲ء میں دنیا کی ایک عبادتگاہ کی حیثیت سے تعمیر ہوئی، اس کے پانچ سال بعد درس و تدریس کا آغاز ہوا، مقریزی کا بیان ہے کہ اس تعلیمی مرکز کا افتتاح بہت شان و شوکت سے ہوا فاطمی سلاطین کی خاص نظرِ عنایت اس طرف مبذول تھی، انھوں نے اسے سنیوں کے خلاف جو ان کے سیاسی و مذہبی حریف تھے، اس سے تبلیغی مرکز کا کام لیا، اسلیے اس میں بہترین دماغ جمع کیے گئے، اسی وجہ سے ابتدائے قیام سے یہ جامعہ ایک نہایت ہی اہم چیز رہا، خلیفہ العزیز بن المعز نے مدرسہ کے لیے بڑا کتب خانہ وقف کیا، اساتذہ و طلبہ کے وظائف مقرر کئے، مگر اس کا بیٹا حاکم بامر اللہ اس سے بھی سبقت لے گیا،

سلطان صلاح الدین کے قبضۂ مصر کے بعد الازہر کو وقتی صدمہ پہنچا تقریباً ایک صدی تک وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوئی، مسجد الحاکم، حکام کا تعلیمی مرکز بن گئی، ۱۲۶۶ء میں اس میں پھر تعلیمی زندگی کا آغاز ہوا لیکن اس کا نصب العین بدل چکا تھا، اور اب یہ سنیوں کا ایک بڑا مرکز تھا، اہلسنت والجماعہ کے چاروں فرقوں نے اپنے بہترین اساتذہ وہاں بھیجے تاکہ الازہر ایک مرتبہ پھر دنیائے اسلام کا بہترین تعلیمی مرکز بنجائے، ہر سلطان و امیر نے اس کی اعانت شروع کی، چنانچہ ۱۳۰۲ء میں جب زلزلہ سے قاہرہ کی اکثر عمارتیں منہدم ہوگئیں تو امراء نے انکی تعمیر کا کام بانٹ لیا، جب ان میں سے ایک (سالار) کو معلوم ہوا کہ الازہر کی تعمیر اس کے ذمہ ہے تو اسکی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے اپنے کام کو بہت اچھی طرح انجام دیا

زمانہ کے انقلابات کے ساتھ ہی ساتھ تمام دوسرے مدارس فنا ہوگئے اور الازہر کو مرکزیت حاصل ہوگئی، اس تعلیمی مرکزیت نے سیاسی خیالات میں بھی ایک اتحاد پیدا کردیا، اس کے شیوخ حکومت کے ارکان ہوگئے، انکی جماعت خاص اہمیت و قوت رکھتی تھی، وہ ایک لائحۂ عمل بناتے اور پھر اس کو عملی جامہ پہنا دیتے ۱۵۰۱ء میں قانصوہ الغوری کو انھیں کی تحریک نے مصر کا سلطان بنایا، جب ۲۲ جولائی ۱۷۹۸ء میں نپولین قاہرہ میں داخل ہوا تو اس نے سب سے پہلے الازہر کے شیخ اعظم سے ملاقات کی، مئی ۱۸۰۵ء میں الازہر نے اسی قوت سے کام لیا، اس نے عمرو مکرم کو معزول کرکے محمد علی کو مصر کا بادشاہ بنایا، لیکن جب گوری کی چال چل گئی ہے تھا

وہ اثر و اقتدار بھی ایک بڑی حد تک غائب ہو چکا ہے، لیکن اگر موقع ملے تو اس میں حصول قوت کی استعداد اب بھی موجود ہے،

الازہر مسیحیت کے سب سے قدیم مقدس جامعہ سے پرانا ہے، لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمانوں نے اپنی اولین کامیابی کے بعد ہی اس کی بنیاد رکھی تھی بلکہ اس کے صدیوں بعد جب اسلام چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا، یہ قائم کیا گیا، خلفائے راشدین کے سامنے تعلیم و فقہ کے اصول سے زیادہ جدید حکومت کی تنظیم کا سوال تھا، وہ سپاہی تھے علماء نہ تھے، مکاتب و مدارس بعد کی چیزیں ہیں، ان کے بعد اسلام کی رفتار ترقی میں سستی آگئی، پہلے یہ مدارس مساجد میں ہوتے، بعض لوگ اپنی تشفی کے لیے وہاں بیٹھکر گفتگو کرتے لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی، مگر باقاعدہ مدرسہ کے قیام میں ایک عرصہ لگا،

اکثر عرب مورخین کا خیال ہے کہ اولین مدرسہ جو طلبہ کے لیے مخصوص طریقہ سے قائم کیا گیا وہ نظام الملک کا بغدادی مدرسہ تھا جسکی بنیاد سنہ۱۰۶۶ء میں ڈالی گئی تھی، اس عہد کے لوگوں نے اس کے قیام پر ماتم کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ ماوراء عراق کے علماء و فضلاء نے جب یہ خبر سنی تو ان کو اس کا بہت رنج ہوا کہ آج سے حقیقی علوم و فنون کا خاتمہ ہو گیا، جامعہ ازہر کا مقصد اسلامی اصول کی مدافعت تھی اور وہ اب تک قائم ہے آج بھی جو لوگ اس سے نکلتے ہیں وہ اسلامی روایات کی مدافعت اور اس کے اصول کی تبلیغ کرتے ہیں، ان میں بعض مفتی ہیں اور انکا اثر و اقتدار بہت زیادہ ہے آخر اس اثر و اقتدار کا سبب اس کے لیے ہم کو اسلام کے بعض مخصوص حالات کا مطالعہ کرنا چاہیئے،

اسلام جمہور کا مذہب ہے اور اس میں جمہور ہی جمہور کے لیے کام کرتے ہیں، اس میں مذہبی پیشواؤں کی کوئی جماعت نہیں، خدا اور بندہ میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں، مگر بعض حیثیات سے یہ نہایت ہی الجھا ہوا مذہب ہے، یہ مذہبی اصول بھی ہے اور ملک کا قانون بھی، معاشرتی مقنن بھی ہے اور انفرادی حیات کا ضابطہ بھی، قرآن صرف مسلمانوں کی کتاب مقدس ہی نہیں بلکہ قانون اسلام کی بنا بھی ہے، پیغمبر اسلام صلعم کے

اشخاص و اقوال قانون کا مرتبہ رکھتے ہیں، اسلیے اگرچہ اس میں کوئی مذہبی جماعت نہیں ہے مگر پھر بھی اس کے فتاوی مؤثر ہیں، اس کا ہر فیصلہ خدا یا اس کے رسول کی طرف منسوب ہوتا ہے اسلیے فقہ و اصول، اسلامی تمدن کے [illegible] اس کا وسیع مطالعہ جلد ختم نہیں کیا جا سکتا اسکیلیے مدت دراز اور سخت محنت کی ضرورت ہے اور الازہر کا مقصد چونکہ اسی شے کی تکمیل ہے اس بنا پر جو شخص اس سے تعلیم پا کر نکلتا ہے وہ اسلامی تعلیم، احکام اور روایات کا محافظ ہوتا ہے، اگرچہ اس کے ہاتھوں میں عصائے شاہی نہیں ہوتا وہ کسی فوج کی کمان نہیں کرتا، اور کبھی سیاسی چال یا سازش میں نہیں پڑتا اور یہ چیزیں دوسروں کے قبضہ میں ہوتی ہیں، پھر بھی اونکی قوت غیر محدود ہے، ان کے حلقۂ اثر میں اون کا خیال قانون ہے ان کے اختیارات کو نہ تو کوئی روک سکتا ہے اور نہ کم ہی کر سکتا ہے، اگرچہ علماء کے اتنے اختیارات ہیں مگر ان کا نقطۂ نگاہ بہت تنگ ہے اور وہ ہر اُس چیز کو جو کسی نہ کسی طرح سے ان کے مذہبی خیال کے مطابق نہ ہو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے، وہ اب تک لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں، اسی لیے الازہر حقیقی معنوں میں اسلامی مدرسہ نہیں ہے وہ تو بارہویں صدی عیسوی کی پیداوار و حالات کا چربہ ہے، اور کوئی ترقی پذیر قوم آج سے چھ سو سال کے نصاب کو رٹ کر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی،

الازہر نے تمام علوم کو دو شعبوں میں تقسیم کیا ہے (۱) جو خود مستقل علوم ہیں (۲) جو واسطہ ہیں، اول الذکر میں اخلاقیات، فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ ہیں اور مؤخر الذکر میں قواعد صرف و نحو، علم معانی، عروض اور ابتدائی علم حساب داخلہ کی شرائط بھی بہت معمولی ہیں،

۱۸۹۵ء تک خدیوی حکومت نے مدرسہ کے اندرونی انتظامات میں کوئی مداخلت نہ کی لیکن اسی سال خدیو نے پانچ علماء کی ایک جماعت مقرر کی جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ مدرسہ کے موجودہ حالات کی تحقیقات کر کے اس کے متعلق اپنی سفارش پیش کرے، اس سفارش نے ۱۸۹۶ء کے قانون کی صورت اختیار کی، [illegible] میں ان قوانین میں ترمیم کی گئی مگر ان سے قدیم نصاب میں کوئی معقول تغیر نہ کیا جا سکا، الازہر کی اندرونی حالت تقریباً وہی تھی جو سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں تھی، اس کے بعد اس کے مجلس میں سرکاری [illegible]

کے لیے ایک الگ صیغہ کا اضافہ کیا گیا، مگر اس کا محکمہ بالکل الگ ہے، اور نفس مدرسہ کے عام حالات پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا،

الازہر کی قوت واثر اس کے اندرونی حالات کی بجائے بیرونی ذرائع واسباب پر مبنی ہے، اس مسجد و مدرسہ کے قریب ہی متعدد سرکاری مدارس قائم ہیں جہاں فرانسیسی زبان، تاریخ اور جغرافیہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے، مگر یہاں کے طلبہ کی تعداد الازہر سے ہمیشہ بہت کم رہتی ہے مگر یہ واقعہ کہ نصاب کی سختی کے باوجود یہاں کے طلبہ موجودہ مسائلِ علوم وحالات سے اس قدر واقف ہیں اور ان میں عملی حصہ لیتے میں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی نفسی کیفیت کیا ہے اور معمولی نصابی تبدیلی ان کو کس قدر بلند کرسکتی ہے،

حکومت کی یہ کاروائی کہ اس طریقہ سے ان علماء کا اثر کم کرے، بیکار ثابت ہوگی اب تک ملک پر اسکا بہت بڑا اقتدار ہے، اور یہ وسیع جماعت اپنے کو اس آسانی سے فنا نہ ہونے دیگی یہ جنگ اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہیگی، اسلیے ان سے دشمنی مول لینے سے بہتر یہ ہے کہ انکی اصلاح وترقی کے سامان مہیا کیے جائیں اور اس طرح ملک کی سب سے بڑی جماعت کو اپنے موافق کرکے اس سے بہترین کام لیے جائیں،

اس مضمون میں بعض ایسے جملے ہیں جنسے بعض غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں، مثلاً یہ کہ، خلفائے راشدین کے سامنے تعلیم وفقہ کے اصول سے زیادہ جدید حکومت کی تنظیم کا سوال تھا وہ سپاہی تھے علماء نہ تھے، مکاتب ومدارس بعد کی چیزیں ہیں، حالانکہ خلفاء نے تنظیم حکومت کے ساتھ فقہ وحدیث کی تعلیم کی بھی اشاعت کی ہے اور متعدد اکابر صحابہ نے اپنی خدمات اس کے لیے وقف کردی ہیں، اصطلاحی معنوں میں اگرچہ اس زمانہ میں مدارس ومکاتب قائم نہ تھے، تاہم مسجدوں کے صحن تعلیم کے غلغلوں سے گونج رہے تھے،

اسی طرح اسلام کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ اس میں مذہبی پیشواؤں کی کوئی جماعت نہیں، خدا وبندہ میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں۔ دوسرا جملہ اگرچہ بالکل صحیح ہے، لیکن اس کے ساتھ اصلاحِ اخلاق، استواریٔ عقاید اور اشاعتِ تعلیم کے لیے اسلام نے علماء کی جماعت کو خاص درجہ دیا ہے، اور

...رسالت ہی میں یہ جماعت قائم ہو چکی تھی اور اب تک قائم ہے،

یہ بھی صحیح نہیں کہ پہلی اسلامی درسگاہ مدرسہ نظامیہ بغداد ہے، جیسا کہ رسائل شبلی میں ثابت کیا گیا ہے، ابن خلدون کی تاریخ وفات ۸۰۸ھ ہے، اسلئے ان کی وفات پر سات سو برس نہیں بلکہ ۵۳۰ برس گذرے ہیں،

بیشک یورپ کی مادہ پرست قوم کو اس سے الجھن ہوتی ہے، اسلام سب کچھ ہے، وہ قانون بھی ہے، معاشرت بھی ہے، تمدن بھی ہے، اور مذہب بھی ہے، لیکن

معشوق من آنست کہ نزدیک تو زشت است

یہی تو اسلام کا کمال ہے کہ وہ دین و دنیا کے ہدایات کا مجموعہ ہے اور اب تک عقل بشری اس سے بہتر ہدایت پیش نہ کر سکی، کسی مذہب کا مجموعۂ ہدایات ہونا کوئی عیب نہیں، بلکہ اوسکی تکمیلی حیثیت ہے، آج جب عیسائی مبلغین افریقہ کے صحراؤں میں تہذیب و تمدن کی اشاعت اور اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے جاتے ہیں تو ان کو اخلاق و ایمان کا حصہ انجیل سے لیکن نشست و برخاست، کھانا پینا، پہننا، اوڑھنا، بولنا چالنا غرض آداب معاشرت، لباس و پردہ پوشی، اور طریقۂ حکمرانی کا سبق باہر سے لانا پڑتا ہے اور یورپ کی نقالی ان کو سکھائی جاتی ہے، لیکن مسلمان مبلغ صرف قرآن پاک لیکر جاتا ہے اور وہی ان کو سپرد کر آتا ہے اور وہی انکو سب کچھ سکھا دیتا ہے، اور وہ ان کی برابر مین انکا دائمی اور مستقل معلم ہو جاتا ہے،

تصوف اسلام

اسلامی تصوف کا عطر، قدما صوفیہ کے حالات اور انکی تصانیف پر تبصرہ، مؤلفہ مولوی عبدالماجد صاحب بی اے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۲۰۰ صفحہ قیمت عمر

"منیجر"

اخبار علمیہ

مقبرۂ فرعون، مسٹر ہاورڈ کارٹر کو جو فرعون مصر توتن خمین کے مقبرہ کی تحقیقات اور دریافت کے سلسلہ مین مشہور عالم ہو چکے ہین، مقبرہ مین ایک گھڑا ملا ہے جس کے تمام رنگ علی حالہ تازہ تھے کیمیاوی محققین اون کے اجزاء کی دریافت مین مشغول و مصروف ہین،

سب سے چوڑی سرنگ، فلارنس جھیل کی سرنگ دنیا کی سب سے زیادہ چوڑی سرنگ ہے، اور پتھر کو کاٹ کر بنائی گئی ہے یہ کیلیفورنیا کے شہر فرنسو سے تقریباً ایک سو میل شمال مشرق مین واقع ہے، اسکی لنبائی ۰۰۰ ۴۲، ۲ فٹ ہے،

ایک چھوٹا سا ستارہ، آسمان پر ایک چھوٹا سا ستارہ میرا (Mira) ہے جو صرف ٹمٹماتا ہوا نظر آتا ہے برسون کی کوششون کے بعد اب اسکی پیمائش مین کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ ۰۰۰۰۰۰ ۷۲ میل مربع ہے اب دنیا کی پیمائش کو لیجئے ڈاکٹر ہیفورڈ (Dr. HAY FORD) نے حال ہی مین خط استوا سے دنیا کو ناپا ہے اور ان کے خیال مین وہ ۱۹۶۹۴۹۵۰ مربع میل ہے مجلس محققین عالم نے بھی اسکو صحیح تسلیم کر لیا ہے اسلیے اب اس کے معنی یہ ہوئے کہ میرا ہماری دنیا سے ۰۰۰ ۳ گنی زیادہ بڑا ہے،

انسان پر ماحول کا اثر، پروفیسر ایم ٹرمنٹ کا بیان ہے کہ انسان ... [illegible]
[illegible]

بھی انھین حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے، ہوائی جہاز کی کثرت نے شوق پرواز مین اضافہ کردیا ہو، عنقریب ایسے بازو نکلنے والے ہین جنکو لگا کر انسان تنہا پرندون کی طرح اڑ سکے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کے بازو رفتہ رفتہ پرندون کے بازوؤن کی صورت اختیار کرتے جائینگے اور کچھ عرصہ کے بعد وہ چمگادڑ کی طرح بازو والے بڑے جانور بنجائینگے، ڈاکٹر موصوف کا یہ بھی بیان ہے کہ اس تبدیلی سے عورت جلد تر متاثر ہوگی، تو کیا پھر پریون کا افسانہ کہن حقیقت امروزہ بنجائے گا،

زہریلی مچھلی، محققین نے پتہ چلایا ہے کہ جزائر فلپائن مین ایک قسم کی زہریلی مچھلی بھی ہوتی ہے، وہ کاٹتی یا ڈنگ تو نہین مارتی مگر اس کا گوشت زہرآلود ہوتا ہے، منیلا مین متعدد موتین ہوئین اور ڈاکٹر البرٹ ہرسے نے تحقیقات کرکے اس کا پتہ چلایا تو یہی مچھلی ثابت ہوئی، چنانچہ اس کے کھانے کے متعلق امتناعی احکام نافذ کردیئے گئے ہین،

امریکہ کی فطری قوتین، امریکہ کے باشندے فطرت کی ہر عطا کردہ قوت سے پورا پورا کام لینا جانتے ہین، نیگرا کے آبشار سے جو عظیم الشان کام وہ لے رہے ہین اس سے تمام دنیا واقف ہے، اُس سے سب سے زیادہ سستی اور بڑی مقدار مین بجلی پیدا ہوتی ہے، اب وہ کلیفورنیا کے وادیٔ اسکندر کی فطری قوت کی طرف متوجہ ہوئے ہین یہان زمین سے خودبخود بہت بلند فوارے نکلتے ہین اور ان سے ہروقت بھاپ تیار ہوتی رہتی ہے، اس کے علاوہ اس قسم کی دوسری قوتین بھی ریاستہائے متحدہ امریکہ مین موجود ہین،

شعبۂ طباعت مین انقلاب، عنقریب شعبۂ طباعت مین بھی ایک انقلاب ہونے والا ہے، لوہے کے حروف اور چھاپے بیکار ہوجائینگے، ایک کاغذ پر حروف نقوش تصاویر وغیرہ کا فوٹو لے لیا جائیگا اور اسی کے ذریعہ طباعت ہوگی، ماہرین کا دعویٰ ہو کہ یہ ایجاد دو سال کے اندر طباعت مین انقلاب عظیم پیدا کردے گی،

ادبیات

"باباطاہر عُریان"

از

پروفیسر محمد اکبر منیر، ملتان کالج

باباطاہر ہمدانی، مشہور رباعی گو صوفی شاعر ہیں، جن کی رباعی فارسی زبان کے گری بول چال میں ہے، ہمارے دوست پروفیسر منیر نے اپنی سیاحت ایران کے زمانہ میں ہمدان میں خود باباطاہر کے مزار پر بیٹھکر یہ نظم انھی کی زبان کے تتبع میں لکھی،

"معارف"

فلک روشن زخورشید و قمر بی، زمیں از مردم صاحب ہنر بی[1]
درود حق بروح پاک شاں باد کہ فیض روح شاں در بحر و بر بی
چو شمع بزم خاموش اند و سوزاں جہاں از نور شاں قرص قمر بی
چو دریا پاک و ناپیدا کنارند چہ دریائے کہ دائم پر گہر بی
نگویم رخت بربستند و رفتند چو نام نیک قائم چوں خضر بی

من از ارواح پاکان فیض جویم
زنور شاں روانم پر شرر بی

[1] [illegible]

بسے بشنیدم و خواندم ز نامت — که نامت در جہاں چوں ماہ و خور بی
شنیدم مسکنت بودہ است الوند[1] — ہمانا کوہ را کو ہے ببر بی
چو کہساراں ہمی "عریان" بماندی — ازاں در زیر پایت سیم و زر بی
لباسِ عالمِ خاکی نپوشد — کسے کو را بہشتے در نظر بی
چو عریاں بودہ "طاہر" بماندی — کہ طاہر از لباسے بے خبر بی
لباس آدمیت بُد لباست — طبیعت از صناعت در حذر بی
غلامِ ہمت آن پاکبازم — کہ از ناپاکیِ عالم بدر بی

چو خورشید جہاں آرا کہ ہموار
زپاکی افسر تاباں بسر بی ÷

دگر عالم طبیعت ناشناس است — ہمانا پر ز خلق کور و کر بی
چہ فتنہ ہا کہ سر زد از اروپا — جہاں زیں فتنہ ہا اندر خطر بی،
بماندہ شرقیاں را پائی در گل — درخت شرقیاں بے برگ و بر بی
دگر انساں ز فطرت دور افتاد — حدیثِ روشن فطرت سمر بی
حدیثِ ظالم و مظلوم در دہر — حدیثِ تیغِ بُراں و سپر بی
بسے گردیدہ ام شہرو بہ شہرد[2] — ز فطرت خلقِ عالم بے بصر بی

---

[1] کوہ الوند بمسافت یک فرسخ و نیم یا دو فرسخ از ہمدان واقع شدہ، باباطاہر در دامن این کوہ برہنہ می زیست، ازین است کہ عریان شدہ، می گویند در زمستان برف ہا گرد باباطاہر آب می شد چون جہت این از ویش می پرسیدند می گفت در دل من آتشے ہست کہ این را آب می سازد۔

والعہدۃ علی الراوی [2] شہرو بشہرد :- یعنی شہر بشہر۔ این ترکیب از مختصات باباطاہر است، رجوع کنید بہ رباعی ذیل باباؔ :-

منادی میکرد شہرو بشہرد — بنفشہ جو بادانہ ہفتہ بی — کہساران ہفتہ بی — دنای گُلعذاران ہفتہ بی

مرا افتاده با خون جگر کار　　نصیب عاشقاں خون جگر بی
چو خوگر میزند تاریکی شب　　در آں ظلمت چراغم چشم تر بی
دم گرم تو برق پر شرار است　　نگاه پاک آتش در جگر بی
من ار چه سوخته جانم آتشے زن　　همان بهتر که عاشق سوخته تر بی
بپران شعله از آتش دل　　که شعله مرغکے با بال و پر بی
که آتش بر زنم ظلم بشر را　　جهاں پر فتنه از ظلم بشر بی

نمایم خلق را انوار فطرت
که فطرت خلق را مام و پدر بی

فسانۂ بیکسی

از صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم، بی اے، امرتسر،

از رہ فور سوز عشقت نامرادم خوانده اند　　بر سر راه صبا شمع مزارم کرده اند
آئینه دار خیال زلف و عارض بوده ام　　پاسبان گردش لیل و نهارم کرده اند
هم ز چشم التفاتم درس تسکیں داده اند　　هم ز آئین تغافل بیقرارم کرده اند
تا نباشد دل حریف جلوهٔ طاقت گداز　　از تب و تاب غم فرقت نزارم کرده اند
خندهٔ قلقل نصیب محفل یاراں نه بود　　شرمسار از گریهٔ ابر بهارم کرده اند

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسالے

موت اور حیات فطرت کے سلبی اور ایجابی دو کام ہیں، جو اس کے ہر شعبہ میں جاری ہیں، جدید تمدن نے جو ایک نئی علمی نسل پیدا کی ہے، وہ رسائل اور اخبارات ہیں، ہر سال کتنے یہ علمی نو مولود پیدا ہوتے ہیں، اور کتنے مرجاتے ہیں، اور ان میں سے چند ہی سخت جان ایسے ہوتے ہیں، جو ارضی و سمادی آفتوں سے بچکر اپنی زندگی کے چند سال پورے کرتے جاتے ہیں، ۱۹۲۵ء میں اردو کی گود میں جو نئے بچے پیدا ہوئے ان میں دو سب سے زیادہ ہونہار رہیں، ایک

اورینٹل کالج میگزین لاہور ہے، اور دوسرا **شمع** آگرہ،

اورینٹل کالج میگزین لاہور کی مشہور مشرقی درسگاہ اورینٹل کالج کا آرگن ہے، جو سال میں تین دفعہ یعنی کالج تعلیمی سال کے لحاظ سے نومبر، فروری اور مئی میں نکلتا ہے، بالفعل اس کے دو نمبر فروری اور مئی کے نکلے ہیں، اور نومبر کا انتظار ہے، اس رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ علوم مشرقیہ کی ترویج اور احیاء کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جائے، اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں، رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے، پہلا حصہ عربی، فارسی، اردو اور دوسرا حصہ سنسکرت، ہندی اور گورمکھی پر مشتمل ہے، رسالہ کے چیف اڈیٹر پروفیسر محمد شفیع ایم اے ہیں، اور حصہ اول کے اڈیٹر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی، حصہ سنسکرت و ہندی کے ڈاکٹر لکشمن سروپ ایم اے، پی ایچ ڈی اور حصہ پنجابی کے بھائی بے انت سنگھ بی اے ہیں،

اورینٹل کالج اس وقت خوش قسمت درسگاہوں میں ہے جس سے علوم مشرقیہ کے دو مغربی تعلیم یافتہ

ماہرین پروفیسر محمد شفیع اور ڈاکٹر محمد اقبال تعلق رکھتے ہیں، اس سے اورینٹل کالج میگزین کی خوش قسمتی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے، زیر نظر نمبر میں اردو میں پروفیسر محمد شفیع، پروفیسر اقبال، پروفیسر محمد عبد العزیز، پروفیسر حافظ محمود شیرانی کے مضامین شائع ہوئے ہیں، پروفیسر شفیع کا مضمون فرقۂ نوربخشی پر، پروفیسر اقبال کا مضمون شاہنامہ کے ماخذ پر، پروفیسر شیرانی کے مضمون رابعہ بنت کعب قزداری شاعرہ، اور شیخ فریدالدین عطار، اور حکایات سلطان محمود پر، اور پروفیسر میمن عبد العزیز کا مضمون ابو العلاء، اور ابو منصور خازن پر نہایت محنت اور کاوش سے لکھے گئے ہیں، گو ان مضامین میں حسب معمول زبان کی شیرینی، اور انشاء کی فصاحت نہ ہو، مگر تحقیق اور تعمیق میں حسب توقع کوئی کمی نہیں ہے، اور یہی سبب ہے کہ اگر ان میں تحقیق، اور واقفیت کے خلاف ذرا سی چیز بھی نظر آتی ہے تو بہت کھٹکتی ہے، مثلاً پروفیسر محمد شفیع کے مضمون نوربخشی کے صفحہ ۵ کے حاشیہ میں ہے کہ نوربخشی خطیب آج بھی جمعہ کے دن سیاہ پوش ہوتے ہیں؟ اور اس کے ثبوت میں رسالہ امامیہ میرٹھ (۱۳۲۵ھ) کے صفحہ ۳ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں، "خطیب باید کہ تیغ و کمانے بدست گیرد و بدان اعتماد کند و عمامہ و ردا ہر دو یا یکے ازان ہر دو سیاہ اختیار کند" اس عبارت سے اول تو مذہب کا حکم معلوم ہوتا ہے اور موجودہ عمل کا ثبوت نہیں ملتا، دوسرے یہ کہ سیاہ پوش ہونا، یا عمامہ اور چادر دونوں یا صرف عمامہ یا صرف چادر کا سیاہ ہونا، دو باتیں ہیں، اسی کے بعد قرآن مجید کی آیت میں منتہون کا کو منتمم نوبہ لکھا گیا ہے، حالانکہ قرآن پاک میں یہ لفظ باب افعال سے ہے نہ کہ تفعیل سے،

صفحہ ۸ میں پروفیسر اقبال نے ثعالبی کا نام منصور لکھا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، ثعالبی کا نام عبد الملک، اور کنیت اسکی ابو منصور ہے، اس قسم کی غلطیاں تو شعر العجم ہی کے لیے مخصوص ہونی چاہئیں، پروفیسر اقبال نے عربی مؤرخین سے ان مورخوں کی تعبیر کی ہے جنھوں نے عربی کو اپنی ادبی زبان قرار دیا ہے خواہ وہ بذات خود عرب ہوں یا نہ ہوں، ادبی زبان سے ان کا مقصود غالباً یہ ہے کہ اپنی تصنیف کی زبان عربی قرار دی ہے، ہم اس اصطلاح کو تسلیم کرتے ہیں، مگر آگے چلکر وہ صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں "ثعالبی، طبری، ابو البیقی، اور دیگر عرب مصنفین کی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے" "عرب مصنفین" کی اصطلاح سے کیا مراد ہے؟ اگر خالص عرب نژاد مورخین مراد ہیں تو وہ

کرن میں، اور ثعالبی، طبری، اور جوالیقی میں سے کوئی بھی اس لحاظ سے عرب تھا؟ اور اگر ایسا نہیں تو عربی مورخین اور عرب مورخین کی اصطلاحوں میں باہم کیا فرق ہوگا؟

ہم کو سب سے زیادہ حیرت پروفیسر اقبال کے حاشیہ کی اس تحقیق پر ہے، جو صفحہ ۱۹ اور ۲۰ میں رقم ہے، "کتاب الاغانی میں بھی جو خلیفہ الواثق کے عہد کی تصنیف ہے" اغانی جیسی مشہور عام کتاب کی تاریخ میں ایسی فاش غلطی علوم مشرقی کے ایک مغربی حکیم سے حد درجہ حیرت انگیز ہے، اگر کسی سیدھے سادے عربی خوان مولوی سے یہ غلطی ہوتی تو معافی کے قابل تھی کہ ان بیچاروں کو یورپ کے طرز پر تنقیدی مباحث سے دلچسپی نہیں ہوتی، لیکن علوم مشرقی کے ایک ڈاکٹر سے جسکا بڑا سرمایہ یہی تنقیدی مباحث ہیں ناقابل عفو ہے،

خلیفہ واثق نے ۲۳۲ھ میں وفات پائی ہے، (طبری ۳-۱۴۳۰ یورپ) اور اغانی کے مصنف ابوالفرج اصفہانی کا سال پیدائش ۲۸۴ھ ہے (معجم الادبا، یاقوت ۵-۱۴۹) اور سال وفات ۳۵۶ھ ہے، جو مطیع کا عہد ہے، کیا قیامت ہے کہ جو مصنف خلیفہ واثق کی وفات کے ۵۱ برس بعد پیدا ہوتا ہے، وہ اسکا معاصر ٹھہرایا جاتا ہے،

فارسی کے مشہور محقق پروفیسر حافظ محمود شیرانی اپنے مضمون کے صفحہ ۳۰ میں دو جگہ کتاب "الف لیلہ" کو "الف لیلی" لکھتے ہیں، ایسی فاش غلطی ایک ایسے محقق سے بیحد حیرت انگیز ہے، دوسرے نمبر کے صفحہ ۱ میں حافظ صاحب ایک مشہور مقولہ من عشق وعف ومات مات شہیداً میں ف بڑھا دیتے ہیں، اور مات کو فمات لکھتے ہیں جو صحیح نہیں،

اس رسالہ کے ذریعہ سے بعض قلمی رسائل اور منظومات کی اشاعت کا بھی سامان کیا گیا ہے، مگر ضرورت ہے کہ ہمارے یہ دکاترہ جس فن کو سالہا سال میں یورپ سے سیکھ کر آئے ہیں، اوسکو ہندوستان میں بھی رواج دیں، مثلاً یورپ کے مستشرقین اس قسم کی چیزوں میں الفاظ اور نسخ کی سخت احتیاط کرتے ہیں، مگر یہ احتیاط ہمارے ان ہندوستانی مستشرقین میں نظر نہیں آتی،

صفحہ ۷۵ میں "کشف الورا" یقیناً غلط ہے، اصل نسخہ میں کہف الوری ہوگا، چاہے قافیہ کی رعایت سے

کہف الورائی کریجئے،

صفحہ ۵ میں، تجرید شعر زہر حیہ دریں رہ نہ درخواست چھپا ہے، حالانکہ آخری لفظ "درخواست" کی بجائے "درخور است" ہے، صفحہ ۹ میں "استاذ وصکوک" چھپا ہے، حالانکہ "اسناد وصکوک" چاہیئے، صفحہ ۹ میں ع نگاہ شفقت ایں سال اشتعای ناتواں بینی، میں "اشتعائے ناتواں بینی" ہونا چاہیئے، اس قسم کی خردہ گیریوں سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان مستشرقوں سے ادسی احتیاط، کمال، اور صحت کی توقع رکھتے ہیں، جو یورپ میں مستشرقین کا طغرائے فخر ہے،

یہ میگزین خدا کرے عمر دراز پائے کہ اردو کو ان بزرگان علم کے چشمۂ فیض سے بہت کچھ سیراب ہونا ہے، ہم اس رسالہ کے اجرا پر اورنٹیل کالج کو مبارکباد دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کی خدمت مین عرض کرتے ہیں کہ انکی زبان انکی اعانت کی سخت محتاج ہے، رسالہ کی سالانہ قیمت تین روپیہ ہے، اور ہر نمبر کی ایک روپیہ، دفتر اورنٹیل کالج لاہور لکھائی چھپائی مین ترقی کی ضرورت ہے،

شمع اردو کا ماہوار رسالہ ہے جو آگرہ سے نہایت عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ عمدہ کاغذ پر نہایت نفاست کے ساتھ شائع ہوتا ہے، اب تک پانچ نمبر نکل چکے ہیں، شمع کے ساتھ ہماری توقع اسلیے ہے کہ یہ یورپ سے تعلیم پاکر آئے ہوئے چند نوجوان تعلیم یافتہ اہل قلم کے ہاتھوں میں ہے، جنکے دل و دماغ تازہ، حوصلے بلند، علم و اطلاع اعلی ہیں، اور جو علوم و مسائل جدیدہ سے آگاہ اور زبان کی ترقیات کے اسلوب و طریقہ سے واقف ہیں، اور جو حقیقت میں سچائی کے ساتھ اپنی زبان کی بہترین خدمت کرنا چاہتے ہیں رسالہ کے مدیر ہمارے دوست محمد حبیب صاحب آکسن بیرسٹرایٹ لا پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی، اور حسن عابد صاحب جعفری آکسن بیرسٹرایٹ لا ہیں، ہم کو ان عزیز دوستوں سے اردو کی خدمت کی بہترین توقع ہے، اس توقع کے برخلاف اگر واہمہ پیدا ہے تو صرف یہ ہے کہ یہ مشرقی زبانوں سے کم واقف ہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ جب تک عربی فارسی کا اچھا ذوق نہ ہو اردو کی خدمت بن نہیں آسکتی، رسالہ مین پروفیسر حبیب کے تاریخی مضامین خاص اہمیت رکھتے مین، اون کے مضمون محمود غزنوی کے تقریظ یوں سے گو ہم کو کلی اتفاق نہ ہو، تاہم ان کی کوشش و محنت کی داد نہ دینا ظلم ہے، پروفیسر ہادی کا فاری

مضمون تمدین پر اچھا ہو سکتا ہیں تاریخی مضامین کے علاوہ سیاسی اور ادبی مضامین کو بھی جگہ دیجاتی ہے، بعض نئے مسائل پر اچھے مضمون نکلے ہیں، شعر وسخن کا سلسلہ بھی ہے، آخر میں تبصرے اور شذرات کی جگہ بھی ہے، لائق اڈیٹروں کے متعلق معلوم ہے کہ رسالہ کا بلند معیار ان کے پیش نظر ہے، یہ یقیناً خوشی کی بات ہے کہ اب اردو رسائل کا وہ دور ختم ہو رہا ہے جب ان کی اڈیٹری کے لیے صرف جمع و ترتیب کی صلاحیت کافی سمجھی جاتی تھی، اور اب پروفیسر محمد اقبال، پروفیسر شفیع، پروفیسر محمد حبیب، اور حسن عابد جعفری وغیرہ کا اردو رسالوں کی ترتیب واشاعت میں حصہ لینا ہماری زبان کے ایک نئے دور کا آغاز ہے،

شمع کے مؤلفین کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ ضرورت ہے کہ مشرق و مغرب کو یکجا کیا جائے، مغربی خیالات مشرقی زبانوں میں اس وقت تک بلند معیار حاصل نہیں کر سکتے جب تک مشرقی زبانوں کا بھی مطالعہ نہ کیا جائے، شمع کے نمبر ۲ میں "قرآن مجید اور علوم عرب" پر جو مضمون چھپا ہے، اس میں افسوسناک غلطیاں ہیں، یہ یقیناً یورپین تصنیفات سے بے سمجھے لے لیے گئے ہیں، علم لغت کی پہلی عربی تصنیف کا نام "کتاب الآئین" نہیں "کتاب العین" ہے، دوسری کتاب "اساسۃ البلاغہ" نہیں "اساس البلاغہ" ہے اور اس میں "عربی زبان کے صنائع و بدائع" کو جمع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس میں عربی محاوروں کا بیان ہے، ابوتمام کے دل میں حماسہ کا خیال اساس البلاغہ سے نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ اول ان دونوں میں کوئی وجہ اشتراک نہیں ہے، پھر اساس البلاغہ کا مصنف جار اللہ محمد بن عمر زمخشری ۴۶۷ھ میں پیدا ہوا ۵۳۸ھ میں وفات پائی، اور ابوتمام ۱۹۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۳۱ھ میں وفات پائی، وہ کیونکر زمخشری کی کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا، اور یہ بھی صحیح نہیں کہ اساس لغت کی دوسری کتاب "فلاسفر" میں دقیانوس کا نام عجیب چیز ہے، وحیدی نام کا کوئی ابتدائی مسلمان مورخ نہیں، ابن قتیبہ کو ابن قبطیہ، طبری کو تبری، ابن حوقل کو ابن ہیکل، کہنا شمع کی زبان سے کتنا برا معلوم ہوتا ہے، اسی نمبر کے صفحہ ۲۴ پر "آیندگان کے واسطے" اچھا نہیں معلوم ہوتا، صفحہ ۴۸ پر "مرزا پور کے باقیات صالحات وغیرہم" صفحہ ۵۰ پر "شرح وبست" (بجائے بسط) صفحہ ۶۶ پر مصعون بجائے مصون یا مصئون، اسی طرح تبصرے کو تبصّرے یا تبصرہ جات لکھنا صحیح نہیں، اگست کے شذرہ میں ہارز ولیم شہنا تے

پاس شدہ کی ترکیب قابل اعتراض ہے، ستمبر کے پرچہ میں ہمارے فاضل دوست پروفیسر ہادی حسن کے فارسی مضمون کے عنوان میں گذشتہ سے پیوستہ قابل اعتراض ہے، ان میں سے بعض فروگذاشتیں امید ہے کہ طبعی اغلاط یا سہو کاتب ہونگی جن سے ہر صاحب قلم کو دوچار ہونا پڑتا ہے، تاہم عربی و فارسی الفاظ کے صحیح املا کی طرف تصحیح کے وقت خاص طور سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے، نفس رسالہ کے متعلق ہمارے نہایت امید افزا توقعات ہیں، اور یقین ہے کہ وہ بہترین معلومات کے ساتھ آیندہ ترقی کرے گا، اور نئے علوم کو اردو میں منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا، قیمت سالانہ پانچ روپیہ، پتہ :۔ حسن منزل، شاہ گنج، آگرہ،

اردو دکن میں پیدا ہوئی، وہیں اس کا پہلا دار الترجمہ قائم ہوا، وہیں اردو کی پہلی انجمن ترقی اردو کا مرکز ہے، وہیں اردو کی پہلی یونیورسٹی قائم ہوئی، اور وہیں سے اردو مصنفین کی عموماً حوصلہ افزائی ہوتی ہے، اردو کے بہترین اہل قلم وہاں موجود ہیں، تاہم تعجب ہوتا ہے کہ اردو رسالوں کی زندگی اس سرزمین میں سب سے زیادہ بے ثبات ہے حسن، انجمن الفوائد، دکن ریویو، ذخیرہ، اور خدا جانے کتنے اچھے اچھے رسالے وہاں سے نکلے اور چند نمبروں کے بعد بند ہو گئے، ابھی حال میں وہاں سے تاج نامی ایک رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے جس کے اڈیٹر غلام محمد انصاری وفا اور رگھناتھ راؤ درد ہیں، رسالہ میں ہر مہینہ کوئی نہ کوئی عمدہ محققانہ مضمون ہوتا ہے دوسری جلد کے تین نمبروں ۴، ۵، ۶ کا مجموعہ شایع ہوا ہے، جس میں حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری کا فاضلانہ مبسوط مضمون زبان اردو کی تاریخ پر شائع ہوا ہے، بعد کے نمبر میں ان لفظ کے سوال "ہندوستان کا سب سے بڑا انشا پرداز کون تھا" کے جواب میں مولانا حالی کا نام پیش کرکے انکی انشا پردازی کا مضمون لکھا گیا ہے، ہم کو مولانا حالی مرحوم کی سادہ انشا پردازی کے بلند درجہ سے انکار نہیں، مگر افسوس ہے کہ اس مضمون میں ان کی وکالت کا پورا حق ادا نہیں کیا گیا ہے۔ حالی کی انشا پر اس سے بہتر لکھا جا سکتا ہے، قیمت صہ سالانہ، پتہ :۔ تاج، چھتہ بازار حیدرآباد دکن،

اردو کے مشہور ادیب و شاعر سید حسرت موہانی کا رسالہ اردوئے معلّٰی جو علی گڑھ سے کئی دفعہ بند ہو کر نکلا ہے اب چند مہینوں سے کانپور سے پھر نکلنا شروع ہوا ہے، اردوئے معلّٰی کے پہلے دور میں ادب اور سیاست

کا اجتماع تھا، اب سیاست کے بجائے ادب اور تصوف کی یکجائی ہے، سید حسرت کے نیازمندوں کو نہ ادبیات اور سیاست کے اجتماع پر تعجب تھا، اور نہ اب ادبیات اور تصوف کی یکجائی پر تعجب ہے، حسرت امتحان کی ترازو میں اتنی دفعہ تل چکے ہیں کہ وہ جو چیز بھی مخلوق کو دینگے وہ اوس کے لینے میں پس و پیش نہ کریگی تاہم کیا یہ ضروری ہے کہ ہمارے دوست ادبیات کے ساتھ کوئی نہ کوئی پیوند ضمیمہ ضرور لگائیں، کیا تنہا ادبیات کی خدمتگذاری ضم ضمیمہ کے کے بغیر نہیں ہو سکتی، ہمارے دوست کی مستقل مزاجی نے بڑے بڑے معترضین کو خاموش کر دیا ہے، پھر معارف کے اس اعتراض مخلصانہ کو قبول کی سند کہاں ملسکتی ہے، بہرحال حسرت قند ادب کے ساتھ جو کچھ بھی ملا کر دیں قدرشناسوں پر فرض ہے کہ وہ ادب سے اوسکو قبول کریں، نئے سلسلہ میں "نکات سخن" کے عنوان سے اونکی وہ کمائی وقف عام ہو رہی ہے، جو فیض آباد کے قیدخانۂ تنہائی میں انھوں نے کمائی تھی، اردو کے قدردانوں کے لیے یہ تحفۂ عجیب ہے، تصوف کے سلسلہ میں جو تبرکات شجرہ وغیرہ شایع کر رہے ہیں، "حصول برکت" کے سوا ان سے کسی دینی یا دنیاوی فائدہ کی امید نہیں، رسالہ کے ہر نمبر کے ساتھ بدستور کسی نہ کسی مشہور شاعر کے قلمی دیوان کا انتخاب بھی شائع ہوتا رہتا ہے، قیمت سالانہ ۴؎، پتہ :- سید حسرت موہانی، حسرت روڈ کانپور،

ہمارے دوست مولانا آزاد سبحانی "ہر گوشہ تمتع اٹھا کر بالآخر ایسا معلوم ہوتا ہے، اب گوشۂ عزلت میں بیٹھکر "وطن در انجمن" یا "سفر در حضر" کا لطف اٹھانا چاہتے ہیں، گو یہ قیاس بڑے یقین کے ساتھ نہیں پیش کیا جا سکتا، تاہم یہ یقینی ہے کہ اب اونکی مستقل شاہراہ زندگی، مسلک تصوف ہو گی، چنانچہ اس سلسلہ کی سب سے پہلی بشارت یہ ہے کہ موصوف نے جنوری ۱۹۲۴ء سے روحانیت کے نام سے ایک صوفیانہ رسالہ بڑی شان سے نکالنا شروع کیا ہے جس میں اپنے خاص انداز میں عقل و نقل، علم و عمل، حقائق قرآنی، روح الاحادیث، فلسفہ امام ربانی، تبصرات سبحانی، مکتوبات سبحانی، ملفوظات سبحانی، اطلاعات سلسلہ وغیرہ کے عنوانات سے اپنے علمی اور روحانی فیوض کو وقف عام کیا ہے، مولانا کی علمی لیاقت، قابلیت، حسن تقریر اور بعض دیگر خصوصیتوں کے ہم معترف ہیں، اونکی خدمت میں مدت سے تعارف حاصل ہے اور اسلیے ہم دل سے اونکی کامیابی کے متمنی ہیں، اور دعاگو ہیں کہ خدا اونکو

توفیق دے کہ وہ استقلال کے ساتھ ملک و ملت کی ہدایت کا صحیح فرض انجام دیں، رسالہ کی ضخامت ڈھائی جزو ہے قیمت ستے، پتہ: دفتر روحانیت گورکھپور،

الٰہ آباد کا جسمانی اکبر تو اب اس عالم آب و گل میں نہیں، لیکن یہیں کی مٹی سے اب ایک کاغذی اکبر اسکی یادگار میں نکلا ہے، ستمبر میں اسکا پہلا نمبر اور نومبر میں دوسرا نمبر چھپا ہے" الٰہ آباد کی آب وہوا ابھی اردو اخبارات اور رسالوں کو راس نہیں آتی، "ادیب" کے بعد سے کئی رسالے یہاں سے نکلے مگر نہ جی سکے، مرحوم اکبر الٰہ آبادی کی نسبت کہتے تھے ع یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے، خدا کرے جس طرح وہاں کا امرود ابھی زندہ رہنے والا ہے یہ اکبر بھی زندہ رہجائے، رسالہ اراکین انجمن دار الادب کی نگرانی میں نکلتا ہے، اس کے مدیر جیسا کہ اس کے پہلے صفحہ پر ہے" مولانا تسلیم الدین شرقی بی اے ہیں، اور چار اصحاب اس کے معاونین مدیرین، جن میں ایک بی اے ہیں، ایک شاعر ہیں، ایک "فاضل ادب" ہیں، ایک "فاضل وادب و دینیات" ہیں، ایسے ہمہ گیر پانچ الٰہ آبادی فاضلوں کے قلموں کے سنگم سے جو رسالہ نکلے گا وہ کتنا سیراب ہوگا، تاہم ابھی یہ توقع دور ہے، کہ نا آزمودہ کار دست و بازوں کو ابھی پختگی اور قوت حاصل کرنا ہے، یہ غلط خیال ہے کہ کسی رسالہ کی کامیابی محض متعدد اڈیٹروں کے نام یا ان کے علمی و تعظیمی القاب کے اضافہ یا اظہار سے ہو سکتی ہے، مشک آن است کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید،

رسالہ میں فلسفیانہ، تاریخی اور نظم ونثر ادبی مضامین ہوتے ہیں، حضرت اکبر مرحوم کے خطوط کی اشاعت کا سلسلہ بھی ہے، دوسرے نمبر کے پہلے صفحہ پر ڈاکٹر اقبال کا زریں کلام زریں حرفوں میں چھپا ہے، آخر میں "دربار اکبری" کے عنوان سے نیچے کچھ متفرق خیالات شذرات کی صورت میں ہیں، مضمون نگاروں میں الٰہ آباد یونیورسٹی کے تمام اہل قلم اصحاب داخل معلوم ہوتے ہیں، خدا اس نوزائیدہ اکبر کو اس بوڑھی یونیورسٹی کے شایان شان بنائے، قیمت سالانہ للعہ

یوپی کے شہر خورجہ میں علم وفن کی بہار پہلے کبھی آئی ہو یا نہ آئی ہو، مگر اب جدید تمدن کی عام سیرحاصلی نے ہر دشت وصحرا کو گلستان اور چمنستان بننے کا موقع بہم پہنچا دیا ہے، ایسی صورت میں اگر خورجہ کے باغوں میں عندلیب چہکے تو تعجب کس کو ہوگا، خورجہ سے عندلیب نام ماہوار رسالہ ہلال احمد صاحب زبیری مارہروی کی اڈیٹری

میں شائع ہوا ہے، مارہرہ میں اہل قلم اصحاب کا اب بھی اچھا خاصہ مجمع ہے، اسلیے اگر صرف مارہرہ برادری کا یہ تنہا رسالہ ہو تو بھی توقع کے مطابق ہوگا، اس وقت فروری ۲۵ء میں نکلنے والے رسالہ کا پہلا نمبر ہمارے ہاتھ میں ہے، مولوی ظفر علیخاں صاحب کا مضمون "تحریک اتحاد تورانی" سید احسن صاحب مارہروی کا مضمون "اصلاح اردو" مولوی محمد احمد صاحب مارہروی کا مضمون "مخزن الاشا" بلند سے بلند رسالہ کے لیے بھی قابل فخر ہیں، سید احسن صاحب نے اردو کی اصلاح کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، ہم کو اس سے حرف حرف اتفاق ہے، دیگر مضامین بھی اچھے ہیں، معلوم نہیں یہ رسالہ اب تک نکل رہا ہے یا نہیں، ہمارے پاس صرف پہلا نمبر آیا ہے، رسالہ میں خیالی تصویر کا بھی سامان ہے، قیمت للعہ، خورجہ (یوپی)

ریگستان میں بھی بہار آگئی، اور وہاں بھی اردو کے نونہال نے برگ و ساز پیدا کیا ہے، راجپوتانہ کی مشہور ریاست سجے پور سے شادمان نام اردو کا ماہوار رسالہ نکلا ہے، حکیم نورالحسین صدیقی اس کے اڈیٹر ہیں، مضامین زیادہ تر ادبی ہیں، ضخامت ۳۲ صفحے، قیمت صہ سالانہ،

ہندوستان کی سرحد پشاور سے سرحد نام ایک نیا رسالہ سرحدی نوجوانوں کی قلمی اعانت سے نکلنے لگا ہے، ہندوستان جنکو "اہل سیف" دیکھنا چاہتا ہے، انکا اہل قلم ہونا مناسب ہو یا نہ ہو تاہم صحیح خیالات کی اشاعت، اور لوگوں میں زندگی کی نئی روح پیدا کرنے کے لیے اسکی ضرورت تھی، یہ اردو اور پشتو دونوں زبانوں میں نکلتا ہے، جناب یوسفی صاحب اس کے اڈیٹر ہیں، اچھے خیالات، بلند ارادوں، اور صحیح معلومات کی تبلیغ کی اس سے اُمید ہے، خدا کرے یہ سرحدی مولود زندہ رہے، اور آزاد آب و ہوا میں اچھی طرح نشو و نما پائے قیمت

علوم دینی کی مشہور درسگاہ دار العلوم دیوبند کا پرانا ارگن القاسم جو کئی سال سے بند تھا، محرم ۱۳۴۴ھ سے پھر نکلنے لگا ہے، لیکن ابھی اپنے پرانے رنگ میں خوب نکھرا نہیں ہے، ایک ایک دو دو صفحہ کے کثیر التعداد مضامین سے بہتر ہے کہ چند ہی مضمون ہوں، مگر کامل ہوں، شروع میں نذر نعت کے عنوان سے شہریار دکن خلد اللہ ملکہ کی ایک مطبوعہ نعت کو جگہ دیگئی ہے، اور ہمیں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کا عربی قصیدہ اردو

ترجمہ کے ساتھ ہے، اور ان دونوں کے بیچ میں ۴۹ صفوں کے اندر ۹ مضامین مختلف علمائے مدرسین دیوبند کے قلم سے نکلے ہیں، اور ناتمام چھپے ہیں، ہم کو توقع ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ سے عام مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچیگا، مولوی طاہر بن احمد صاحب کی جوان ہمتی سے امید ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی اس امانت کی پوری قدر کرینگے، قیمت عـ۲ ،

بریلی سے امید کی ایک نئی شعاع نکلی ہے یہ شعاع ماہوار رسالہ ہے جناب جنوب بریلوی، اور شمیم بریلوی کی اڈیٹری میں نکلا ہے، مضامین تمام تر ادبی ہیں قیمت سالانہ للعہ ر

دارالادب لکھنؤ سے ترچھی نظر اب سیدھا سادھا نظر بنکر نکلا ہے، اسکے اڈیٹر پیرزادہ سید فدا حسین بی اے علیگ ہیں، فرض ادارت ادا کرنے والوں اور مضمون نگاروں میں متعدد گریجویٹ، اور بعض لکھنؤ یونیورسٹی کے متعلقین ہیں، لکھنؤ اردو کا تربیت گاہ ہے، اسلئے لکھنؤ کی حیثیت اس سے زیادہ بلند رسالہ کو چاہتی ہے امید ہے کہ جس طرح "ترچھی نظر" نے اس "نظر" تک ترقی کی ہے، آیندہ یہ نظر اور وسعت پیدا کرے قیمت سعہ ر سالانہ، پتہ چوک لکھنؤ،

لاہور سے ایک نیا ولکش رسالہ نکلا ہے، رسالہ کے نام سے زیادہ تین اڈیٹروں کے نام دلکش ہیں اڈیٹر نذیر احمد خاں یزدانی، اسسٹنٹ اڈیٹر نجمہ سلطانہ سیلانی، اور جائنٹ اڈیٹر انیس مجتبیٰ صبا مارہروی، رسالہ میں نظم و نثر ادبی مضامین ہوتے ہیں، کوئی خاص انداز نہیں، قیمت ۱۲ ؍

لاہور کے "اللہ والے کی قومی دکان" سے حضرت قدوۃ السالکین سید چنن شاہ کا آلو مہاری" کی یادگار میں، ملک چنن الدین نقشبندی و مجددی کی ادارت میں رسالہ اسرار تصوف نکلا ہے، صوفیاء کی تعلیم تھی کہ تصوف کے اسرار گفتنی نہیں ہیں، "اگر مین تو بر دار تواں گفت دمنبر نتواں گفت، مگر اس چودھویں صدی کا کیا انقلاب ہے کہ آپ تصوف صرف گفتنی رہ گیا ہے اور کاغذ کے منبروں پر اس کے اسرار علانیہ فاش کئے جارہے ہیں، رنگین سرورق پر جو حدیث قدسی زیر عنوان ہے وہ حدیث تو نہیں، کسی

صوفی صافی کا قول ہوگا جس نے حدیث قدسی کا درجہ پایا ہے، رسالہ کے متعلق دعویٰ ہے کہ وہ ہما عالی خانوادوں کے اہل اللہ اور سالکان راہ اور طالبان حقیقت کی آواز بازگشت ہے، قیمت اصلی سے رعایتی عہ

آگرہ نے دل نکالا ہے اس "دل" کے معالج حکیم سید وصی حسن صاحب شباب اکبرآبادی ہیں، ضخامت ۳۲ صفحے، قیمت ۶ر

رامپور سے نیرنگ نام ایک ادبی رسالہ نکلتا ہے، مولوی سید محمد نقی صاحب شاد تاں لکھنوی پروفیسر اورنٹیل کالج رامپور اسکے اڈیٹر ہیں، رامپور اورنٹیل کالج کے نام سے تو کوئی درسگاہ نہیں معلوم، شاید اہمیت بڑھانے کے لیے مدرسۂ عالیہ رامپور کو اورنٹیل کالج کا درجہ دیا گیا ہے، لیکن اب ہندوستان اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ ناموں کا الٹ پھیر اب اس کو مرعوب نہیں کرسکتا، رسالہ میں شاعرانہ مطارحات زیادہ تر ہوتے ہیں، آخر میں غزلوں کا گلدستہ ہوتا ہے قیمت سے ر،

ککے زئی، ککے زئی قوم کا ماہوار آرگن، جو جناب امام خانصاحب نوشہروی کی ادارت میں نکلا ہے جس میں خاص اس قبیلہ کی تاریخ و حالات و نسب اور اصلاح و ترقی کے مضامین ہوتے ہیں، قیمت عہ پتہ:۔ سوہدرہ گجرانوالہ پنجاب،

علی گڈہ سے سودمند رسالہ مولوی سید طفیل احمد صاحب کی کوششوں سے اور سید جعفر حسین صاحب کے نام سے سات مہینوں سے نکل رہا ہے، رسالہ کا بظاہر مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں کفایت شعاری، اور مالی کاروبار کی صلاحیت پیدا ہو، اور مسرفانہ مراسم کی اصلاح ہو، مگر اسی کے ساتھ یہ عزم بھی ہے کہ مسلمانوں میں عام طور سے سود لینے کو رواج دیا جائے، قیمت ۶ر ضخامت ۳۲ صفحے،

عالمگیر، لاہور کا ایک نیا "مصور مجلہ" اس نام سے نکلا ہے، اس کے "رئیس التحریر" حافظ محمد عالم صاحب ہیں، شروع میں "ملاحظات" پھر عام ادبی مضامین ہوتے ہیں ضخامت ۶۴ صفحے، قیمت ہے،

جناب ابو المعانی اختر شیرانی الافغانی نے انتخاب کے نام سے رسالوں کے منتخب مضامین کا ماہوار

مجموعہ لاہور سے شائع کرنا شروع کیا ہے، ماہ نومبر میں دوسرا نمبر نکلا ہے جس میں ۲۰ صاحبوں کے مختلف پیرائے نظم و نثر مضامین کو دوبارہ چھاپا گیا ہے ساتھ ہی دستۂ گل، معلومات، حدیث دیگراں، گلکدہ، تلمیحات، آثار قدیمہ، فقہ اللغہ، روح انتخاب، فکاہات، تبصرے، معمہ کے مستقل عنوانات ہیں، کام اچھا ہے مگر ضرورت ہے کہ انتخاب میں حسن ذوق اور سلامت رائے سے کام لیا جائے ورنہ ڈر ہے کہ انتخاب لاجواب ہو کر نہ رہجائے، اسی قسم کی کوشش زبدۃ الرسائل کے نام سے علی گڈھ سے کیگئی تھی، مگر ناکام رہی، یہ بھی مناسب ہے کہ صرف مضمون نگاروں کے ناموں پر اکتفا نہ کیجائے، بلکہ اصل رسالہ کا بھی بقید نمبر نام دیا جائے، ورنہ یہ مشتبہ رہیگا کہ صاحب مضمون کا یہ نیا مضمون ہے، یا یہ کوئی پرانا مضمون ہے، اسی طرح اسکے لیے حصول اجازت کی بھی اخلاقاً ضرورت ہے، قیمت ۸ر

لاہور مستی گیٹ سے **قوس و قزح** کے نام سے ایک "مجلۂ علمیہ و ادبیہ" کی اشاعت ہو رہی ہے، مدیر و ناشر جناب محمد وحید صاحب گیلانی ہیں، پہلا صفحہ "ملاحظات" کا ہے، اس کے بعد ۴۶ صفحوں میں ایک ایک دو دو صفحوں کے ۲۰ مضمون ہیں، مضمون نگاروں میں بعض اچھے لکھنے والوں کے نام بھی ہیں، قیمت للعہ ر

اورنگ آباد دکن کے علمی باغ میں ایک میوۂ **نورس** بہم پہنچا ہے، اورنگ آباد کالج کے طلبہ کا یہ دوماہی رسالہ ہے، نوجوان طلبہ کی دماغی محنتوں کے مجموعہ کے لیے نورس کتنا اچھا نام ہے، خصوصاً یہ تاریخی مناسبت جان کر کہ اسی دکن کی سرزمین کا ایک بادشاہ "نورس" کے لفظ کا عاشق گذرا ہے، نورس میں پہلے شذرات ہوتے ہیں، پھر اخبار علمیہ، پھر چند مضامین، آخر میں کالج کی خبریں، اڈیٹر کا نام گو سرورق پر نہیں، مگر کسی پختہ کار قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، اورنگ آباد کالج اس لحاظ سے خود جامعۂ عثمانیہ سے بڑھ گیا ہے، کہ اس کا کوئی آرگن نہیں، اور اسکی یہ شاخ یہ ثمر نورس رکھتی ہے، قیمت لکھی نہیں،

نقاد، نیا رسالہ اس کے جامع "ترجمان حقائق" کوثر لکھنوی کے زیر ادارت دفتر سفیر سخن و دار المصنفین لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس نئے "دار المصنفین" سے ہم واقف نہیں، شاید اہل لاہور واقف ہوں، ادبی و لغوی تحقیقات اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے، ضخامت ۷۰ صفحے، قیمت سے ر، کشمیری بازار لاہور،

لکھنؤ سے حسن ادب نام ایک رسالہ ابوالکمال محمد وحید علی لطف لکھنوی کی اڈیٹری میں اشاعت پذیر ہوا، اس میں کچھ نثر میں خیالی ادبی مضامین اور نظم میں شاعروں کی غزلیں ہوتی ہیں، قیمت عہ، پانانالہ لکھنؤ،

انوار القدس، ماہم شریف بمبئی سے ایک صوفیانہ رسالہ چودھری شریف احمد آزاد لکھنوی کی زیر ترتیب شائع ہوتا ہے، زیادہ تر مضامین مولوی سید محمد صاحب جنکا صوفیانہ لقب ذوقی شاہ ہے انکے قلم سے نکلے ہیں، شاہ صاحب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں، اسلیے تصوف کے اسرار کو نئی بولی میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں، خدا لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائے، حضرت مخدوم مہائمی کے مزار کا انتساب بھی اس کو حاصل ہے، مضامین سلجھے ہوئے ہیں، خیالات عام صوفیانہ رسائل سے بلند ہیں، قیمت للعہ، پتہ مہائم پوسٹ نمبر ۱۶ بمبئی،

شیر شاہ کے پرانے دار السلطنۃ شہسرام (صوبہ بہار) سے ایک طبی رسالہ **الطبیب** کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے مدیر حکیم کریم الدین احمد صاحب قادری ہیں، قیمت عہ،

صنعت و تجارت، نام ایک رسالہ سید محبوب علی شاہ مکینکل انجینیر کی ادارت میں لاہور سے نکل رہا ہے جس میں صنعت و تجارت، ایجادات اور کلوں پر مختلف مضامین ہیں کسی نہ کسی مشین کی تصویر بھی ہوتی ہے، ملک میں ایسے رسالوں کی سخت ضرورت ہے، خدا اس کو کامیاب کرے، قیمت سے، پتہ:- لاہور چوک مٹی کٹڑہ تارکشاں

طلیعہ، بوائے اسکاؤٹس کو ہر دلعزیز بنانے کے لیے یہ رسالہ نکالا گیا ہے، مضامین بوائے اسکاؤٹس کے فرائض اور تعلیم و مشق کے متعلق ہوتے ہیں، مسلم یونیورسٹی بوائے اسکاؤٹس علی گڈھ کی طرف سے نکلتا ہے، اڈیٹر عبد الشکور ایم اے بی ٹی، قیمت للعہ،

بنارس اور مسلم پرستی کس قدر بے جوڑ ہے تاہم دنیا اسی صنعت تضاد کے بل پر قائم ہے، بنارس سے ایک "مسلم پرست" ماہوار اور سیاسی رسالہ **حفاظت** جناب شاہ عترت حسین صاحب بی اے (علیگ) وکیل کی ادارت میں نیا نکلا ہے، جس نے اپنا اصول شعار حق، انصاف اور مساوات قرار دیا ہے، اور حقیقت میں اس کا مقصد سر سید کی اسلامی و ملکی طرز سیاست کو زندہ کرنا ہے، اور مسلمانوں کو انگریزوں سے قریب اور ہندوؤں سے دور

معلوم ہوتا ہے بہرحال مسلمانوں کا ایک خاص سیاسی مسلک کا رسالہ ہے، اور اسلئے قابلِ قدر ہے کہ اس کا مقصد چند بیکار و فرسودہ نظم و نثر کی اشاعت کے بجائے عملی سیاست ہے، قیمت صہ پتہ اردو بازار بنارس کنٹونمنٹ،

امرتسر سے سہیلی کے نام سے ایک زنانہ رسالہ خدیجہ بیگم ایم اے ایل (گولڈ میڈلسٹ) کی نگرانی اور نوشابہ خاتون قریشی (یا قریشیہ) بی اے اور رضیہ خاتون کی اڈیٹری میں نکلا ہے، عورتوں کی دلچسپی کے لائق معمولی ادبی مضامین جو زیادہ تر عورتوں کے نام سے ہیں، اس میں نکلتے ہیں، ایسی تعلیم یافتہ خاتونوں کا معیار تو اس سے بلند ہونا چاہیئے، قیمت ہے پتہ کرمی سنگھی بابو صاحب امرتسر دفتر سہیلی،

شہر ملتان سے ایک اور زنانہ رسالہ سرتاج امتیاز فاطمہ بیگم عرف حاجیہ تاج بیگم کی اڈیٹری میں ایک سال سے نکلتا ہے، مضامین عام دلچسپی کے ہوتے ہیں، کبھی کبھی عراق وغیرہ کے سفرنامے بھی ہوتے ہیں، اس کا مقصد عورتوں کے معلومات کو بڑھانا ہے، افسوس ہے کہ مضامین میں املا اور زبان کی غلطیاں ہوتی ہیں، قیمت چار روپیہ،

سال کے تمام نئے اردو رسالوں کا جائزہ آپ نے لیا، آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اکثر رسالے بے مقصد نکلتے ہیں، لفظ ادبی میں اتنی وسعت ہے کہ ہر شے اس کے اندر داخل ہے، بقول مولوی سید ممتاز علی صاحب ایڈیٹر تہذیب نسواں کے ایک رسالہ کا سرورق اگر دوسرے پر لگا دیا جائے تو باہم تمیز نہ ہو سکے، زیادہ تر رسالے نومشق اہل قلم کی کوششیں ہیں، جنکو نہ لکھنے کا اور نہ کرنے کا تجربہ ہے اور یہی ہمارے رسالوں کی ناکامی کا بڑا سبب ہے، ایک عام وبا یہ چل رہی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اڈیٹروں کے متعدد نام کامیابی کا ذریعہ ہیں، ایک رسالہ میں تو دس بارہ اوپر نیچے نام ہیں مگر ظاہر ہے کہ ہزاروں ستارے ملکر بھی ایک آفتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتے، بعضوں نے مختلف آداب، القاب و تخلص و نسبت دیکر ذریعہ سے ہیبت و رعب پیدا کرنا چاہا ہے یہ بھی مذاق سلیم کی کمی کا نتیجہ ہے، اکثر لفظ معنی نہیں معنی میں ہیں، بعضوں نے رسالہ کے ابواب کو نامانوس ترکیبوں اور لفظوں سے باوقار بنانا چاہا ہے، یہ ترکیب بھی کامگر نہیں، عموماً ان رسالوں کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان میں جدت کم اور تقلید کا رنگ زیادہ ہے، جس سے دماغوں کی بلندی کا نہیں پستی کا اظہار ہوتا ہے، دیکھئے ۱۹۲۶ء کی آب و ہوا ان میں سے کس کس کو راس آتی ہے،

مطبوعات جدیدہ

خدا کی محبت، جناب مفتی محمد دین صاحب وکیل گجرات نے اس رسالہ مین مختلف عنوانون کے ماتحت قرآن مجید کی آیات کریمہ کے حوالون سے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کن اوصاف وخصائل کے لوگون سے محبت کرتا ہے، مثلاً تقویٰ، طہارت، عبادت، امانت، صبر اور توکل وغیرہ ایسے اوصاف ہین جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید مین اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، اسلیے اگر کوئی مسلمان خدا کا محبوب اور پیارا بندہ بننا چاہتا ہے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرے، رسالہ کی زبان سلیس اور شستہ ہے، ۴۸ صفحون مین چھوٹی تقطیع پر یہ چھپا ہے، کاغذ عمدہ اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت ۸ ر پتہ: مفتی نذیر احمد صاحب دائرہ بلوچان گجرات،

ضرورۃ القرآن، مولوی احمد علی صاحب لاہوری نے خطیبانہ طرز استدلال مین قرآن مجید کی ضرورت پر یہ رسالہ لکھا ہے، شروع کے چند صفحات مین تخلیق انسانی، بعثت انبیاء، اور اتباع شریعت کی ضرورت پر بحث کیگئی ہے، پھر قرآن مجید کا تحریفات وغیرہ سے محفوظ رہنا بتایا گیا ہے، اور سب سے آخر مین مسلمانون اور خصوصاً نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو ہدایت کیگئی ہے کہ جس طرح وہ اپنے بہت سے دوسرے ضروری کام انجام دیتے ہین، اسی طرح قرآن کی تعلیم بھی حاصل کرین، رسالہ مجموعی حیثیت سے مسلمانون کے لیے مفید ہے لیکن اس مین بہت سے ایسے غیر متعلق مباحث بھی آگئے ہین جو موضوع کتاب سے قطعی خارج ہین، ضخامت چھوٹی تقطیع کے ۵۵ صفحے، کاغذ اچھا اور کتابت وطباعت متوسط ہے قیمت کتاب مین درج نہین کیگئی ہے دفتر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے ملے گی،

معصولی کی جغرافیۂ ہند، جناب سید آل حسن صاحب معصولی نے مدارس صوبۂ بہار کے ابتدائی درجون کے لیے اس نام سے ہندوستان کا مختصر جغرافیہ مرتب کیا ہے، ابتدا مین چند جغرافی اصطلاحات کی تشریح کیگئی ہے، پھر ہندوستان کو صوبہ وار تقسیم کرکے صوبۂ بہار و اڑیسہ کے جغرافی حالات وضاحت سے بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد ہندوستان ملک اور دوسرے صوبون کے جغرافی حالات درج کئے گئے ہین، صوبۂ بہار کے اردوخوان طلبہ اس سے زیادہ مستفید ہو سکتے ہین، زبان مین کہین کہین غلطیان ہین تاہم عام فہم اور بچون کے پڑھنے کے لائق ہے، خط بچون کی مناسبت سے واضح ہے افسوس کہ لکھائی چھپائی اچھی نہین اور کاغذ بھی معمولی ہے، چھوٹی تقطیع پر ۵۰ صفحون مین کتاب ختم ہوئی ہے، قیمت ۸ر پتہ:- جناب آل حسن صاحب معصولی پرشین ٹیچر آر، متر اانگلش ہائی اسکول دیوگھر،

تفریح دل، یہ کتاب لطائف اور "تفریح دل" کا سامان ہے، جناب قادر بادشاہ صاحب بادشاہ مدراسی نے عمدہ طرز ادا کے ساتھ چھوٹے چھوٹے لطیفے یکجا کئے ہین، یہ کتاب اسلیے زیادہ قابل قدر ہے کہ سنہ مین مدراس سے شائع ہوئی ہے جو اردو کے لیے بہت زیادہ ناہموار ہے، ضخامت معارف کے سائز پر ۴۸ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت ۲ر پتہ: خلیب محمد عبدالرشید صاحب نمبر ۶، گوڈون اسٹریٹ مدراس

غم پُر ملال، مسلمانون کے اس دور تنزل مین حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب پھلواروی امیر شریعت اول صوبۂ بہار ایک مقدس بزرگ تھے جو علمائے سلف کے نقش قدم پر چلتے تھے اگر وہ ایک وقت گوشۂ خلوت مین مصروف عبادت ہوتے تو دوسرے وقت کتابون کے حلقہ مین جلوہ فرما ہو کر مطالعہ فرماتے تھے، مذہبی خدمات کی انجام دہی مین یہ شغف تھا کہ اپنی کبرسنی کے باوجود امارت شرعیہ کی ذمہ داری اپنے دوش مبارک پر اٹھائے ہوئے تھے، آج مسلمانون کے لیے ایسے مقدس بزرگون کے سوانح حیات کے ایک ایک خط وخال کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی زندگی مین اسے راہبر بنا کر بصیرت حاصل کرین، بحمد اللہ کہ جناب مولوی حکیم محمد شعیب صاحب قادری نے اپنی اس تالیف سے یہ کمی پوری کر دی اسمین حضرت

مولانا مرحوم کے حالات زندگی وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں، اور خصوصاً مرض الموت اور وفات کے واقعات نہایت تفصیل سے لکھے گئے ہیں، حکیم صاحب کو اپنے مرشد سے نہایت محبت تھی، اسی کا اثر اُن کے قلم میں بھی نمایاں ہے، معارف کے لیے یہ بجد فخر کی بات ہے کہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا آخری علمی کارنامہ معارف کے چند شذرات کی تحسین اور ان مین چند کلمات طیبات کا اضافہ ہے، ضخامت ۲۵۴ صفحے، کاغذ معمولی اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، قیمت عہ، پتہ:- جناب خواجہ سید نصیر حسین صاحب مالک نظامی پریس پٹنہ سٹی،

رنج و راحت، مسلمانون کا تعلیم یافتہ طبقہ تعلیم نسوان کی ترویج مین کوشان ہے، بحمد اللہ کہ اسکی کوششین بارآور ہوتی جاتی ہین، زیر تبصرہ کتاب ایک مسلمان خاتون جناب اُمّ عبد اللہ نے لکھی ہے، اس مین خدیجہ بیگم کی سرگذشت ناول کے طرز مین بیان کیگئی ہے پہلے اس کے خاندان کی تباہی کا نقشہ کھینچا گیا ہے پھر اسکی سلیقہ مندی سے خاندان کی حالت سدھر جاتی ہے، یکایک پھر ادبار آتا ہے، پورا کنبہ منتشر ہو جاتا ہے اور وہ کسی طرح عیسائی مشن مین پہنچ جاتی ہے وہان اپنے مذہبی اثر سے ایک عیسائی خاتون کو مسلمان بناتی ہے اور پھر اسسٹنٹ سرجن کے امتحان مین کامیاب ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے خاندان کے تمام ارکان یکجا ہو جاتے ہین، بعض معمولی فروگذاشتون کو نظر انداز کر کے کتاب اچھی ہے، زبان بھی صاف اور شستہ ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۱۲۰ صفحے، کاغذ معمولی اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، قیمت ۵ر، پتہ منیجر اورنٹیل بک ایجنسی لاہور،

اسلامی رسول کے معجزے، ہندوستان مین "شدھی" کی تحریک شروع ہوتے ہی خواجہ حسن نظامی صاحب نے "تبلیغ" کی آواز بلند کی، اسلئے فطرۃً ان کے قلم کا رخ بھی بدل گیا، اور خالص مذہبی کتابیں لکھنے لگے، زیر تبصرہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ابتدا کے چند صفحوں میں معجزہ و سحر کا فرق دکھایا گیا ہے، پھر مختلف کتابوں سے معجزات نبوی نقل کئے گئے ہیں، ضخامت ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۲ر، پتہ دفتر حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، مجلد عا، غیر مجلد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

مولوی عبدالماجد بی اے

مثنوی بحرالمحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲؍

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

تصوف اسلام، اسلامی تصوف کا عطر ۔ ۔ ۔ عہ

پیام امن، موسیو رچرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات دربارۂ امن عالم، و اخوت انسانی و خون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے جس میں انھیں مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اور دونوں بالکل نئے خیالات ہیں، ونسخے ۔ ۔ ۔ ۸؍

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے قیمت باختلاف کاغذ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲؍ و ۸؍

مولوی سید صاحب انصاری

تفسیر ابومسلم اصفہانی، اعتزالی معتزلہ کی مفقود اور نادر الوجود محققانہ تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے، قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عام

سیر الصحابیات، ازواج مطہراتؓ، بنات طاہراتؓ اور عام صحابیاتؓ کی سوانحعمریاں اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے ۔ ۸؍

سیر الانصار حصہ اول، انصار کے حالات اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

سید نواب علی ایم ۔ اے ۔

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفۂ جدیدہ و مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تاریخ صحف سماوی، توراۃ، انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول ہے قسم دوم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی قومی اور فلسفیانہ نظموں کا مجموعہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱؍

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، مہلک رہنمایوں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں صفحہ ۳۰۳، عام

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں [illegible] کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جسکی تصنیفات [illegible] تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ [illegible] ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی [illegible] میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت [illegible] قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقایق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تذکرۃ الحبیب یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان